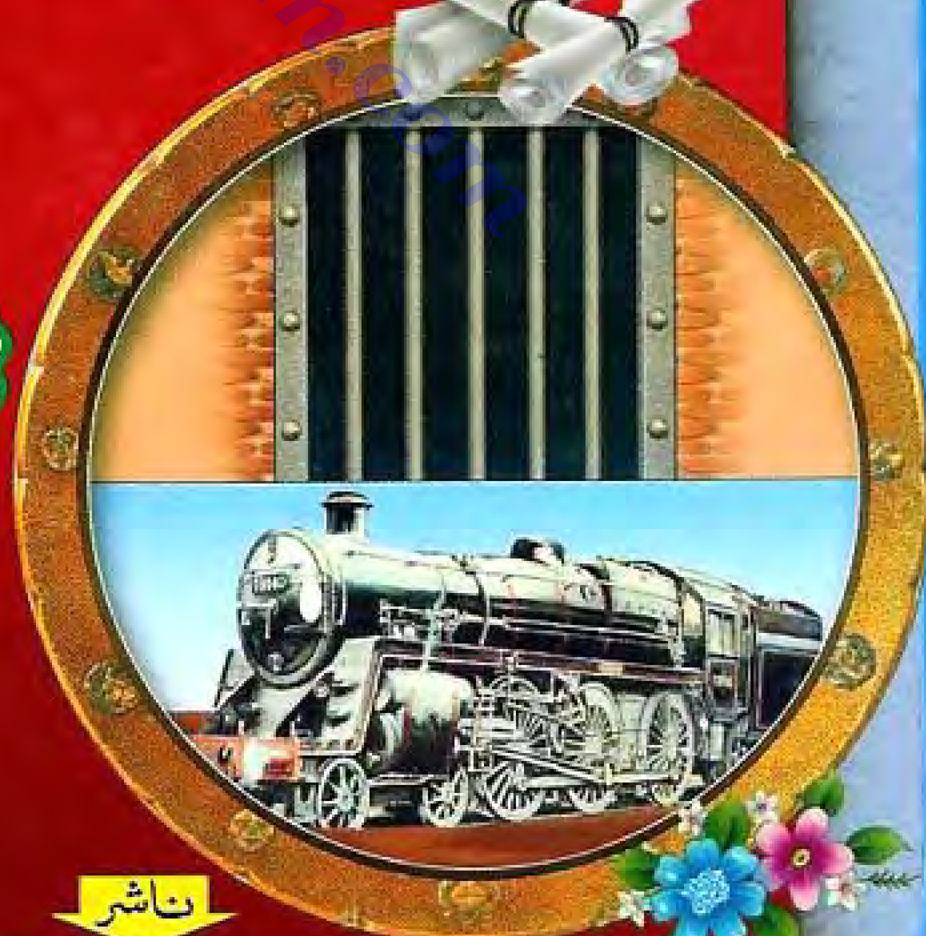
عالمی مجلس تحفظ ختم نبوۃ کے بانی امیرِ اوّل کی سوانح حیات و خطبات کا مجموعہ

سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

سوانح و افکار



ترتیب و تبویب

مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی

ناشر

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

حضوری باغ روڈ، ملتان

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے بانی امیر اول کی سوانح حیات و خطبات کا مجموعہ





سوانح و افکار

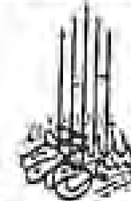
ترتیب و تبویب

مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی

ناشر

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

حضوری باغ روڈ، ملتان



ضابطہ

نام کتاب: سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ ...... سوانح وافکار

مرتب: مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی

باہتمام: قاری ابوبکر صدیق

قیمت: 200

صفحات: 592

کمپوزنگ: عثمان غنی، الخالد اسلامک کمپوزنگ سنٹر
بالمقابل حبیب بنک شجاع آباد فون نمبر: 396563

ناشر: عالمی مجلس تحفظ ختم نبوۃ حضوری باغ روڈ ملتان: 514122

رابطہ

مکتبہ ختم نبوۃ

3/A یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور: 0300-4385230

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے جملہ دفاتر اور قریبی کتب خانوں سے طلب فرمائیں

راولپنڈی۔ کتب خانہ رشید راجہ بازار

ملتان۔ کتب خانہ مجیدیہ، ادارہ تالیفات اشرفیہ

مکتبہ امدادیہ، ٹی بی روڈ۔ بخاری اکیڈمی، ایم ڈی۔ اے چوک

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انتساب

امیر شریعتؒ کے رفقاء گرامی
تحریک ختم نبوت 1953ء کے شہداء
شاہ جیؒ کے خاندان
اور ان کی روایات کی امین
عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت
کے قائدین مبلغین
اور کارکنوں کے نام

فہرست مضامین

سید عطاء اللہ شاہ بخاری......سوانح وافکار



کلمۃ الامیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظام قدرت کے تحت خاکی انسان طفولیت سے کہولت تک زندگی کے مختلف ادوار سے گذرتا اور نشیب وفراز کے سفر طے کرتا ہوا بالآخر پیوند خاک ہوجاتا ہے۔ اسے قبر میں اتارنے کے بعد اس کے اعزہ واقارب دل ہی دل میں اس کی زندگی کا تجزیہ کرتے ہوئے بعض ایسے نتائج اخذ کرتے ہیں۔ جنہیں زبان پر لانا ان کے لئے مناسب نہیں ہوتا اور بعض اوقات ان ماخوذ نتائج کو زبان پر لانا ممکن نہیں ہوتا۔ یوں سمجھئے کہ بعض انسان نوے سو برس کی زندگی گزار جاتے ہیں لیکن ان کی زندگی کا پہیہ چونکہ انہی کی ذات گرد گھومتا رہتا ہے۔ لہٰذا ان کے بارے میں کہنے کے لئے کسی کے پاس کچھ نہیں ہوتا۔ وہ عمر کے اعتبار سے کافی بڑے مگر شخصیت وکردار کے اعتبار سے کافی چھوٹے ہوتے ہیں "جمہوریت" یعنی عددی اکثریت انہی کو حاصل رہی ہے۔

ادھر کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ عمر تو ان کی بھی سو پچاس سال ہی ہوتی ہے لیکن ان کے فکرونظر، علم وذہن اور افکار وکردار کا دائرہ بہت وسیع ہوتا ہے۔ وہ چلتے زمین پر ہیں لیکن ان کے قدم آسمان پر پڑتے ہیں۔

ان کا خورد ونوش عام انسانوں جیسا ہوتا ہے لیکن ان کے چرچے ملائکہ کی صفوں میں ہوتے ہیں، ظاہری جسامت وقد وقامت میں وہ عام انسانوں کی طرح ہی ہوتے ہیں لیکن حقیقت میں ان کا قد اتنا بلند ہوجاتا ہے کہ ان کی دستار کے بل گننے کے لئے بڑے بڑوں کو

ایڑیاں اٹھا کر اوپر دیکھنا پڑتا ہے۔ دنیا کے محلات میں ان کی رسائی نہ بھی ہو تب بھی محلات میں بسنے والی مخلوق ان کے نام سے خائف رہتی ہے اور عوام کا ایک ہجوم ان کے نام سے خون میں حدت محسوس کرتا اور ان کے نشیمن کے طواف سے دل میں ٹھنڈک سی محسوس کرتا ہے۔ اور اپنی باقی مخلوقات کے دل میں اپنے ان بندوں کی محبت یوں ڈالتا ہے کہ نکالنے سے نکلتی نہیں۔

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَحَبَّ اللّٰهُ الْعَبْدَ قَالَ لِجِبْرِيْلَ اِنِّي اُحِبُّ فُلَانًا فَاَحِبَّهُ فَيُحِبُّهُ جِبْرِيْلُ وَيُنَادِيْ جِبْرِيْلُ فِيْ اَهْلِ السَّمَاءِ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَبَّ فُلَانًا فَاَحِبُّوْهُ فَيُحِبُّهُ اَهْلُ السَّمَاءِ ثُمَّ يَضَعُ لَهُ الْقَبُوْلَ فِي الْاَرْضِ ۝ (رواه الترمذی)

"جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتے ہیں تو جبریلؑ سے ارشاد فرماتے ہیں کہ بے شک، مجھے فلاں بندے سے محبت ہوگئی ہے اے جبریل تم بھی ان سے محبت کرو، پس جبریل بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر جبریل آسمانی مخلوقات میں منادی کرتے ہیں کہ بے شک اللہ کو اپنے فلاں بندے سے محبت ہوگئی ہے اے آسمان والو تم سب بھی اس سے محبت کرو۔ چنانچہ تمام آسمانی مخلوقات اس بندے سے محبت کرنے لگتی ہیں۔ پھر اس بندے کی محبت، زمین کی مخلوقات کے قلوب میں ڈال دی جاتی ہے"۔

اس حدیث مبارکہ کو قانون بنا کر ہم بلا تامل یہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ نے اپنی تمام مخلوقات میں سے سب سے زیادہ محبت اپنے آخری رسول سرتاج انبیاء امام الانبیاء ﷺ کے حصے میں آئی آپ کے بعد درجہ بدرجہ صحابہ کرامؓ، تابعین، تبع تابعین، ائمہ حدیث وفقہ اور صوفیاء کرام سے لوگ حد درجہ محبت کرتے رہے۔ انہیں شخصیات میں سے ایک اہم ترین شخصیت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی ہے جن سے دنیا بھی محبت کرتی ہے جس نے تاجدار ختم نبوت کے پرچم ختم نبوت کو بلند کیا اور اپنی حیات ناپائیدار کے 50 سال حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے اعداء وحاسدین، فرنگیوں اور افرنگ کے خودکاشتہ پودے مرزا غلام قادیانی کے جھوٹے

مذہب کی مخالفت میں گذار دیئے اور اس کو جزو بن اکھاڑنے میں صرف کر دیئے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا نے اس شخص سے ٹوٹ کر محبت کی، اسے امیر شریعت جیسے معزز و محترم لقب سے نوازا اور آج اسے دنیا سے رُخصت ہوئے نصف صدی بیتنے والی ہے اس کی یادیں آج بھی تازہ ہیں، اور زمانہ مزید طلب محسوس کرتا ہے کہ ان یادوں کو آنے والی نسلوں تک منتقل کیا جائے۔

چنانچہ زیر نظر کتاب اسی فکر کا ثمر ہے۔ شاہ جی پر بہت کچھ لکھا گیا۔ اور بہت کچھ لکھا جائے گا۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی مبلغ و ناظم مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی نے حضرت امیر شریعتؒ کی زندگی مبارک کے مختلف گوشوں پر قلم اٹھایا ہے۔ اور ایک مرتبہ پھر نئی نسل کو شاہ جیؒ کی خدمات سے روشناس کرانے کی کوشش ہے۔

زیر نظر کتاب میں بہت سے متفرق گوشے سامنے آ رہے ہیں۔ جو آنے والی نسل کے لئے یقیناً راہنمائی کا باعث ہوں گے۔

میری دعا ہے کہ اللہ پاک عزیز محترم مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ عالیہ میں قبولیت عامہ نصیب فرما کر خدام ختم نبوت کے لئے مشعل راہ بنائے۔

فقیر خان محمد عفی عنہ

(مرکزی امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت)

خانقاہ سراجیہ کندیاں شریف



نقاب کشائی

حضرت مولانا ڈاکٹر سید شیر علی شاہ دامت برکاتہم

(شیخ الحدیث دار العلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک)

خطیب العصر سالار احرار امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے چہرۂ انور کے دیدار کی پہلی مرتبہ سعادت عمدۃ العارفین الحاج سید مہربان شاہ بخاریؒ کے سالانہ اجتماع میں نصیب ہوئی، جو سالانہ عرس کے نام سے خانقاہ قادریہ مہربانیہ اکوڑہ خٹک میں منعقد کرتے تھے۔ حضرت امیر شریعتؒ نے تین گھنٹے مسلسل ختم نبوت کے موضوع پر آیات و احادیث کی روشنی میں نادرۂ روزگار خطاب سے عظیم الشان اجتماع کو مسحور کر دیا تھا، جس میں صوبہ سرحد کے جید، ممتاز اکابر، مشائخ، علماء اور دانشور حضرات موجود تھے۔

حضرت شاہ جیؒ نے مقررہ تاریخ پر اپنے قدوم میمنت لزوم سے اہالیانِ سرحد کو نوازا۔ اشتہارات اور اخبارات کے ذریعے حضرت شاہ صاحبؒ کی تشریف آوری کی خوشخبریاں پہلے سے شائع ہو گئی تھیں۔ مقررہ اجتماع میں لاکھوں فرزندانِ توحید نے شرکت فرمائی۔ بندہ بھی اکوڑہ خٹک ریلوے سٹیشن پر اپنے بڑوں کے ساتھ حضرت شاہ صاحبؒ کے

استقبال کے لئے حاضر ہوا تھا۔ ریلوے سٹیشن میں بے پناہ ہجوم تھا۔ مجلس احرار اسلام کے کافی رضا کار اپنے مخصوص لباس میں پورے نظم وضبط کے ساتھ محو انتظار تھے۔ میرے والد بزرگوار حضرت مولانا سید قدرت شاہ صاحبؒ بھی مجلس احرار اسلام کے سرگرم رکن تھے۔ ایک عجیب منظر تھا، دور سے ٹرین نے وسل دیا۔ کچھ علماء کرام اور معتقدین حضرت شاہ جیؒ کے استقبال کے لئے راولپنڈی چلے گئے تھے۔ وہ دور سے دروازہ میں اپنے رومال ہلا رہے تھے۔ پتہ چلا کہ شاہ صاحبؒ اسی بوگی میں ہیں۔ پھر سٹیشن سے لے کر جلسہ گاہ تک حضرت شاہ صاحبؒ کو ایک فقید المثال جلوس میں لایا گیا۔ تمام راستے میں نعرہائے تکبیر، مجلس احرار اسلام زندہ باد، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری زندہ باد، تاج وتختِ ختم نبوت زندہ باد، اور قادیانیت، مرزائیت مردہ باد کے فلک شگاف نعروں سے اکوڑہ خٹک کے راستے اور درودیوار گونج رہے تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی تقریرات 12 بجے شروع ہوئی اور ٹھیک 3 بجے سحری کے وقت پایۂ تکمیل تک پہنچی۔ اللہ اکبر، سامعین پر ایک عجیب کیفیت طاری تھی۔

حضرت شاہ صاحبؒ جب قرآن مجید کی تلاوت فرماتے تو یوں محسوس ہوتا تھا کہ ابھی عرش معلیٰ سے یہ آیتیں نازل ہو رہی ہیں۔

دوسرے سال جب دوبارہ حضرت شاہ جیؒ کی تشریف آوری کی بشارتیں نشر ہوئیں، تو سرحد کے دور دراز علاقوں سے شیدایانِ اسلام پروانوں کی طرح اجتماع کے لیے حاضر ہوئے۔ حضرت شاہ جیؒ جب سٹیج پر رونق افروز ہوئے تو اس وقت سرحد کے ایک نادرہ روزگار خطیب پروفیسر مولانا ادریس صاحبؒ تصوف اور سلوک کے موضوع پر پشتو زبان میں پوری فصاحت، بلاغت اور سلاست کے ساتھ تقریر فرما رہے تھے، جو اپنے دور کے عظیم محقق اور مسلّم الثبوت سکالر تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ ان کی تقریر کو پورے غور وخوض سے سن رہے تھے، ان کی تقریر کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ کی تقریر کا اعلان کیا گیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ پر ایک وجدانی کیفیت طاری تھی۔ حد درجہ بشاشت وانشراح کے ساتھ خطبہ شروع فرمایا۔ خطبہ میں پورے دس منٹ صَرف ہوئے۔ سب لوگ رو رہے تھے۔ میرے کانوں نے آج تک کسی بڑے سے

بڑے خطیب کا ایسا دلکش، جاذب قلب وجگر خطبہ نہیں سنا۔

مجھے عطر اور آپ لوگوں کو نصیحت

پھر شاہ صاحبؒ نے اپنے مخصوص انداز میں تقریر کا آغاز فرمایا۔ چند جملوں کے بعد فرمایا کہ یہ بدبو کہاں سے آرہی ہے؟ جلسہ گاہ کے قریب چمڑوں کے چھوٹے چھوٹے کارخانے تھے، جس سے بدبودار جھونکے محسوس ہو رہے تھے۔ فرمایا کہ آپ لوگوں نے ایسے مقدس اجلاس کو "عطار خانہ" میں منعقد کیا ہے۔ کہیں کشادہ میدان میں ایسے منور اجتماع کا انتظام کرتے۔ ایک صاحب نے فوراً حضرت شاہ جیؒ کو عطر گلاب کی ایک شیشی پیش کی۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے عطر کو اپنی مبارک داڑھی پر لگایا، فرمانے لگے چلو، مجھے عطر کی شیشی مل گئی اور آپ لوگوں کو نصیحت ...... کہ آئندہ اس عطار خانے میں ایسے مذہبی اجتماعات منعقد نہ کیا کریں۔

علماء حق کا کردار

حضرات امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ نے بزرگانِ دین اور علمائے اسلام کی قربانیوں کے واقعات سنائے۔ اکابرین دیوبند کے مجاہدانہ کارناموں کا تذکرہ فرمایا کہ انہوں نے برطانوی سامراج کا سینہ سپر ہو کر مقابلہ کیا۔ قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ اپنی جانوں اور زندگیوں کو قربان کیا۔ علماء کرام کا مقام بہت اونچا ہے۔ ان کو انبیائے کرام علیہم التسلیمات کی دعوت وارشاد کی میراث سے نوازا گیا ہے۔ علمائے کرام کے لئے اس دارفانی میں آرام وراحت نہیں۔ ان کو ہر باطل سے ٹکرانے کے لیے علوم نبوت سے نوازا گیا۔

دشمن کے مقابلے میں تیار رہنے کا حکم

دوسرے دن عصر کی نماز کے بعد حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ دریائے کابل کے کنارے تشریف لے گئے، جو اکوڑہ خٹک کے شمال میں واقع ہے۔ کافی علماء اور مجلس احرار کے رضا کاروں کا ہجوم تھا۔ شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ کے سینہ پر پستول کی کاٹی دیکھ کر ایک عالم نے حضرت شاہ جیؒ سے استفسار کیا کہ حضرت آپ اس دفعہ پستول لے آئے ہیں۔ فرمایا:

" وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ
عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ○

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، اس نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ان دشمنانِ اسلام کے دھمکانے اور ڈرانے کے لئے ہر قسم کا اسلحہ اور قوت مہیا کریں۔ نبی کریم ﷺ نے قوت کی تفسیر میں فرمایا "اَلَا اَنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْیُ " الرمی کا اتنا جامع ومانع ہے کہ اس میں اسلحہ کی تمام اقسام داخل ہیں۔ تیراندازی سے لے کر پستول، بندوق، ٹینک، جنگی جہازوں کی بمباری اور جدید سے جدید جنگی آلات اس میں شامل ہیں۔ ترھبون، ارھاب سے ہے۔ ارھاب کا معنیٰ ڈرانا، پدکانا، چرکانا، بِرکانا ہے پھر شاہ صاحبؒ نے اس میں کافی تفصیل فرمائی۔ ارھاب کے معنی اردو اور پنجابی میں بیان کئے پھر ہم سے پوچھنے لگے کہ ارھاب کے معنی پشتو زبان میں کیسے کریں گے؟ شاہ صاحبؒ کی عادت تھی کہ ایک کلمہ کی تحقیق میں مختلف زبانوں کے ترجمے فرمایا کرتے تھے۔

"لَا لِنَفِي الْجِنْسِ" کا مسئلہ

ایک دفعہ " لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ " کی تشریح میں فرمانے لگے، "لَا لِنَفِي الْجِنْسِ" ہے۔ یہ جب کسی کلمے پر داخل ہو جاتا ہے، تو اس کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیتا ہے۔ " لا رجل فی الدار " کا معنی ہے گھر میں کوئی آدمی نہیں ہے۔ گھر وچ کوئی جنڑا نئیں ھیگا ، در خانہ ہیچ مرد نیست ، پوچھا پشتو میں کیا معنی کریں گے۔ ایک عالم نے جواب دیا...... "کور کبن چوک سرے نشتہ "...... پھر فرمانے لگے کہ ایک دفعہ ایک بھکاری نے ایک گھر کے دروازے میں کھڑے ہو کر آواز دی کہ اللہ تمہارا بھلا کرے، میں مسافر بھوکا ہوں، مجھے کچھ دال بھاجی دے دو، تو گھر کے اندر سے ایک آدمی نے جواب دیا کہ سائیں جی، گھر میں کوئی آدمی نہیں ہے، تو فقیر نے کہا کہ بھائی آپ دو منٹ کے لئے آدمی بن کر مجھے روٹی لا دیں۔ کیا آپ خسرے اور ہیجڑے ہیں؟۔ فرمایا کہ اے علماء کرام! لا کا کلمہ مجھ سے سیکھو۔ دیگر مسائل میں آپ حضرات سے سیکھوں گا، میں نے لا میں تخصص کیا ہے۔ میں نے مسئلہ ختم نبوت کو اس لئے ترجیح دی ہے کہ ختم نبوت کے منکر قادیانیوں کو برٹش سامراج کی پشت پناہی حاصل ہے۔ یہ فتنہ

پوری قوت کے ساتھ پھیل رہا ہے۔ اگر علماء و مشائخ نے ذرا بھر بھی تکاسل و تغافل سے کام لیا تو لاکھوں فرزندانِ توحید کو یہ قادیانی فتنہ اپنے ارتدادی سیلاب میں بہا لے جائے گا۔

امیر شریعتؒ کا عربی خطبہ تقریر

دارالعلوم حقانیہ، جو پاکستان کے بڑے اہم اسلامی مراکز میں ایک امتیازی، دینی اور علمی ادارہ ہے۔ اس کے بانی و مہتمم حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت پر حضرت امیر شریعتؒ کئی بار دارالعلوم حقانیہ کے سالانہ جلسہ ہائے دستار بندی میں تشریف لائے تھے۔ ایک بار حضرت شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ تقریر فرما رہے تھے۔ اچانک بجلی فیل ہوگئی۔ سٹیج پر بڑے بڑے علماء اور مشائخ جلوہ افروز تھے۔ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین غور غشتویؒ، ضیغم اسلام، شیر سرحد حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ، حضرت مولانا مفتی محمد نعیم لدھیانویؒ اور دیگر بے شمار علماء موجود تھے۔ حضرت مولانا لاہوریؒ کرسی سے اترے اور حضرت شاہ جیؒ کو کرسی پر بٹھایا۔ شاہ جیؒ نے اپنے خصوصی انداز میں خطبہ شروع کیا۔ شاہ جیؒ کو رب العالمین جل جلالہٗ نے آوازِ داؤدی سے نوازا تھا۔ وہ ایک عجیب، دلکش روح پرور اور نرالے انداز میں خطبہ پڑھتے تھے۔ قرآن مجید کی آیت بھی قرأت و تجوید اور خوش آوازی سے تلاوت فرمایا کرتے تھے:۔

میرؔ جمع ہیں احباب دردِ دل کہہ لے
پھر التفاتِ دلِ دوستاں رہے نہ رہے

حضرات! آج ہماری جماعت، مجلس احرار اسلام مسئلہ ختم نبوت کے تحفظ میں لگی ہوئی ہے۔ فتنہ مرزائیت اور قادیانیت کے دجل و فریب اور دسیسہ کاریوں کی دھجیاں اڑانے کے درپے ہوگئی ہے۔ بہت دنوں سے مسئلہ ترجیح میں پھنسا ہوا ہوں۔ ترجیح کے معنی کسی ایک چیز کو دوسری چیز پر فضیلت اور فوقیت دینے کے ہیں۔ اس پر آشوب دور میں ترجیح کے قابل وہ مسئلہ ہے، جس پر ہماری جماعت احرار اسلام مصروف عمل ہے۔ میں دینی مدارس و معابد دارالعلوموں اور مذہبی تبلیغ کی ضرورت و اہمیت کا منکر نہیں۔ مگر ان تمام شعبوں کا بنیادی مسئلہ،

تحفظ ختم نبوت کا مسئلہ ہے۔ یہ مسئلہ تبلیغ کا پہلا اور سب سے اہم شعبہ ہے۔ جس کا انکار قرآن و حدیث کے انکار اور بیخ کنی کے مترادف ہے۔

علماء صوفیاء اور مشائخ کو انتباہ

ختم نبوت کے اسی اساسی عقیدہ میں اگر ذرہ بھر بھی فرق آجائے تو ایمان کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ میں دارالعلوم حقانیہ کے اس عظیم الشان، فقید المثال اجتماع میں علماء و مشائخ کے سامنے اپنے رنج و غم اور دکھ و درد کا بھرا ہوا پیغام سنانے آیا ہوں۔ فیضی کا شعر جو بچپن سے یاد ہے، بے دریغ زبان پر آیا:

یا با خبری از خود و ازہر دو جہان
یا بے خبری از خود و ازہر دو جہاں
ان کنت لا تدری فتلک مصیبة
وان کنت تدری فالمصیبة اعظم

محترم علماء کرام، معزز مشائخ عظام، گدی نشین حضرات! آپ کو کیا خبر؟ قادیانیت و مرزائیت کا خطرناک فتنہ کتنی تیزی اور قوت و اشتعال کے ساتھ ہمارے پاکستان میں پھیل رہا ہے۔ برطانیہ کے اس خود کاشتہ پودے کے سر پر اب بھی برطانیہ کا ہاتھ ہے۔ آپ اس فتنہ کو معمولی سمجھتے ہوئے اپنے درس و تدریس میں مصروف، صوفیائے کرام اور گوشہ نشین حضرات اپنے خلوت خانوں میں بیٹھ کر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔ دنیا سے قطع تعلق اور کنارہ کشی کو اپنا منتہائے مقصود اور ذریعہ فلاح سمجھ بیٹھے ہیں۔

اے! ہم نے تو تبلیغ کا ٹھیکہ نہیں لیا۔ میں اکیلا تو دعوت و ارشاد پر مامور نہیں بلکہ میں بھی "رجل منکم" ہوں۔

قادیانیت کے ایمان سوز جرائم

میرے محترم علماء کرام! آپ حضرات کو معلوم نہیں۔ قادیانی مبلغین پوری جسارت

اور دیدہ دلیری سے سادہ لوح، ان پڑھ مسلمانوں کو قادیانی بنا رہے ہیں۔ اگر بزرگانِ ملت اور علماء کرام، اس فتنہ کی سرکوبی کی طرف متوجہ نہیں ہوئے تو قادیانیت کے ایمان سوز جراثیم تمام عالم اسلام کو اپنے لپیٹ میں لے لیں گے۔

امیر شریعتؒ...... نادرۂ روزگار خطیب

ردّ قادیانیت کے لئے اللہ تعالیٰ نے علماء حق کا ایک جم غفیر پیدا فرما دیا تھا۔ مگر شاہ جیؒ کو رب العالمین جل جلالہ نے قادیانیت کے شجرۂ خبیثہ کو بیخ و بن سے اکھاڑنے کے لئے جس نادرۂ روزگار خطابت سے نوازا تھا۔ وہ انہی کا حق اور انہی کا طرۂ امتیاز تھا۔ اللہ تعالیٰ نے شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ و بیانات کو جس جاذبیت اور مقناطیسی کشش و اثر سے نوازا تھا، وہ کسی اور خطیب کی تقاریر میں نہیں تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے لئے شیخ الاسلام مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ، شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، قطب العالم حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، زینت العارفین شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ، یادگارِ اسلاف حافظ الحدیث حضرت مولانا عبداللہ درخواستیؒ اور دیگر سینکڑوں اولیاء عباد الرحمٰن، دن رات دعائیں کرتے تھے۔ وہ ہر باطل کے لئے ایک سیف مسلول تھے۔ ان کی ایک ہی تقریر دیگر علماء کرام کے کئی تقاریر پر کئی درجہ وزنی ہوتی تھی۔

یہ مژدہ جانفزاء سن کر بہت خوشی ہوئی کہ شاہ جیؒ کی جماعت کے مبلغ مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی نے آپ کے سوانح و خطبات پر کتاب مرتب کی ہے۔ اور بندہ سے فرمائش کی کہ آپ کی حیات، خطابت اور عظیم الشان خدمات پر چند سطور تحریر کردوں۔ چنانچہ ان کی فرمائش پر یہ چند سطور تحریر کردی ہیں۔

میری دُعا ہے کہ اللہ پاک اس کتاب کو نافع خلائق بنا کر ختم نبوت کے عظیم محاذ سمیت تمام محاذوں پر کام کرنے والے علماء کرام، مشائخ عظام، خطباء قوم اور دینی کارکنوں کے لئے مشعل راہ بنائے۔ (آمین ثم آمین)

شیر علی شاہ

حدیث دِل

خادم امیر شریعت مولانا محمد شریف احرار مدظلہٗ

وسعت دل ہے بہت وسعت صحرا کم ہے
اس لئے مجھ کو تڑپنے کی تمنا کم ہے

میری پیدائش 18 اپریل 1918ء، ضلع گجرات تحصیل کھاریاں، گاؤں سہنہ میں چوہدری فتح الدین مرحوم کے گھر میں ہوئی جو اس وقت برطانوی سامراج کی پولیس میں ہیڈ کانسٹیبل تھے۔ پیدائش کے تین دن بعد میری والدہ فوت ہو گئیں۔ بہر حال میں اس پتے کی طرح بے سہارا رہ گیا جو شاخ سے ٹوٹ کر زمین کی گردش میں پاؤں کے نیچے روندا جا رہا ہو۔ کچھ عرصہ کے بعد سوتیلی ماں کے ظلم و ستم کا نشانہ بن گیا۔

حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، لالہ موسیٰ کے پاس ایک گاؤں میں برائے خطاب تشریف لائے۔ سکول سے بھاگ کر لوگوں کے ہمراہ شاہ جیؒ کی تقریر سننے کے لئے چلا گیا۔ دس بجے دن سے لے کر شاہ جیؒ نے ظہر کی نماز تک خطاب کیا۔ اس سے میرے دل و دماغ پر وہ اثر پڑا کہ میں دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو چکا تھا۔ حالانکہ خطاب کے مفہوم سے میں بے خبر تھا۔ فقط شاہ جیؒ کی شیر کی طرح گرجدار آواز کا اثر غالب آچکا تھا۔ لیکن شاہ جیؒ کے خطاب میں برطانوی سلطنت اور اس کی ناپاک نسل کے خلاف حضرت امیر شریعت کے الفاظ سمجھنے پر میں مجبور ہو رہا تھا اور یہ عزم کر چکا تھا کہ اس مردِ حق کے جوتوں میں اگر مجھے جگہ مل

جائے تو سمجھوں گا کہ میں نے کائنات کی دولت اپنی جھولی میں سمیٹ لی، جس کی ایک للکار نے برطانوی تخت و تاج میں دراڑ ڈال کر رکھ دی۔

شاہ جیؒ کا یہ پروگرام ضلع گجرات کے مختلف قصبات میں ایک ہفتہ کا تھا۔ اس سفر میں مولانا شیخ محمد عبداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ملکہ ضلع گجرات والے، حضرت شاہ جیؒ کے ہمراہ تھے۔ حضرت شیخ محمد عبداللہ صاحب شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ میں سے تھے۔ ایک گاؤں "ڈوگے تہال" میں حضرت امیر شریعت نے خطاب کے بعد حضرت مولانا سے پوچھا کہ اس بچے سے دریافت کرو کہ یہ کس گاؤں کا ہے کیونکہ جہاں میری تقریر ہوتی ہے، یہ میرے سامنے بیٹھا ہوتا ہے۔ اس کی ماں سوتیلی ہے یا یہ گھر سے بھاگا ہوا ہے۔

حضرت مولانا نے مجھ سے دریافت کیا۔ میں نے وہ تمام تاثرات جو حضرت شاہ جیؒ کی خطابت اور محبت کے میرے دل پر نقش ہو چکے تھے، بیان کر دیئے۔ شاہ جیؒ نے کمال محبت و شفقت سے مجھ کو اپنے پاس بٹھایا۔ میرے سر کو چوما اور حضرت مولانا سے فرمایا کہ اس بچے کو اپنی پناہ میں لے لو۔ یہ میری امانت آپ کے پاس محفوظ ہونی چاہئے۔ اس دوران گھر والوں کے ظلم و ستم کو برداشت کرتے ہوئے میں نے صرف و نحو، کتب فقہ یہیں مکمل کیں۔ بڑی منطق و فلسفہ کی کتب حمد اللہ سدرہ انی شریف پھالیہ مولانا غلام رسولؒ سے مکمل کیں جو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے شاگرد رشید اور خلیفہ تھے۔ اس دوران مجلس احرار اسلام کا میں باضابطہ رکن بن چکا تھا۔

1942ء میں مولانا گل شیر رحمۃ اللہ علیہ کے ایک فوجی آفیسر رشتہ دار کی شاہ جیؒ کی خدمت میں اس رپورٹ پر کہ 2/7 پنجاب رجمنٹ میں فلاں فلاں قادیانی افسروں نے ان پڑھ فوجیوں کو مرزائی بنانے کی مہم شروع کر رکھی ہے۔ اس سلسلہ میں آپ سوچ لیں۔ حضرت شاہ جیؒ نے فوراً گھبراہٹ میں ڈاکٹر عبدالقادر ڈینٹل سرجن کے گھر میں ایک خصوصی میٹنگ میں احرار اسلام کے پانچ زعماء کو طلب کر لیا، احرار کے قانونی مشیر خواجہ غلام حسین وکیل لائل پور (فیصل آباد) کو بلا لیا۔ غور و فکر کے بعد طے پایا کہ اسی رجمنٹ میں کسی احراری مولوی کو جس کو قادیانیت پر عبور ہو، بحیثیت امام و خطیب بھرتی کرا دیا جائے اور قادیانیوں کی اس ناپاک

سازش کا قلع قمع کر دیا جائے۔ بہر حال اس مقصد اور خطرناک مہم پر بھیجنے کے لئے صدر مجلس احرار اسلام ضلع گجرات نے میرا نام امیر شریعتؒ کے سامنے پیش کر دیا۔ زعماء احرار نے منظوری دے دی۔ حضرت مولانا گل شیر مرحوم کے قریبی عزیز کیپٹن محمد نواز خان کی سفارش اور کوشش سے مجھے حضرت شاہ جیؒ نے حلف لے کر اس سفر پر روانہ کر دیا۔ جہاں میرے لئے یہ سفر اور منکرین ختم نبوت کے خلاف مہم نا قابل تصور آزمائش کا مرحلہ تھا، وہاں قدم قدم پر اللہ کی نصرت اور اس کا فضل و کرم اور رحمت میرے شامل حال تھی۔

امیر شریعت کی تحریک پر میں فوج میں چلا گیا۔ مقاصد کی تکمیل میں رکاوٹیں آتی رہیں ۔بہر حال پندرہ نوجوان خفیہ طور پر ایسے تیار کر لئے جو حضور پیغمبر اسلام ﷺ کی ختم نبوت کے منکرین اور سازشیوں کو ٹھکانے لگانے کے لئے میرے اشارے کا انتظار کر رہے تھے۔ 7/2 پنجاب رجمنٹ کو 7 ڈویژن کے ساتھ اٹیچ کر کے برما کے محاذ پر بھیج دیا اور مجھ کو بھی رجمنٹ کے ساتھ جانے کا حکم دے دیا۔ ہمارا وہ ڈویژن اکیاب کے مورچہ پر جاپانی فوج کے گھیرے میں آ گیا۔

22 یوم کے بعد گھر لوٹا اور فوجی ڈسپلن اور قواعد کے مطابق مزید تیاری کے لئے رجمنٹ کو بہت لمبے چوڑے جنگل میں سکیم پر کچھ دنوں کے لئے روانہ کر دیا گیا جہاں ان پندرہ نوجوانوں نے فوجی حکمت عملی کے پیش نظر نشانہ بازی کی ٹریننگ کرتے ہوئے سکیم کے دوران ان تینوں قادیانی افسروں کو ہلاک کر دیا۔ جن میں ایک میجر اور دو کیپٹن کے منصب پر فائز تھے۔ جس طرح کماد کی فصل کو سور لتاڑ رہے ہوں، اسی طرح ختم نبوت کے قزاق، نوجوان فوجیوں کو مرتد بنانے کی سازش کے تحت مہم چلا رہے تھے۔ جب رجمنٹ کے کمانڈنگ آفیسر انگریز کو معلوم ہوا کہ سکیم میں نشانہ بازی کے دوران فلاں فلاں آفیسر ہلاک ہو گئے ہیں تو اس کی انکوائری شروع ہو گئی۔ لیکن جن کے نشانہ سے وہ ہلاک ہوئے، ان کا پتہ لگانے میں مشکل پیش آ رہی تھی۔ میں چونکہ پیچھے ہیڈ کوارٹر میں تھا۔ بہر حال ان کی لاشیں ہیڈ کوارٹر میں آ ئیں۔ کفن دفن کے مکمل انتظام کے بعد جنازہ پڑھانے کے لئے مجھ کو حکم دیا گیا۔ اب یہ مرحلہ میرے لئے جہاں نہایت کٹھن تھا وہاں میرے ایمان اور عقیدہ ختم نبوت کی زبردست آزمائش بھی تھی۔ میں

نے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا کہ یہ ہلاک ہونے والے، مسلمانوں کے بنیادی عقائد کے مطابق مسلمان نہیں اور یہ حضور سرور کائنات محمد رسول اللہ ﷺ کی ختم نبوت کے منکر ہیں، لہٰذا ان کی نماز جنازہ پڑھنا یا پڑھانا جائز نہیں۔ رجمنٹ کے افسروں نے میرے انکار پر شک کیا۔ ہو سکتا ہے کہ اسی نے ان کو ہلاک کر دیا ہو۔ انکوائری شروع ہو گئی۔ پہلے نرمی سے پوچھ گچھ کرتے رہے۔ پھر سختی آ گئی پھر بات آگے بڑھی۔ حراست میں لے کر نا قابل تصور تشدد کیا گیا۔ آخر کار مجھے گورکھا سپاہیوں کے حوالے کر دیا گیا۔ ظلم کی آخری کڑی تک میرے ساتھ جو سلوک کیا گیا، اس کو میں ہی جانتا ہوں یا رب کی ذات دیکھ رہی تھی۔ لیکن یہ سب کچھ رب کی عطا کردہ استقامت اور اس کی مدد سے میں برداشت کر رہا تھا۔ وہ ان نوجوانوں کے مجھ سے نام پوچھتے تھے، جنہوں نے ان کو فی النار کیا تھا۔ میں نے اپنی جان کو داؤ پر لگا دیا تھا اور حلف اٹھا لیا تھا کہ میرے جسم کے پرخچے بھی اگر اڑتے پھریں مگر ان بہادر نوجوانوں کے نام نہیں بتلاؤں گا۔

آخر کار میرا کورٹ مارشل کیا گیا۔ میں پُر امید تھا کہ مجھ کو شہادت کا اعزاز نصیب ہو گا لیکن میری بد قسمتی کہ ایسا نہ ہو سکا۔ مجھ کو دو سال قید کی سزا دے کر بذریعہ ہوائی جہاز انڈیا کی مشہور ظالمانہ جیل، جبل پور میں بھیج دیا گیا۔ اس جیل میں جو تشدد آمیز سلوک میرے ساتھ کیا وہ گدھوں اور خچروں سے بھی نہیں کیا گیا ہو گا۔ دو سال کی سزا کاٹ کر جب میں غالباً 1944ء کے آخر میں یا 1945ء کے اوائل میں لاہور دفتر مجلس میں پہنچا تو حضرت شاہ جیؒ اور مولانا عبد الحنان ہزارویؒ اور حاجی دین محمد صاحب بادامی باغ والے اور مولانا عبد الرحمٰن میانوی بیٹھے ہوئے تھے۔ میری بجوبہ نما شکل کو دیکھ کر جو اس وقت بنی ہوئی تھی، کسی نے نہیں پہچانا۔ میں نے حضرت شاہ جیؒ کو خدا کا واسطہ دے کر باہر بلایا۔ انہوں نے سمجھا کہ یہ فقیر ہے۔ میں نے کہا کہ مانگنے والا نہیں ہوں، میں آپ کا بیٹا ہوں۔ شاہ جیؒ فوراً بھاگ کر باہر آ ئے۔ میں نے آہستہ سے کہا، میں شریف ہوں۔ شاہ جیؒ نے مجھ کو گلے لگایا اور روتے ہوئے احباب سے کہا یہ میرا بیٹا ہے۔ کہاں سے آیا ہے؟ یہ ایک راز ہے، آپ کو ابھی نہیں بتاؤں گا۔

حمام میں غسل کرایا گیا۔ حجامت بنوائی گئی۔ نئے کپڑے سلائے گئے۔ پھر میں

دوستوں کی پہچان میں آیا۔ پاکستان کے قیام کے بعد 1949ء کے اوائل میں حضرت امیر شریعتؒ نے مجھ کو سندھ میں مرزائیت کی اسٹیٹ میں بھیج دیا۔ آخری اسٹیشن ٹاہلی، قادیانیت کے گڑھ میں مرزائیت کا تعاقب کیا۔ معاشی حالت یہ تھی کہ سرخ مرچ پسی ہوئی میں نمک اور پانی ملا کر روٹی وہ بھی باسی جو بھی میسر ہوتی، کے ساتھ پیٹ میں ڈالتا رہا۔ یہ سلسلہ چھ ماہ تک رہا۔

یہ 1947ء سے پہلے کی بات ہے کہ عروس آزادی کو پنجہ افرنگ سے نجات دلانے میں جس جماعت نے دن کا آرام اور رات کی نیند حرام کی تھی، اس جماعت کا نام احرار اسلام ہند تھا جو چوہدری افضل حق، سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، شیخ حسام الدینؒ اور ماسٹر تاج الدین انصاریؒ سے عبارت تھی اور جس کی بنیاد میں مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کا پسینہ ٹپکتا رہا۔

اس کے رضا کاروں اور فدا کاروں کے لئے سر چھپانے کے لئے بھی جگہ نہیں۔ اللہ رے نتیجہ انقلاب ؎

جو لوگ آشنائے وقار بشر نہ تھے
منزل انہیں ملی جو رفیق سفر نہ تھے

افسوس! مجلس احرار اسلام کی یاد ایک خوشگوار عہد کی خوشگوار یاد بن کر رہ گئی ہے۔ اس کے مجاہدانہ کارنامے پرانے اخبارات کی فائلوں میں دفن ہو کر محو ہو گئے ہیں اور اس کے بانی سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ ملتان کے ایک گمنام روڈ کے پہلو میں خاک پنہاں ہیں، آہ!

آپ کہتے ہیں ہمیں غیروں نے برباد کیا
بندہ پرور یہ کہیں اپنوں کا ہی کام نہ ہو

ہوسکتا ہے کہ میری اس روش کو اسم زمانہ بغاوت سے تعبیر کرے۔

نکل جاتی ہو سچی بات جس کے منہ سے مستی میں
فقیہ مصلحت سے ہے وہ رند بادہ خوار اچھا

جن دنوں میں اپنی تحصیل پھالیہ ضلع گجرات میں حضرت مولانا غلام رسول صاحبؒ، حضرت مولانا ولی اللہ صاحبؒ سے بڑی منطق کی کتابیں پڑھتا تھا، حضرت شاہ جیؒ کو تحصیل

پھالیہ کے قصبہ مانگٹ میں خطاب کی دعوت دی گئی۔ اس سفر میں حضرت امیر شریعتؒ کے ہمراہ لاہور سے براستہ لالہ موسیٰ جب ہم بذریعہ ٹرین منڈی بہاؤالدین اسٹیشن پر اترے تو دعوت دینے والا پلیٹ فارم پر کھڑا تھا اور بڑا پریشان دکھائی دے رہا تھا۔ حضرت شاہ جیؒ نے پریشانی کی وجہ پوچھی تو کہنے لگا شاہ جیؒ کچھ مولویوں نے مشہور کر دیا ہے کہ عطاء اللہ شاہ بخاریؒ بہت بڑا وہابی ہے اگر وہ آ گیا تو سب کو وہابی بنا جائے گا۔ مانگٹ کے حالات بہت خراب ہیں۔ شاہ جیؒ نے فرمایا چونکہ اب ہم لاہور سے مانگٹ کے لئے روانہ ہو چکے ہیں، ہم انشاء اللہ ہر قیمت پر وہاں جائیں گے۔ منڈی بہاؤالدین سے ہم نے سالم ٹانگہ لیا۔ جب ہم مانگٹ کے قریب پہنچے تو مخالفین لاٹھیوں سے مسلح ہو کر شاہ جیؒ پر حملہ کرنے کے لئے تیار بیٹھے تھے۔ شاہ جیؒ نے بھانپ لیا کہ یہ حملہ کریں گے۔ حضرت امیر شریعتؒ نے ایسی زوردار آواز میں ان کو السلام علیکم کہا کہ ان کے ہاتھوں سے لاٹھیاں گر گئیں۔ گھبراہٹ میں سر نیچے کئے ہوئے خاموش بیٹھے رہے۔ شاہ جیؒ نے ٹانگے والے سے کہا کہ ٹانگہ کو گوردوارہ کے دروازہ پر کھڑا کرنا۔ جب ٹانگہ سکھوں کے گوردوارہ پر کھڑا ہوا تو گوردوارے میں مشغول عبادت سکھ باہر آ گئے۔ انہوں نے حضرت شاہ جیؒ کو خوش آمدید کہا۔ شاہ جیؒ نے سکھوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا! کیا تم اپنے گوردوارہ میں مجھ کو اللہ کا قرآن پڑھنے کی اجازت دو گے؟ انہوں نے برجستہ کہا، ہاں شاہ جی! آؤ اور ہم کو قرآن سناؤ۔

شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ نے گوردوارہ میں داخل ہو کر جب قرآن پاک کی سورت طٰہٰ کی تلاوت اپنے مخصوص لہجہ اور حجازی ترنم میں شروع کی تو سکھ پھڑکنے اور تڑپنے لگے۔ یہاں تک کہ وہ سکھ بلند آواز سے کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے مسلمان ہو گئے۔ ان کا گرنتھی گویا ان کا رہنما ہاتھ باندھ کر حضرت شاہ جیؒ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ کہنے لگا کہ اب شاہ جیؒ بس کرو، ایسا نہ ہو کہ یہ سارے سکھ مسلمان ہی ہو جائیں۔ یہ حقیقت ہے کہ جب امیر شریعتؒ قرآن پڑھتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ آسمانوں کی بلندیوں سے قرآن اتر رہا ہے۔

میں نے مولانا محمد علی جوہر کو بھی سنا ہے، مولانا ابوالکلام آزاد کی خطابت سے بھی

فیض یاب ہوا ہوں لیکن سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے زور بیان اور نیرنگی گفتار کا ایک اپنا مقام تھا کہ آج تک جس کی مثال نایاب ہے اللہ تعالیٰ ان کی تربت کو عنبریں فرمائے اور اپنے دامان رحمت میں جگہ دے۔ آمین!

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی مبلغ عزیزی مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی بھدر جاتے ہوئے مولانا محمد طیب فاروقی کے ساتھ میرے غریب خانہ پر تشریف لائے (اور جب بھی اس علاقہ کے دورہ پر تشریف لائیں تو غریب خانہ پر ضرور تشریف لاتے ہیں) اور یہ خوشخبری سنائی کہ وہ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے سوانح و خطبات پر کتاب مرتب کر رہے ہیں۔ اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ میں شاہ جیؒ کی شخصیت اور خطابت سے متعلق اپنے تاثرات لکھ دوں تاکہ اسے کتاب کے دیباچہ اور پیش لفظ کے طور پر شامل اشاعت کیا جا سکے۔ تو بندہ نے یہ چند واقعات بیان کئے اور موصوف سے درخواست کی کہ وہ اسے پیش لفظ کے طور پر شائع کر سکتے ہیں۔

آخر میں دعا گو ہوں کہ اللہ پاک مولانا شجاع آبادی کی اس کوشش و کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما کر خدام ختم نبوت میں شامل فرمائیں۔

خاکپائے امیر شریعت
محمد شریف احرار
خطیب جامع مسجد ختم نبوۃ کھاریاں



عرض مرتب

خطیب پاکستان حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ کی سوانح حیات پر مختلف دینی رسائل نے تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ اس مبارک سلسلہ کا آغاز اگر امیر شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ سے کیا جاتا۔ تو بہت ہی اچھا ہوتا بندہ نے نہ تو شاہ جیؒ کی زیارت کی اور نہ ہی سنا۔ اور اپنے آپ کو اس قابل نہیں سمجھتا تھا کہ شاہ جیؒ پر قلم اٹھاؤں۔ ویسے بھی شاہ جیؒ پر ان کے رفقاء معاصرین اور صاحبزادگان نے لکھا اور خوب لکھا۔ اور شاہ جیؒ کی سیرت و سوانح پر کئی ایک کتب مارکیٹ میں موجود بھی ہیں۔ میرے ایک بہت ہی پیارے دوست مولانا عبدالرحمٰن جامی جلال پور پیر والا سے جب بھی ملاقات ہوئی تو انہوں نے تقاضا کیا۔ کہ شاہ جیؒ پر ایسی کتاب مرتب کی جائے۔ جس میں حالات زندگی کے علاوہ خطبات بھی شامل ہوں نیز انہوں نے اپنی لائبریری میں موجود تمام کتب بھی بھجوا دیں۔

2004ء میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوّت کے تیسرے امیر مجاہد ملّت مولانا محمد علی جالندھریؒ کے خطبات کی ترتیب اور اشاعت کی اللہ پاک نے توفیق دی۔ جس میں خطبات کے علاوہ ایک باب سوانحی خاکہ پر بھی مشتمل تھا۔ تو احباب کا تقاضا بڑھا کہ ترتیب کے خلاف نہ چلیں۔ مجلس کے امراء کی ترتیب کو سامنے رکھتے ہوئے شاہ جیؒ کے خطبات اور سوانح پر بھی ضرور کام کریں۔ احباب کے تقاضا کے جواب میں بندہ وہی عذر دھراتا رہا۔

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوّت کے پانچویں امیر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے



خطبات، مقالات پر کام شروع کیا الحمدللہ ایک ضخیم مجموعہ تیار ہوگیا۔ تو اس کی طباعت سے پہلے داعیہ پیدا ہوا کہ حضرت بنوریؒ پر کتاب شائع کرنے سے پہلے شاہ جیؒ پر کتاب آنی چاہئے۔ اس پر محنت شروع کی تو الحمدللہ ایک ضخیم مجموعہ تیار ہوگیا۔ تو اب کتاب کی ترتیب کچھ اس طرح ہوگی۔

باب اوّل: سیرت وسوانح اور اس کے ذیل میں کئی عنوانات ہوں گے۔

باب دوم: منظوم خراج تحسین

باب سوم: خطبات امیر شریعتؒ اس کے ضمن میں آج تک دستیاب تمام تقاریر شامل ہیں۔

باب چہارم: مکتوبات، اس ضمن میں آج تک دستیاب ہونے والے تمام خطوط شامل ہیں۔

باب پنجم: شاعری، اس باب میں آپ کی شعر گوئی اور سخن فہمی پر تبصرہ کیا گیا ہے۔

جو ملک کے نامور ادیب، شاعر اور صاحب قلم جناب علامہ طالوت کے قلم سے ہے۔

اظہار تشکر وامتنان

میں شکر گذار ہوں مناظر ختم نبوت مولانا خدا بخش صاحب، مولانا عبدالرحمٰن جامی صاحب جلال پور، مجلس کے بزرگ مبلغ مولانا بشیر احمد صاحب، ماسٹر عزیز الرحمن رحمانی عزیزم مولانا ثناء اللہ سعد صاحب، عزیزم قاری ابوبکر صدیق، عزیزم عمر فاروق عزیزم عثمان غنی، عزیزم حافظ سیف اللہ، عزیزی قاری علی حیدر، عزیزی قاری محمد بلال مکی، اور تمام رفقاء کا جن کے مشوروں اور تعاون سے یہ مجموعہ اشاعت پذیر ہوا۔ اللہ پاک ان تمام حضرات کو جزائے خیر عطاء فرمائیں۔

محمد اسماعیل شجاع آبادی
مرکزی ناظم تبلیغ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت
حضوری باغ روڈ ملتان

۲۲-۸-۲۰۰۴

شاہ جیؒ ایک نظر میں

1892ء 23 ستمبر سید ضیاء الدین احمد کے ہاں پٹنہ میں پیدائش۔

1896ء والدہ محترمہ کی وفات۔

1906ء پنجاب پہلی دفعہ آمد۔ 1911ء دوسری دفعہ آمد

1914ء امرتسر میں قیام کی ابتداء

1914ء امرتسر کے تانگریاں واپسی اور شادی

1916ء خطابتی زندگی کا آغاز

1916ء جلیانوالہ باغ کے حادثہ سے متاثر ہو کر سیاست میں ورود

1919ء کوچہ جیل خانہ امرتسر کے عوام مولانا غلام مصطفیٰ سے شاہ صاحب کو اپنی مسجد کے لئے لے گئے۔

1919ء گول باغ امرتسر میں مولانا شوکت علیؒ کی زیر صدارت خلافت کانفرنس میں پہلی تقریر۔

فروری 1921ء کانگرس کے اجلاس منعقدہ کلکتہ میں پہلی مرتبہ شرکت اور خطاب

14 مارچ 1921ء رہائی۔

1923ء شدھی و سنگھٹن تحاریک کے خلاف مہم کا آغاز

26 ستمبر 1924ء اتحاد کانفرنس دہلی میں شرکت

1925ء مرزائیت کے خلاف امرتسر کے مولانا داؤد ابن نور محمد کے فتویٰ پر دستخط

1927ء تحریک انسداد فتنہ راجپال

4 جولائی 1927ء شاہ محمد غوث کے احاطہ (لاہور) میں شاتمِ رسولؐ پر معرکۃ الآراء خطاب

6 جولائی 1927ء تحریک انسداد فتنہ راجپال کے سلسلہ میں گرفتاری۔ (2)

1928ء امرتسر کے نام نہاد پیر کرم شاہ کے خلاف مہم کا آغاز اور ایک ہی تقریر سے اس کا فرار۔

6 اپریل 1929ء شاہ صاحب کی تقریر سے متاثر ہو کر غازی علم الدین شہید نے مہاشہ راجپال کو قتل کر دیا۔

1929ء ڈیرہ غازیخاں میں سردار احمد خاں پتافیؒ کی درخواست پر جاہلانہ رسوم کے خلاف مہم کا آغاز جو تا زیست جاری رہا۔

29 ستمبر 1929ء چوہدری افضل حقؒ، مولانا حبیب الرحمٰن، مولانا ظفر علی خاںؒ، خواجہ عبدالرحمٰن غازیؒ کی سرکردگی میں شاہ جیؒ کی زیر صدارت آل انڈیا مجلس احرار اسلام کی بنیاد رکھی گئی۔

مارچ 1930ء انجمن خدام الدین لاہور کے سالانہ جلسہ میں علامہ انور شاہ کاشمیریؒ کی تحریک پر ہندوستان کے پانچ 500 صد علماء نے متفقہ طور پر امیر شریعت منتخب کیا۔

3 مئی 1930ء امروہہ (مراد آباد، یو پی) میں جمعیۃ علماء ہند کے سالانہ اجلاس میں سولہ گھنٹے کا مسلسل خطاب۔

30 اگست 1930ء دیناج پور (مشرقی پنجاب) سے تحریک حقوق خود اختیاری کے سلسلے میں گرفتاری۔ (3)

1931ء مرزائیت کے تعاقب کا آغاز۔

21اپریل 1931ء دیناج پور جیل سے رہائی۔

جولائی 1931ء حبیبیہ ہال لاہور میں مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کی زیر صدارتِ مجلس احرار کی پہلی کانفرنس میں شرکت اور خطاب۔

10اگست 1931ء مولانا حبیب الرحمٰن کے ہمراہ گاندھی سے ملاقات۔

اکتوبر 1931ء تحریک کشمیر کا آغاز۔

1931ء تحریک کشمیر کے سلسلہ میں دہلی سے گرفتاری۔ (4)

1933ء کپورتھلہ ایجی ٹیشن۔

مئی 1931ء مدرسہ عربیہ شجاع آباد میں دورانِ تقریر پان میں زہر ملا کر ہلاک کرنے کی ناکام کوشش۔

مارچ 1934ء قادیان میں مجلس احرار کا قیام۔

1934ء 24، 25، 26/اکتوبر قادیان میں [illegible] احرار تبلیغ کانفرنس کا انعقاد اور خطاب۔

نومبر 1934ء ڈیرہ دون ضلع سہارن پور سے گرفتاری۔ (5)

3 مئی 1935ء کوئٹہ کا قیامت خیز زلزلہ جس میں احرار رضا کاروں نے ناقابل فراموش خدمات سرانجام دیں۔

6جون 1935ء گورداس پور کے سیشن جج نے اختتام عدالت قید کی سزا سنائی۔

1935ء قتل کی چوتھی سازش ناکام

1935ء گورداس پور سے رہائی۔

6دسمبر 1935ء قادیان میں نماز جمعہ پڑھنے کی بنا پر گرفتاری۔ (6)

1936ء تحریک مدح صحابہؓ۔

23اکتوبر 1936ء اچھوت کانفرنس لاہور کی صدارت اور خطاب۔

10جولائی 1937ء لکھنؤ کی کانگرسی حکومت کے خلاف سول نافرمانی کا اعلان

1936ء تحریک فلسطین

1938ء 22، 23اکتوبر ڈسٹرکٹ احرار کانفرنس قصور میں شرکت اور خطاب۔

1939ء احرار کانفرنس بمبئی۔

اگست 1939ء مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کے ہمراہ دورہ میانوالی کے لئے روانگی

ستمبر 1939ء دورانِ سفر قصبہ شہزسلطان سے واپسی (7)

13 ستمبر 1939ء فوجی بھرتی کے حکم پر غور کرنے کے لئے امرتسر میں احرار کی ہائی کمان کے اجلاس میں شرکت۔

28 جون 1939ء تحریک فوجی بھرتی بائیکاٹ کے سلسلہ میں لالہ موسیٰ سے گرفتاری (8)

11، 12جولائی 1941 احرار صوبائی کانفرنس سیالکوٹ۔

23جولائی 1934ء یوم تحفظ قرآن منایا گیا۔

24 ستمبر 1943ء حج پر پابندی کے خلاف احتجاج۔

1943ء قرارداد حکومت الٰہیہ

ستمبر 1943ء قحط بنگال کے متاثرین کے لئے احرار ریلیف فنڈ کا قیام

1946ء صوبہ بہار میں مسلمانوں کا قتل عام امیر احرار نے تین امدادی قافلے روانہ کئے۔

1946ء انتخابات میں احرار کی شکست۔

1946ء اہل خانہ کے ہمراہ امیر شریعتؒ قیام کے لئے کشمیر روانہ ہو گئے۔

27مارچ 1946ء مجلس احرار اسلام کے اجلاس شرکت کے لئے دہلی روانگی۔

30مارچ 1946ء جمعیۃ علماء ہند کے راہنماؤں سے مذاکرات۔

26 اپریل 1946ء اردو پارک دہلی میں دہلی کی آخری تقریر۔

جون 1946ء کانگرس کی طرف سے مجلس احرار کو عبوری حکومت میں شرکت کی دعوت۔

19 مارچ 1946ء ''بریڈلے ہال'' لاہور میں مجلس احرار اور پنجاب سوشلسٹ پارٹی کا مشترکہ اجلاس۔

22 مارچ 1947ء مجلس احرار کی جنرل کونسل کا لاہور میں اجلاس۔

مارچ 1947ء لاہور میں آمد و قیام۔

1947ء احرار آزاد امدادی فنڈ کا قیام۔

3 جون 1947ء وائسرائے کی طرف سے تقسیم ہند کے منصوبے کا اعلان۔

14 اگست 1947ء فرنگی سامراج پاک سرزمین پاک سرزمین سے ہمیشہ کے لئے نابود ہو گیا۔

اگست 1947ء لاہور سے خانگڑھ روانگی اور نوابزادہ نصر اللہ خاں کے ہاں قیام

24 دسمبر 1947ء ماسٹر تاج الدین انصاریؒ کے نام پالیسی خط۔

اپریل 1947ء خانگڑھ سے ملتان روانگی اور کرائے کے مکان میں قیام (تازیست)

1949ء ایک قرارداد کے ذریعے احرار کی سیاسی حیثیت ختم کر دی اور مسلم لیگ سے تعاون کا فیصلہ کر لیا گیا۔

9 مئی 1951ء برکت علی محمڈن ہال لاہور میں منعقدہ کنونشن میں شرکت۔ جو بعد ازاں تحریک ختم نبوت 1953ء کی بنیاد بنا۔

1951ء ناگڑیاں ضلع گجرات میں والد محترم کا انتقال۔

26 مئی 1952ء شہدائے ملتان کو خراجِ عقیدت۔

2 جون 1952ء آل مسلم پارٹیز کنونشن کراچی۔

13 جولائی 1952ء برکت علی ہال لاہور میں آل مسلم پارٹیز میٹنگ

دسمبر 1952ء مجلس احرار اسلام کو غیر قانونی جماعت قرار دیا گیا۔

فروری 1953ء تحریک راست اقدام۔

22 فروری 1953ء آرام باغ کراچی میں پہلا خطاب در بارہ ختم نبوت۔

28 فروری 1953ء کراچی سے گرفتاری۔ (9)

27 اپریل 1953ء کراچی جیل سے بمعہ احباب سکھر جیل منتقل۔

19 جون 1953ء گورنر پنجاب نے واقعات کی تحقیقات کے لیے آرڈی نینس نمبر 3 جاری کیا جس کے تحت تحقیقاتی عدالت قائم کی گئی۔

یکم جولائی 1953ء تحقیقاتی عدالت نے اپنے کام کا آغاز کیا۔

25 جولائی 1953ء سکھر جیل سے لاہور سنٹرل جیل منتقل۔

فروری 1954ء لاہور سنٹرل جیل سے رہائی۔

13 ستمبر 1954ء مجلس تحفظ ختم نبوت قائم کی۔ آپ پہلے امیر منتخب ہوئے۔

16 نومبر 1954ء دوران وضو انگلی پر فالج کا حملہ جو ''لا نبی بعدہٗ'' کے دم سے ٹھیک ہو گیا۔

دسمبر 1954ء حاجی دین محمد لاہور کی طرف سے حج بیت اللہ کی دعوت۔

1955ء اردو اور فارسی کلام کا مجموعہ ''سواطع الالہام'' شائع ہوا۔

14 جون 1955ء مجلس تحفظ ختم نبوت کے سالانہ اجلاس (فیصل آباد) میں شرکت اور خطاب

14 ستمبر 1955ء ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ملتان کے سامنے حاضری۔

19 مارچ 1956ء درمیانی شب کو جلال پور پیر والا ضلع ملتان سے ایک تقریر کی بنا پر گرفتاری (10)

14 اپریل 1956ء خانیوال کی ایک تقریر کی بنا پر ملتان سے گرفتاری۔ (11)

جولائی 1956ء ملتان کی میونسپل حدود میں نظر بند کر دیا گیا۔

3 جولائی 1956ء ''نوائے پاکستان'' لاہور (اخبار) کے لیے پیغام۔

11 جولائی 1956ء ڈاکٹر خان صاحب کی حکومت نے امیر شریعت پر سے تمام پابندیاں اٹھالیں۔

اگست 1956ء بغرض علاج لاہور آمد اور حاجی دین محمد کے ہاں قیام

13 نومبر 1956ء لاہور سے ملتان واپسی۔

27 اگست 1957ء کنڈا سرگانہ (ملتان) میں شیعہ سنی فسادات کے موضوع پر خطاب پر ملال

9 مئی 1959ء صدر سکندر مرزا کی طرف سے ملاقات کی خواہش کا اظہار

1957ء انٹرنیشنل تبلیغی مشن (لندن) کی طرف سے دورہ لندن کی دعوت۔

2 جنوری 1961ء فالج کا دوسرا شدید حملہ

مارچ 1961ء فالج کا تیسرا شدید حملہ اور نشتر میڈیکل کالج ملتان کے ہسپتال میں میں داخلہ۔

جون 1961ء دوبارہ لاہور بغرض علاج آمد۔

21 اگست 1961ء شام چھ بج کر پچاس منٹ پر روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

(اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ)

22 اگست 1961ء بڑے صاحبزادہ سید ابو معاویہ ابوذر حافظ عطاء المنعمؒ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اور ملتان ہی میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

حضرت شاہ صاحبؒ کا خاندان

آپ حضرت سیدنا حسنؓ کی اولاد میں۔ چھتیسویں (36) پشت میں ان سے ملتے ہیں۔ آپ کے خاندان میں بڑے بڑے بزرگ گزرے ہیں۔ قطب ربانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ بھی آپ کے خاندان سے ہیں۔ آپ کے اجداد بخارا سے کشمیر آئے کشمیر سے پنجاب میں وارد ہوئے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کا زمانہ تھا۔ ضلع گجرات کے ایک گاؤں سرہالی میں مقیم تھے۔ کاروباری سلسلہ میں دہلی اور پٹنہ آیا جایا کرتے۔ جب پنجاب پر انگریزوں کا قبضہ ہوا۔ حضرت شاہ صاحب کے دادا حضرت سید نورالدین احمد بخاریؒ اس گاؤں سے چلے آئے اور ایک دوسرے گاؤں ناگڑیاں میں مقیم ہو گئے۔ ان کے فرزند اور حضرت شاہ صاحب کے والد ضیاءالدین احمد بخاری پشمینہ کا کاروبار کرتے تھے اس سلسلہ میں پٹنہ جاتے اور ایک حکیم صاحب کے ہاں ٹھہرتے جن کا نام حکیم سید احمد اندرابی تھا نے آپ کے والد محترم کی شرافت اور اخلاق سے متاثر ہو کر اپنی صاحبزادی سے نکاح کر دیا۔ آپ کی والدہ محترمہ سیدہ فاطمہ اندرابی حضرت خواجہ باقی باللہ کی نواسی تھیں۔ حضرت خواجہ باقی باللہ حضرت مجدد الف ثانی کے پیرومرشد تھے۔ اب حضرت شاہ صاحبؒ کے والدین رہنے لگ گئے۔

شاہ جیؒ کی پیدائش

14 ربیع الاول 1380ھ 1891 عیسوی جمعہ کے دن نور کے تڑکے حضرت شاہ صاحبؒ پٹنہ میں پیدا ہوئے ددھیال کی طرف سے آپ کا نام عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور ننھیال کی

ظرف سے آپ کا نام شرف الدین احمد رکھا گیا۔ مگر ابھی عمر چار برس کی تھی کہ والدہ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ اور آپ کو نانا نانی نے اپنی لڑکی کی یادگار کے طور پر پالا پوسا اور گھر ہی میں پڑھایا یہاں تک کہ نانا نانی کا بھی انتقال ہو گیا۔

تعلیم و تعلم

اب شاہ صاحبؒ کا آغاز شباب تھا آپ نے پنجاب کا رخ کیا اور آخر کار امرتسر آ کر ٹھہر گئے۔ یہاں کے علماء سے درسی کتابیں پڑھیں مولانا غلام مصطفیٰ قاسمیؒ سے فقہ، جامعہ اشرفیہ لاہور کے بانی و مہتمم مفتی محمد حسن امرتسریؒ سے حدیث اور مولانا نور احمد سے تفسیر پڑھی اور مولانا حبیب الرحمٰن ملی سے بخاری شریف کا درس لیا۔[1]

سلطان عبدالحمید ترک کی بیٹی کے بچوں کے اتالیق قاری سید عمر عاصم عرب کسی وجہ سے پٹنہ آئے اور مسجد خواجہ عنبر میں قرآن پاک کا درس دینے لگے۔ قدرت نے انہیں لحن داؤدی سے نوازا تھا۔ شاہ جیؒ کی روایت کے مطابق جب وہ قرآن پاک پڑھتے تو ہندو مرد، عورتیں اور بچے ان کی خوش آوازی سے لطف اندوز ہوتے۔ شاہ جیؒ نے ان سے قرآن پاک کی تصحیح کی۔ اور ایک مسجد کے امام ہو گئے۔ رسوم و بدعات کے خلاف تبلیغ فرماتے رہے۔ عالم و حافظ تھے۔ خوبرو جوان تھے۔ اس پر خوش آوازی نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ قرآن پڑھتے تو سننے والے مسحور ہو جاتے۔ اتنے میں ہندوستان میں تحریک خلافت شروع ہو گئی۔ شاہ جیؒ نے اپنی سیاسی و خطابتی زندگی کا آغاز تحریک خلافت سے کیا۔

سیاسی دور کا آغاز

اس تحریک نے حضرت شاہ صاحبؒ کے دل و دماغ کو اتنا متاثر کیا کہ فرنگی اقتدار کی مخالفت اور اس کے خود کاشتہ پودوں کا استیصال ان کی طبیعت ثانیہ بن گئی تھی۔ چند دنوں میں آپ علاقہ بھر کے کیا ملک کے مقبول راہنما بن گئے۔ علماء اور سیاسی طبقہ میں بڑا رسوخ حاصل کیا۔ مولانا محمد علی جوہر۔ مولانا ابوالکلام آزاد جیسے بلند پایہ خطیبوں کو آپ کی خطابت کا

---

[1] ہفت روزہ "چٹان" 8 رجنوری 1962ء

لوہا ماننا پڑا۔

حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ صاحب کی مؤمنانہ نگاہوں نے بھی آپ کو تاک لیا۔ یہاں سے آپ کی اعلیٰ قومی زندگی اور سیاسی دور کا آغاز ہوتا ہے۔ والد صاحب اور دیگر اعزہ و اقارب تو ناگڑیاں ہی میں رہے مگر شاہ صاحبؒ کی اب مستقل سکونت امرتسر میں تھی۔ انقلاب سے پہلے ہی لاہور تشریف لے آئے تھے۔ پھر مستقل سکونت ملتان میں اختیار فرمائی۔ حضرت شاہ صاحب نے پورا زور لگایا کہ والد صاحب بھی ملتان تشریف لے آئیں۔ مگر انہوں نے فرمایا۔ میں نے جہاں قرآن پاک کے ایک ہزار ختم کئے ہیں۔ وہیں مروں گا۔

کانگریس کا قیام

کانگریس انیسویں صدی کے آخر میں ایک انگریز کے پروگرام کے مطابق قائم ہوئی۔ ابتداء میں اس کا پروگرام بڑا محدود تھا۔ لیکن اب وہی کانگریس ملک پر چھا چکی تھی۔ اور اس کے عزائم اتنے واضح ہو گئے تھے۔ کہ انگریزی حکومت اس سے خوف کھانے لگی کانگریس میں برصغیر کے نامی گرامی علماء کرام قائدانہ کردار ادا کر رہے تھے۔ لیکن عددی اکثریت بہرحال غیر مسلم اقوام کی تھی۔ پنجاب کی مخلص سنجیدہ، اور بیدار مغز قیادت حالات کی اصلاح کے لئے سوچ و بچار میں مصروف تھی۔ رپورٹ سے حالات اس طرح بنا دیئے تھے۔ کہ یہاں کے اہل دل مسلمانوں کی موثر تنظیم ضروری سمجھی جا رہی تھی۔

نتیجۃً 1929ء میں لاہور میں مجلس احرار اسلام کی بنیاد رکھی گئی۔ اسی اجلاس میں حضرت امیر شریعتؒ نے جداگانہ حقوق اور انتخابات اور جداگانہ تنظیم کے عنوان سے عوام کو تعاون کی دعوت دی۔ چنانچہ تشکیل جماعت کے پونے دو سال بعد 11ر جولائی 1931ء حبیبیہ ہال لاہور میں اس نئی، فعال، مخلص، انقلابی اسلامی جماعت کا پہلا اہم اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں کانگریس اور سنگ بنیادی اختلافات کی نشاندہی اور اغراض و مقاصد کی تشریح کر کے قوم کو نیا لائحہ عمل دیا گیا۔

صاحبزادہ طارق محمود لکھتے ہیں۔

تحریک خلافت کے خاتمہ کے بعد 29 دسمبر 1929ء معروف راہنماؤں سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مولانا ظفر علی خانؒ، چوہدری افضل حقؒ، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ، غازی عبدالرحمٰن امرتسریؒ، شیخ حسام الدین مولانا مظہر علی اظہر نے مجلس احرار اسلام کی بنیاد رکھی جولائی 1931ء میں حبیبہ ہال میں اس کا باضابطہ اجلاس چوہدری افضل حقؒ کی صدارت میں منعقد ہوا۔ جس میں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو اس کا پہلا صدر منتخب کیا گیا۔[1]

مجلس کی تشکیل کے تین سال بعد ہی احرار کا علم ہاتھ میں لے کر انہوں نے "آزادی کشمیر" کی جنگ شروع کردی۔ کہا جاتا ہے کہ اس تحریک میں 6005 رضا کار گرفتار ہوئے۔

تصوف سے دلچسپی

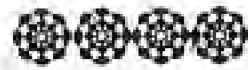
شاہ جی کو تصوف سے مناسبت ضرور تھی۔ لیکن نہ تو وہ روایتی صوفی تھے نہ روایتی وہابی۔ ان دونوں کے بین بین تھے۔ ان کا قادری۔ چشتی، نقشبندی سلسلوں سے باطنی رابطہ تھا۔ مگر وہ تصوف کو اسلام سے کوئی مختلف چیز نہیں سمجھتے تھے۔

وہ اصلاً اس کو احسان سے تعبیر کرتے تھے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک احسان ایک ایسی عبادت ہے گویا تم خدا کو دیکھ رہے ہو خدا تمہیں دیکھ رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ نظریہ کا یہ فیضان کتابوں سے نہیں بلکہ بزرگوں کی صحبت اور ان کی توجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ شاہ جیؒ ان معنوں میں ضرور صوفی تھے کہ وہ جن چیزوں کو معروفات کے تحت مانتے تھے۔ ان کے نزدیک وہ علم الیقین اور عین الیقین ہی نہیں بلکہ حق الیقین کا درجہ رکھتی تھیں ان کا عقیدہ تھا کہ تصوف وجدان کی تنقیح کرتا ہے۔ اور علم سے وسعتِ فکر پیدا ہوتی ہے۔ اس بارے میں ان کا نقطۂ نگاہ امام مالک کا تھا۔ جو شخص صوفی ہوا اور فقیہ نہ ہوا وہ گمراہ ہوا اور جو فقیہ ہوا اور صوفی نہ ہوا اور وہ فاسق رہا۔ جس نے ان دونوں کو جمع کیا وہ محقق ہوگیا۔

1۔ روزنامہ "آزاد" لاہور 30 راگست 1962ء

الغرض ان کے نزدیک باطنی شعور کے تصفیہ و اتقا کا نام تصوف تھا (جس کے حصول کے لئے آپ نے پہلے حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ کے دست حق پرست پر بیعت کی۔ آپ کی وفات کے بعد قطب الارشاد حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے حلقہ ارادت میں شامل ہوگئے۔ حضرت رائے پوریؒ سے اس حد تک تعلق آگے بڑھا۔ کہ حضرت آپ کو مرشد فرمایا کرتے حضرت رائے پوریؒ سے سننے والے حضرات اب بھی زندہ ہیں حضرت نے شاہ جیؒ کی تعریف و توصیف میں فرمایا کہ انہوں نے عرصہ بہت ذکر اذکار کئے) جس تصوف سے مسکنت پیدا ہو یا خلقِ خدا سے کنارہ کشی پر منتج ہو۔ وہ اس سے سخت بیزار تھے انہوں نے عنفوانِ شباب میں سلوک و طریقت کی کچھ منزلیں طے کیں۔ تزکیہ نفس کے لئے دو دو سال تک متواتر روزے رکھے چھ چھ گھنٹے میں قرآن مجید ختم کیا۔ ستاروں سے بازی لگائی تو انہیں ہرا دیا۔ کئی کئی روز پانی میں نمک ملا کر جو کے ستوؤں پر بسر کی۔ تنور کی روٹی کے خستہ ٹکڑوں پر گزارہ کیا۔ غرض اس ریاضت کا نتیجہ یہ نکلا کہ قسام ازل نے خطابت کا جو سحر آپ میں ودیعت کیا تھا تلواروں کی طرح صیقل ہوگیا۔[1]

نوٹ:۔ بعض لوگ یہ کہتے سنے گئے کہ شاہ جیؒ نے حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ سے بیعت توڑ لی تھی۔ چنانچہ اس سلسلہ میں بندہ نے جانشین امیر شریعت حضرت مولانا سید ابوذر ابو معاویہ بخاریؒ سے استفسار کیا تو مرحوم نے فرمایا کہ شاہ جیؒ حضرت پیر صاحب گولڑویؒ کی وفات تک ان سے منسلک رہے ان کی وفات کے بعد قطب الارشاد حضرت رائے پوریؒ سے متعلق ہوگئے۔



1۔ ہفت روزہ "چٹان" لاہور 28 راگست 1961ء

قومی زندگی کا آغاز

''شاہ جیؒ نے قومی زندگی کا آغاز تحریک خلافت سے کیا۔ یہ وہ دور تھا۔ جب برطانوی سامراج نے ترک کی خلافت عثمانیہ کے حصے بخرے شروع کر دیئے۔ اور کمال اتاترک سے خلافت کے خاتمہ کا اعلان کرایا۔ جس سے برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں میں اشتعال لازمی امر تھا۔''

چنانچہ منشی احمد دین لکھتے ہیں۔

1919ء کے فوراً بعد جب امرتسر کے لوگ مارشل لاء اور جلیانوالہ باغ کے حادثہ جانکاہ پر بری طرح نڈھال تھے۔ یکایک لفظ خلافت سننے میں آیا۔ اس وقت مولانا محمد داؤد غزنوی پہلے بزرگ تھے جو میدان میں نکلے اور انہوں نے مسلمانوں کو مسئلہ خلافت سمجھانا شروع کیا ساتھ ساتھ دولت عثمانیہ ترکی کے خاتمہ کا ماتم بھی کیا۔ یہ زمانہ عالم اسلام پر چاروں طرف سے مصیبتوں اور آفتوں کا زمانہ تھا۔ جزیرۃ العرب اور دیگر مقامات مقدسہ غیروں کے قبضہ میں تھے۔ جب اس اجمال کی تفصیل مسلمانوں کو سنائی جانے لگی تو مسلمان عوام کے اندر صدمہ اور جوش کی ایک لہر پیدا ہوگئی۔

حضرت شاہ صاحبؒ اُس وقت صرف مذہبی وعظ فرماتے تھے وہ مولانا داؤد غزنوی کے ساتھ شریک نہ ہوئے البتہ کبھی کبھی مولانا غزنوی کے نظریہ پر شاہ صاحب مخالفانہ انداز

بھی اختیار کر لیتے۔ مجھے شاہ صاحب نے بتایا کہ ایک بار مولانا داؤد صاحب نے خود کوشش کر کے مجھ سے ملاقات کی اور کئی گھنٹوں کی ملاقات میں موجودہ مسئلہ کو کھول کر بیان کیا۔ تب شاہ صاحبؒ قائل ہو گئے پھر کیا تھا پھر تو امرتسر کے مسلمانوں کی کایا ہی پلٹ گئی۔ شاہ صاحب کا عہد جوانی اور ساتھ ساتھ جوشِ ایمان اور قوتِ بیان ...... ایک آگ لگ گئی۔

میرے لئے سیاسی جلسوں میں شمولیت کا پہلا موقع تھا مسئلہ خلافت اور انگریز حکومت کی چیرہ دستیاں مسلمانوں کے دلوں کے زخموں پر نمک کا کام دیتی تھیں۔ امرتسر ابھی ابھی زخم کھا کر نکلا تھا مگر مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی تقریروں اور مذہبی وعظوں نے ہندو مسلمان سب کے اندر بے پناہ جذبہ پیدا کر دیا۔ اتنے میں 1919ء کا دسمبر آ گیا اور کانگرس کا سالانہ جلسہ زیر صدارت پنڈت موتی لال نہرو امرتسر میں منعقد ہوا، ساتھ ساتھ مسلم لیگ کا سالانہ جلسہ بھی حکیم اجمل خان صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا۔

یہ دسمبر امرتسر کے لئے تو بارانِ رحمت ثابت ہوا کہ ہندوستان کے تمام لیڈر امرتسر پہنچ گئے جو جیلوں میں تھے وہ رہا کر دیئے گئے۔ علی برادران (مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی) بھی جیل سے رہا ہو کر سیدھے امرتسر وارد ہوئے یہ زمانہ علی برادران کے عروج کا زمانہ تھا۔ مولانا شوکت علی کی صدارت میں آل انڈیا خلافت کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس میں مولانا محمد علی نے حالات حاضرہ اور عالم اسلام کی تباہی و بربادی پر تقریر کی۔ اس جلسہ میں جناب شاہ صاحب نے تقریر فرمائی اور دس لاکھ روپیہ چندہ کے لئے اپیل کی جس کا خاطر خواہ اثر ہوا اور روپیہ کی فراہمی شروع ہوگئی۔ مولانا ظفر علی خان اس جلسہ میں موجود تھے مگر حکومت کی طرف سے ان کو تقریر کرنے کی اجازت نہ تھی۔ یہ زمانہ زمیندار اور مولانا ظفر علی خان پر انگریزوں کے انتہائی عتاب کا تھا۔ مگر اسی اجتماع میں اُن کو تار ملا کہ مولانا کی زبان بندی ختم کر دی گئی ہے۔ تب امرتسر کا یہ قومی ہفتہ پوری شان سے منایا گیا۔ یہیں شاہ صاحب کا گہرا تعلق علی برادران سے ہو گیا۔

مولانا آزادؒ کے ہاتھ بیعت جہاد

کچھ عرصہ بعد حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ کا دورہ پنجاب ہوا یہ دورہ زیادہ تر مذہبی تھا

اور مولانا مسلمانوں سے بیعت جہاد لے رہے تھے۔ لاہور کی شاہی مسجد میں نماز جمعہ کے بعد رانا فیروز الدین نے (جو اس وقت خلافت کمیٹی پنجاب کے سیکرٹری جنرل تھے) اعلان کیا کہ جو مسلمان مولانا آزاد کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہے وہ کرسکتا ہے اس مجمع کے آخر میں شاہ صاحب حوض کے قریب ہی کھڑے تھے۔ ان کے ساتھ ہی مولانا عبدالقادر صاحب قصوری بھی تھے۔ شاہ صاحب نے سنا تو سخت بے چین ہوئے۔ مولانا عبدالقادر صاحب سے کہا کہ دیکھو سب کام خراب ہو رہا ہے یہ کہہ کر شاہ صاحب نے ایک چھلانگ لگائی اور لوگوں کے گویا سروں سے گزرتے ہوئے ممبر تک پہنچ گئے صدر خاموش تھا ان سے کہا کہ میں اس اعلان کی وضاحت کروں گا۔ مولانا عبداللہ قصوری خاموش رہے۔ شاہ صاحب نے اپنی خداداد قرأت اور بلند آواز سے مجمع کو اپنی طرف متوجہ کرلیا یہ پہلا موقعہ تھا کہ مولانا آزاد بھی محوِ حیرت شاہ صاحب کی طرف دیکھ رہے تھے شاہ صاحب نے اس عظیم الشان مجمع کو چند منٹوں کے اندر اندر اپنی گرفت میں لے لیا اور اس نقطہ کی وضاحت فرمائی کہ جو لوگ پہلے کسی مرشد سے بیعت ہیں ان کی اُس بیعت سے اثر نہیں پڑتا وہ بیعت ارشاد تھی اور یہ بیعت جہاد ہے۔"

اتنا کہہ کر اپنے ہاتھ مولانا آزاد کے ہاتھوں میں دے دیئے اور کلمات بیعت کا ورد شروع کیا۔ شاہ صاحب پہلے پڑھتے پھر تمام مجمع پڑھتا تھا ایسا محسوس ہوتا تھا کہ تمام در و دیوار سے یہی آواز آرہی ہے۔ ایسا منظر پھر زندگی میں کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔ اس واقعہ کے بعد شاہ صاحب کا تعلق براہِ راست مولانا آزاد سے ہوگیا۔

علی برادران امرتسر میں رہا ہو کر پہلی بار آئے تو اُس وقت ان کا نعرہ مسلمانوں کے لئے ایک ہی تھا ہجرت یا جہاد کیونکہ مسلمانانِ عالم پر ایسا تاریک دور تھا کہ انہیں کوئی راستہ نہیں ملتا تھا برطانیہ پہلی جنگ میں فتح حاصل کرنے کے بعد اتنا مغرور تھا کہ وہ کسی کو خاطر میں نہ لاتا تھا۔ برطانیہ کا وزیر اعظم جنگ عظیم کا فاتح یہودی تھا۔ عرب کے بھی کئی ٹکڑے کرکے رکھ دیئے۔ اس کے علاوہ ایشیا اور افریقہ کا کوئی خطہ ایسا نہ تھا جو آزاد ہو ایران، افغانستان، عرب، مراکش، الجزائر، مصر تمام بلاد اسلامیہ برطانیہ یا اُن کے اتحادیوں کے زیر تصرف تھے فلسطین پر

جب انگریزوں کا قبضہ ہوا تو فاتح فوجی افسر کے سینے پر تمغہ آویزاں کرتے ہوئے برطانیہ کے یہودی وزیر اعظم نے کہا تھا یہ آدمی صلیبی جنگ کا فاتح ہے اس نے فلسطین کو فتح کیا ہے۔"

حالانکہ دورانِ جنگ میں برطانیہ نے ہندوستان کے مسلمانوں کو یقین دلایا تھا کہ فتح کی صورت میں عرب اور مقاماتِ مقدسہ آزاد رہیں گے اور یہ جنگ مذہبی نہیں ہے سیاسی ہے۔ لیکن وعدہ ہی کیا جس کو انگریزوں نے پورا کیا ہو۔[1]

ہجرت

حضرت شاہ صاحب کی زندگی کے حالات مختصر ہی کیوں نہ بیان ہوں مگر وہ نامکمل اور سراسر نامکمل رہیں گے اگر تحریک ہجرت کا ذکر اُن کے ساتھ نہ کیا جائے۔ کیونکہ اس تحریک کے روحِ رواں شاہ صاحب ہی تھے۔ اگر اس قافلہ کے ہراول جناب عزیز ہندی تھے جنہوں نے پہلے پہل اس کا بیڑا اٹھایا۔ اس بات کی تفصیل آج میں کافی حد تک بیان کرنے کی پوزیشن میں ہوں جو حقیقت حال پر مبنی ہوگی میرے بعد اب کوئی دوسرا آدمی زندہ بھی نہیں جو اس تحریک کے بنیادی پہلو پر روشنی ڈال سکے۔

ہندوستان کی شمال مغربی سرحد ہمیشہ سے ہندوستان کے انقلاب کی پناہ گاہ رہی ہے اور افغانستان میں جب غازی امان اللہ خان برسراقتدار آئے تو آزادی ہند کے حامی تھے۔ مگر اُن کی مجبوری تھی کہ ان کے والد کے زمانہ ہی سے شاہِ افغانستان انگریزوں کا وظیفہ خوار تھا۔ عملاً برطانوی سفیر مقیم کابل کی حکومت افغانستان میں تھی۔ بادشاہ برائے نام ہی تھا امان اللہ نے آتے ہی پہلا حملہ جب انگریزی سرحد پر کیا تو اس وقت انگریزی فوج بہت کم تھی اور پنجاب میں شورش ہونے کی وجہ سے مارشل لاء نافذ تھا۔ فوج پنجاب میں تھی۔ حکومت ہند کے لئے وقت بڑا مشکل تھا اس افغانی حملہ کی وجہ سے ایک تو عملاً مارشل لا اٹھ گیا۔ دوسرے پنجاب کی شورش کے باعث انگریزوں کو امان اللہ سے عارضی صلح کرنا پڑی۔ اگر یہ صورت نہ ہوتی تو انگریزوں کا پنجاب کو پریشان کرنے کا فیصلہ ابھی بہت باقی تھا۔ اس کا ایک فائدہ ہندوستان کو یہ بھی ہوا کہ حکومت برطانیہ کی پالیسی

1۔ چٹان لاہور سالنامہ 1962ء ص 86

ہندوستان کی طرف عارضی طور پر کچھ نرم پڑ گئی۔

ان تمام حالات کے باوجود 1920ء کا ہندوستان سخت آزمائش سے گزر رہا تھا اس کو کوئی راستہ نہ ملتا تھا کہ وہ اب کیا کرے؟ یہی وہ دور ہے جب ہجرت کی تحریک یکا یک شروع ہوگئی اور اس کا اثر مسلمانوں پر بے پناہ ہوا۔ حضرت شاہ صاحب نے کافی غور وفکر کے بعد اس میں ہاتھ ڈالا کیونکہ حکومت افغانستان نے اپنی طرف ہجرت کرنے والوں کو بلایا اُس سے امید کی یہ کرن پیدا ہوئی کہ شاید حکومت پر کچھ دباؤ پڑ جائے اور وہ مسلمانانِ ہند کے مطالبات پر توجہ دے سکے۔ اب شاہ صاحبؒ نے ہجرت کی تحریک میں جان ڈالنی شروع کی۔ پنجاب سندھ اور صوبہ سرحد کے اندر تو یہ قابو سے باہر ہوگئی اور حکومت انگریزی سخت گھبراہٹ میں پڑ گئی۔ سپیشل گاڑیاں بھی چلنی شروع ہوگئیں۔ صوبہ سرحد کے چیف کمشنر سر سمٹن گرافٹ نے تو ایک قافلہ کو ہاتھ جوڑ کر روکنے کی کوشش کی مگر مسلمان سر بکف جا رہا تھا اور اپنی لاکھوں کی جائیداد کو چھوڑ کر بے وطن ہو رہا تھا۔ جب یہ تحریک زوروں پر تھی تب سرکار انگریزی کی مشنری حرکت میں آئی سینکڑوں کی تعداد میں انگریز کے ایجنٹ مسلمان ان قافلوں میں شامل ہوگئے تاکہ انتشار پیدا کر سکیں۔

حکومت افغانستان نے اپنی بساط کے مطابق مہاجروں کا استقبال کیا اور ان کو جاتے ہی زمین وغیرہ دے دی کہ یہ اپنی روزی وغیرہ کا کچھ بندوبست کریں۔ مگر انتشار پسندوں نے پہلے سے ہی مہاجرین کے اندر بددلی پیدا کرنی شروع کر دی حالانکہ راستہ میں غیر علاقہ کے افغانوں نے اپنی اسلامی جذبہ کا بڑھ چڑھ کر ثبوت دیا۔

اسی دوران میں ہندوستان کی تحریک خلافت کے راہنما مولانا شوکت علیؒ نے شاہ امان اللہ خان کو ایک زبانی پیغام بھیجا۔ جس نے شاہ امان اللہ کو یہ پیغام دے کر اس کا رد عمل معلوم کرنے کی کوشش کی جو خاموشی کی صورت میں ملا۔ مولانا شوکت علی نے شاہ کو یہ پیغام دیا کہ:۔

”آدمی، روپیہ سب طرح سے ہم انگریز کے خلاف تمہاری مدد کریں گے، مگر ہندوستان کی زمین کا ایک انچ بھی نہیں دیں گے۔“

یہ پیغام سن کر امان اللہ خان دم بخود رہ گئے۔

دوسری طرف حکومت انگریزی نے افغانستان کی خود مختاری مان لی جس کے لئے کابل کی حکومت جدوجہد کر رہی تھی مگر ساتھ ہی کابل کی حکومت کو اشارہ مل گیا کہ حکومت ہند سے تعلقات بہتر کرنے کی ایک راہ یہ بھی ہے کہ مہاجرین کو ہندوستان واپس بھیج دو۔ ان دونوں نے حکومت کابل کو اس بات پر آمادہ کر دیا کہ اس نے مہاجرین کی پشت پر جو دست شفقت رکھا تھا وہ واپس لے لیا۔ تب مہاجرین کے لاکھوں کے اجتماع کے اندر پریشانی اور انتشار شروع ہوا۔ پھر وہ طبقہ بھی مہاجرین کے اندر ہی تھا جو اپنے لئے موقع کی تلاش میں تھا۔ اُس نے بھی فائدہ اٹھایا۔ اس طرح یہ تحریکِ ہجرت ناکام ہوئی مگر افغانستان آزاد ہو گیا۔

اس ناکامی کے ساتھ ہی مہاجرین کے قافلے واپس آنے شروع ہوئے اور افغان سرکار کا شکوہ شروع ہوگیا۔ بات بھی یہی تھی کہ افغانستان والوں نے جس طرح دعوت دی تھی پھر ویسا سلوک نہیں کیا۔ وہ بھی مجبور تھے ان کی سیاست اس کی اجازت نہ دیتی تھی۔ اس تحریک کا سید عطاء اللہ شاہ صاحب کی طبیعت پر بھی اثر ہوا۔ انہوں نے اپنا قیام امرتسر کی بجائے گجرات پنجاب میں تبدیل کر لیا۔[1]

تحریک عدم تعاون اور قومی تعلیم

حضرت شاہ صاحبؒ شروع شروع میں تو عدم تشدد اور عدم تعاون کے قائل نہیں تھے بلکہ اس کے خلاف اُن کی کئی ایک تقریریں میں نے سنی ہیں۔ لیکن اگست 1920ء میں کانگریس کا سپیشل اجلاس کلکتہ میں منعقد ہوا۔ جہاں گاندھی جی نے اپنا لائحہ عمل کانگریس کے سامنے رکھا۔ اس کام میں گاندھی جی تن تنہا تھے۔ صرف مولانا آزادؒ اُن کے ساتھ تھے جن کے ساتھ گاندھی جی کی نئی نئی ملاقات ہوئی تھی۔ ”عوامی ایجی ٹیشن“ کے لئے شوکت علی اُن کے ساتھ تھے باقی سب لیڈر خلاف تھے۔ اس اجلاس کے صدر ”لالہ سنجیت رائے“ بھی اس پروگرام کے خلاف تھے۔ شاہ صاحبؒ اسی اجتماع میں مولانا آزاد کی تقریر سے متاثر ہو کر اس پروگرام کے حق

1 ہفت روزہ چٹان 15 رجنوری 1962ء ص 82

میں ہوگئے۔ جب کلکتہ سے لوٹے تو وہ ایک نئے سانچہ میں ڈھلے ہوئے تھے۔ شاہ صاحبؒ میں انگریز دشمنی تو کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ انگریز کی ڈپلومیسی اور اس کی تلوار نے تمام مسلمانانِ عالم کو خون کے آنسو رونے پر مجبور کر دیا تھا۔ شاہ صاحب یہ بھی یقین رکھتے تھے کہ اگر ہندوستان انگریز کی غلامی سے آزاد ہوتا ہے تو عالم اسلامی کی غلامی کی زنجیریں سب کی سب ٹوٹ کر گر جائیں گی لیکن ہندوستان کی آزادی کے لئے ہندو مسلم کا اتحاد بنیادی بات ہے اگر یہ نہیں ہے تو سب کام بیکار ہیں چنانچہ کانگرس کی راہنمائی میں ترک تعاون کی تحریک کا آغاز ہوا۔ جمعیت علماء ہند نے پولیس اور فوج کی نوکری کے حرام ہونے کا اعلان بھی کر دیا گاندھی جی نے کہا کہ وکیل وکالت کا پیشہ چھوڑ دیں۔ اسکول اور کالج کے طالب علم طالب علمی چھوڑ دیں۔ اس فقرے پر اب سارے ملک میں کام ہونے لگا ہزاروں کی تعداد میں طالب علم اپنی تعلیم ترک کر کے درسگاہوں سے باہر آ گئے ...... نیشنل تعلیم کے لئے مختلف کالج اور سکول قائم ہوئے جس میں قومی تعلیم شروع ہوئی جس کا مقصد تھا آزادی کی جنگ کے لئے سپاہی اور لیڈر مہیا کرنا تھا تو حضرت شاہ صاحبؒ نے گجرات میں "آزاد ہائی اسکول" کی بنیاد رکھی۔ جیسی ان کی طبیعت تھی ویسا کام ہوا، ایک طوفان اٹھا اور گجرات کے ضلع سے جو سب سے زیادہ رجعت پرست مانا گیا ہے ایک لاکھ روپیہ سکول کے لئے جمع ہو گیا۔ عمارت تیار ہوگئی، ہزاروں کی تعداد میں طالب علم حصولِ علم کے لئے اس سکول میں داخل ہوئے۔ مولانا آزاد خاص کر سکول کی وجہ سے گجرات تشریف لے گئے اور اہل گجرات نے ان کا شاندار استقبال کیا۔

لطیفہ

حضرت شاہ صاحب رونق محفل تھے ہی، خلوت ہو یا جلوت سکہ آپ کا چلتا تھا مگر قدرت نے مجمع عام میں فتح کا سہرا انہی کے لئے مخصوص کر رکھا تھا آزاد ہائی اسکول کا چندہ کرتے کرتے شاہ صاحب کا دورہ وزیر آباد کے شہر میں ہوا جو گجرات کا ہی حصہ ہے مگر وزیر آباد کے شاطروں نے شروع سے ہی طے کر رکھا تھا کہ اس شہر میں کسی کا قدم نہ جمنے دیا جائے وہ کتنا نیک مقصد لے کر ہی کیوں نہ آیا ہو۔ اس سازش میں انگریز پرست شامل تھے۔ جب پہلی بار

گاندھی جی بھی اس شہر میں وارد ہوئے حالانکہ وہ صرف پنجاب پر کئے گئے مظالم کی تحقیقات کے لئے تھا تو کسی نے بھی ان کو اپنے گھر پر ٹھہرانے کی جرأت نہ کی تھی۔ وزیر آبادی مسلمانوں کا تو یہ طریقہ تھا کہ اگر کوئی مہمان قومی یا مذہبی کام کے لئے باہر سے آتا اس کی خوب خاطر تواضع کرتا اور جب پبلک جلسہ ہو یا مسجد کے اندر خطبہ ہو تو عین اُسی حالت میں آپس میں دست و گریبان ہو جاتا، مگر کوئی گزند نہ پہنچتا لیکن اس طرح جلسہ کے امن کو برباد کر دیتا۔ حضرت شاہ صاحب وزیر آباد تشریف لے آئے اور نمازِ جمعہ کے لئے شاہ صاحب سے درخواست کی گئی کہ آپ ہی پڑھائیں۔ شاہ صاحب کو اس شہر کے لوگوں کا کردار معلوم تھا مگر انہوں نے قبول کر لیا اور خطبہ کے ابتدائی حصہ میں ہی مسلمانوں کو اتنا گرمایا کہ سوائے شاہ صاحب کی بات سننے کے کسی کا اور کسی طرف خیال نہ گیا شاہ صاحبؒ نے نماز سے قبل ہی چندہ کر لیا اور روپیہ قابو کر لیا ایک آدمی کے سپرد کر دیا کہ وہ لے کر گجرات چلا جائے تب مجمع میں نماز ادا ہوئی۔ نماز کے بعد جب ان شیطانوں کو پتہ چلا روپیہ بھی باہر جا چکا ہے تو وہ آ کر شاہ صاحب کے پاؤں پر گر گئے اور کہا کہ ہم ہارے اور آپ جیتے۔ قصہ شاہ صاحب کی زبانی میں نے سنا تھا کہ آزاد ہائی اسکول کا کام زوروں پر تھا اور شاہ صاحب دن رات اسی میں مصروف تھے کہ امرتسر تشریف لے گئے ان کی ہمشیرہ کی شادی تھی۔ وہ ان کی تیاری کے لئے آئے تھے۔ امرتسر کے لوگوں نے نمازِ جمعہ کے بعد حضرت شاہ صاحب کا وعظ مسجد خیر الدین مرحوم میں رکھا یہ وعظ ان کی گرفتاری اور تین سال قید کا باعث ہوا۔ اس تقریر کا موضوع تھا "حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی ٹکر"، جس میں آخری شکست فرعون کی ہوئی شاہ صاحب نے آزادیٔ ہند کی اس تحریک کا انجام انگریز حکومت کی موت اور اہل ہند کی فتح پر ختم کیا۔ شاہ صاحب کا طرز بیان اور پھر مضمون کی دلچسپی نے اہل امرتسر کو مبہوت کر دیا۔ اس کا اثر حکومت نے بھی لیا۔ دفعہ 124 الف کے تحت مقدمہ چلا کر تین سال قید سخت کی سزا دی غالباً یہ پنجاب کا دوسرا مقدمہ تھا۔ اس سے قبل پانی پت کا مقدمہ چل رہا تھا یہ تحریک آزادی کی آزمائش کا زمانہ تھا کہ جو بھی گرفتار ہو وہ مقدمہ میں نہ تو صفائی پیش کرے اور نہ وکیل کرے، صرف ایک بیان دے کر عدالت کا فیصلہ سن لے۔ اس

وقت یہ بہت اہم بات تھی اور شاہ صاحب کے لئے بھی یہ روز اوّل ہی تھا۔ مگر شاہ صاحب نے بیان میں چند آیات قرآنی تلاوت فرما کر بیان ختم کر دیا۔ اس کا اثر عدالت کے کمرہ میں ایسا ہوا جیسا کہ ماحول ہی بدل گیا ہو۔ سزا کے بعد شاہ صاحب لاہور سنٹرل جیل میں پہنچا دیئے گئے جہاں کچھ نئے پولٹیکل قیدی پہلے سے موجود تھے۔ اس زمانے کی جیل کی خوراک خدا کی پناہ۔ آدمی کھا نہیں سکتا تھا۔ لاہور جیل کا داروغہ پنجاب کا مشہور جابر و ظالم جیلر تھا جس کو نواب بیگ کے نام سے یاد کرتے تھے، جب وہ شخص جیل کے اندر داخل ہوتا تو خدا کو بھول جاتا۔

شاہ جی کا بیان ہے کہ پہلے دن کھانے کی قطار میں بیٹھا تو دو روٹیاں اور دال لوہے کے ایک برتن میں ڈال دی۔ حال یہ تھا کہ اگر دونوں ہاتھ کھول کر وہ روٹی ہاتھوں پر نہ کی جاتی تو زمین پر دو ٹکڑے ہو کر گر جاتی۔ یہ روٹی چنے اور گندم کے آٹے کی ہوتی مگر اس میں آٹے سے زیادہ کچھ اور ہی ہوتا اور کچی رکھی جاتی تا کہ وزن ٹھیک رہے۔ میں نے دال کو دیکھا تو اس میں پانی زیادہ تھا۔ تب میں نے کوشش کی کہ پانی تھوڑا گرا دیا جائے کچھ دال کے دانے نیچے سے مل جائیں گے تو روٹی کھا سکوں گا۔ میں رفتہ رفتہ پانی گراتا گیا اور اس انتظار میں رہا اب دال نظر آتی ہے مگر سب پانی ختم ہو گیا اور دال نہ ملی۔ اُدھر جیل کے بند ہونے کا وقت ہو چکا تھا۔ کوئی دوسری صورت سامنے نہ تھی نمک مرچ یا کسی دوسری چیز کا ملنا تو کارِ مشکل تھا اس شام صبر و شکر کے ساتھ صبح کرنی پڑی اس کے بعد یہ قافلہ کچھ ماہ بعد پنجاب کے سرحدی ضلع میانوالی جیل میں منتقل کر دیا گیا۔

میانوالی ڈسٹرکٹ جیل

میانوالی جیل میں ایک کے بعد دوسرا بزرگ آزادی کی راہ اختیار کرتا ہوا پہنچتا رہا اور یہ قید اہل علم و دانش کی اور سیاسی مفکروں کی مجلس بن گئی۔ گاندھی جی نے سول نافرمانی انفرادی طور پر شروع کی۔ میانوالی جیل میں مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ مولانا داؤد غزنویؒ، عبدالمجید سالک مولانا اختر علی خاں صاحب، صوفی اقبال احمد انصاری پانی پتی، مولانا احمد سعید دہلوی صاحب، عبدالعزیز صاحب انصاری، مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی اور ان کے

علاوہ مشہور کانگرسی بزرگ مولانا عبداللہ چوڑی والے، لالہ شنکر۔ لال دیتش، بندھو گپتا وغیرہ لوگ تھے۔ باقی والنٹیر کوئی ڈیڑھ سو کے قریب تھے۔ میں بھی ایک رضا کار کی حیثیت سے سزایاب ہوا اور امرتسر سے میانوالی جیل میں ایک گروہ کے ساتھ پابجولاں بھیج دیا گیا کچھ دن بعد میری پہلی ملاقات جناب شاہ صاحب ہوئی۔ یہ 1923ء کے شروع کی بات ہے۔ مجھ جیسے نو آموز کے لئے یہ ماحول زندگی کا سرمایہ بنا شاہ صاحب نے بکمال مہربانی مجھے قرآن کریم ناظرہ پڑھایا میں بالکل نابلد اور جاہل نوجوان تھا اُن کی فیض صحبت نے میری جیل کی زندگی میں تربیت فرمائی جس کا میں شکریہ ادا کرنے کے لئے الفاظ نہیں رکھتا۔ اس کے بعد زندگی بھر کے لئے ایک دلی تعلق قائم ہو گیا۔ جب بھی امرتسر سے باہر دورے پر جاتے تو واپسی پر اپنے دورے کے خاص خاص واقعات مجھے بٹھا کر سناتے جو آج مجھے حفظ ہیں۔ ہم رہا ہوئے تو زمانہ بدل چکا تھا۔ کانگرس کی تحریک کو بند ہوئے دو سال گزر چکے تھے اور ملک کے اندر فرقہ وارانہ سرگرمیاں جاری تھیں۔ خلافت اور کانگرس تحریک کے مقابلے پر رجعت پرست مسلمان اور ہندو میدان میں اتر چکے تھے جن کو کم و بیش حکومت کو معاونت حاصل تھی۔

اہل گجرات نے شاہ صاحب کا شاندار استقبال کیا اور کوشش کی کہ وہ گجرات شہر میں ہی قیام کریں مگر وہ اپنے پرانے امرتسر شہر میں ہی آکر مقیم ہوئے۔

شاہ صاحبؒ ہندو مسلم اتحاد کے لئے دل سے قائل تھے وہ کہا کرتے تھے کہ اگر کوئی سیاسی مقصد نہ بھی ہو تو بھی ایک اچھی شہری زندگی کے لئے نیک ہمسایہ کے طور پر ہمیں گزر بسر کرنی چاہیے۔ وہ 1923ء سے لے کر 1927ء تک پنجاب خلافت کمیٹی ہی کے ممبر رہے اور قومی کاموں کے لئے وہ باہر دورے پر جاتے تھے کیونکہ ان کی مانگ سارے ملک میں ہمیشہ رہتی تھی جس کو وہ بخوبی پوری بھی نہیں کر پاتے تھے۔ شاہ صاحب مسلمانوں کے اندر رسومات قبیح کے سخت خلاف تھے اور اس پر ہمیشہ اپنی تقریروں میں زور دیتے تھے۔ جو شریعت حقہ کے خلاف تھیں۔ بعض مقامات پر دولت پسندوں سے ان کا جھگڑا بھی ہو جاتا۔ مگر وہ اپنی بات پر پہاڑوں کی مانند قائم رہتے۔ [1]

---

1. چٹان لاہور ص 83

خانقاہ ڈوگراں

اگر میں غلطی نہیں کرتا تو ایک آدمی بالکل غریب مفلوک الحال لاہور ہی میں شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور خانقاہ ڈوگراں چلنے کے لئے شاہ صاحب کو مجبور کرنے لگا۔ وہ انکار کرتے رہے مگر بعد میں پتہ چلا کہ وہ شاہ جی کو اپنے ساتھ ہی لے گیا جب شاہ صاحبؒ تیسرے دن واپس تشریف لائے تو انہوں نے حسب دستور مجھے یہ بتایا کہ:۔

جب میں اس بستی میں پہنچا تو وہاں کسی کو معلوم نہ تھا کیونکہ مجھے لے جانے والا آدمی ہی وہ بالکل اکیلا تھا اور بستی غالباً ساری کی ساری راجپوت مسلمانوں کی تھی جن کو مذہبی وعظ وغیرہ سے کچھ زیادہ لگاؤ نہ تھا۔ میں ایک مسجد میں ٹھہرا۔ اسی آدمی نے خود ہی ٹین بجا کر اعلانِ وعظ کیا۔ جلسہ کے لئے جو جگہ تجویز کی وہ ایک تکیہ تھا اور اس کے باہر ایک بڑ کا درخت تھا۔ اس کے نیچے انتظام کیا گیا۔ جب میں جلسہ گاہ میں پہنچا تو وہاں عجیب منظر تھا کوئی پچاس آدمی زیادہ سے زیادہ ہوں گے اور کوئی سو گز کے فاصلہ پر ایک مداری اپنا کھیل وغیرہ دکھا رہا تھا جہاں ڈیڑھ سو آدمی تھے اس کیفیت کو دیکھ کر مجھے سخت مایوسی ہوئی اور میں سوچ میں پڑ گیا کہ کیا کروں؟ یکا یک مجھے خیال آیا کہ تو ہزاروں آدمیوں کی حاضری میں تو خوش ہو کر جذبہ کے ساتھ بولتا ہے مگر یہاں بھی تو خلق خدا ہی ہے۔ اگر اللہ کا پیغام ان چند آدمیوں کو سنائے گا تو کیا تیرا کچھ بگڑ جائے گا اس خیال کا آنا تھا کہ میرے جسم میں زندگی کی ایک لہر دوڑ گئی اور میں نے دل میں دعا کی کہ مولا کچھ سامان یہاں بھی کر دے کہ تیرے بندوں میں تیرا پیغام پہنچا سکوں۔ اتنے میں ایک پولیس والا آیا اس نے اس مداری کو جو دور تماشا دکھا رہا تھا مار بھگایا۔ جو لوگ وہاں تھے وہ اب میری تقریر میں شامل ہو گئے۔ اب حاضری دو سو کے قریب ہو گئی تب میں نے اپنے وعظ کا ڈھنگ بھی بدلا۔ آدھ گھنٹہ کے اندر اندر گاؤں کے بڑے بڑے زمیندار راجپوت سب کے سب آ کر اس وعظ میں شریک ہو گئے تب میں نے تقسیم وراثت کا قرآن حکیم کا فیصلہ مسلمانوں کے سامنے رکھا اور یہ بھی کہا کہ پنجاب کے زمیندار مسلمان جس میں سید، پٹھان، مغل، راجپوت، جاٹ سب شامل ہیں 1857ء سے لے کر آج تک جتنے بندوبست

ہوئے ہیں ان سب نے قرآن سے انکار کر کے ہندو قانون یعنی رواج کو مانا ہے ایسی حالت میں ہم میں سے کون مسلمان ہے اور کون نہیں اس کا فیصلہ تم کسی مفتی شرع سے جا کر کروا لو۔

اس بحث کا شروع ہونا تھا کہ زمیندار طبقہ اٹھا اور آوازیں آنی شروع ہوئیں کہ:۔

"ایک مولوی ہماری بے عزتی کر رہا ہے"۔

اس پر شاہ صاحب بھی حالتِ جنون میں تبدیل ہو گئے اور فرمایا کہ:۔ قرآن حکیم کے معہ مکمل قانون کا انگریز کی عدالت میں کھڑے ہو کر انکار کرنا وہ بھی اس زمین جائیداد کے لئے جو اسی کی عنایت سے تمہارے پاس ہے اس پر ناراض ہوتے ہو کہ ایک معمولی مولوی ہماری بے عزتی کرتا ہے۔ تھوڑا سوچ لو میں لاہور سے چل کر آیا ہوں اور ریل کا کرایہ میں نے اپنی جیب سے دیا ہے واپسی کا میری جیب میں ہے۔ تمہاری مسجد کی روٹی میں نے کھائی نہیں پھر تمہارا مجھ پر دباؤ کیسا؟ رہا زمانہ جہالت کی یادذات کا سوال تم راجپوت یا جاٹ ہو تو میں سید ہوں پھر بھی تم سے اونچا ہوں۔ ان سب باتوں کو چھوڑ کر جب میں اللہ کا کلام سنانے کے لئے کھڑا ہوا ہوں تو پھر میری جواب دہی تو اس کے سامنے ہے تمہاری ہستی ہی کیا ہے؟ تین گھنٹے کی مسلسل تقریر کے بعد شاہ صاحب کی فتح ہوئی اور یہ طبقہ زمینداران سرنگوں ہوا پھر تو شاہ صاحب کی حق گوئی اور جادو بیانی نے وہ منظر پیش کیا کہ آخر شاہ صاحب بھی خوش ہو کر اس بستی سے شام کو لوٹے۔ شاہ صاحبؒ کی روزانہ زندگی کے واقعات کچھ اسی قسم کے ہیں اور ہر واقعہ ایک سبق لئے ہوئے ہے۔ قدرت نے ان کو خاص کام کے لئے بھیجا تھا جو انہی کا حصہ تھا۔[1]

کتاب "رنگیلا رسول" (حاکم بدہن)

اہل نظر سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ عطاء اللہ شاہ بخاری محبت نبوی ﷺ میں بالکل دیوانے تھے جب کہیں سیرت نبوی ﷺ پر وعظ کا موقع آتا تو پھر ان کی سنجیدگی متانت کے ساتھ ساتھ جوش اور ادب عقیدت کا جذبہ ہر لفظ سے ٹپکتا تھا۔ جس زمانے کا میں ذکر کر رہا ہوں یہ غالباً 1927ء کا زمانہ تھا اور میں بھی نوجوانی میں بطور کارکن خلافت کمیٹی میں کام کرتا تھا

---

1. چٹان لاہور سالنامہ 1962ء ص 94

کہ یکا یک اخبارات کے اندر ایک طوفان اٹھا کہ کسی صاحب چموپتی۔ ایم۔ اے نے اپنے خبث باطن کا ثبوت مہیا کیا ہے اور ایک کتاب ''رنگیلا رسول'' کے نام سے شائع کی اس کتاب کے خلاف خود حکومت نے بھی دفعہ 103 الف کے تحت مقدمہ دائر کیا۔ شائع کرنے والے کو دوسال قید سخت کی ماتحت عدالت سے سزا ہوئی۔ لیکن اپیل ہائی کورٹ میں گئی تو جسٹس دلیپ سنگھ نے ملزم کو بری کر دیا۔ اس فیصلہ کے خلاف ایک ہیجان پیدا ہو گیا جس کا مطلب تھا کہ اسی قسم کا گندہ لٹریچر شائع کرنے کی کھلی چھٹی ہے۔

اس میدان میں شاہ صاحبؒ، مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی، خواجہ عبدالرحمٰن غازی اترے اور حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ ایک قانون بنائے جس سے پیشوایان مذاہب کی عزت کا تحفظ ہو سکے اور جب تک یہ قانون نہیں بنتا ایک ہنگامی قانون نافذ کیا جائے۔

جب لاہور کی حالت خاص طور پر نازک ہو گئی تو حکومت نے پرانا ہتھیار دفعہ 144 نافذ کر دیا۔ ادھر خلافت کمیٹی اپنے جلسہ کا اعلان ...... دلی دروازے کے باہر کر چکی تھی تب شام کے وقت جلسہ احاطہ عبدالرحیم خاں میں کیا گیا اور دفعہ 144 کی خلاف ورزی کا فیصلہ مجلس خلافت پہلے کر چکی تھی۔ اسی جلسہ میں شاہ صاحب کی جادو بیانی کام آئی۔ اور آپ نے سول نافرمانی کا حکم دیا۔

(مولانا محمد علی جالندھریؒ فرماتے تھے۔ کہ اس تقریر میں شاہ جیؒ نے فرمایا کہ جو شخص حضور ﷺ کی توہین کرے تو پھر یا سننے والے کان نہ رہیں یا غازی علم دین شہیدؒ شاہ جیؒ کا مرید تھا۔ شاہ جیؒ کی تقریر سن کر چلا گیا۔ اور شاتم رسول راجپال کو قتل کر دیا۔ [1]

(آغا شورش کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ جب راجپال نے کتاب لکھی۔ لاہور میں جلسہ ہوا حضرت مفتی کفایت اللہ اور مولانا احمد سعید دہلویؒ لاہور آئے۔ شاہ جیؒ نے تقریر کی صدارت مفتی کفایت اللہ فرما رہے تھے۔ مولانا احمد سعید دہلویؒ بھی سٹیج پر موجود تھے ...... شاہ جیؒ کھڑے ہوئے خطبہ مسنونہ پڑھا ...... اور بڑی مغموم آواز میں کہا حضرات آج فاطمۃ الزہراؓ آئیں تو مفتی صاحب ، پنپنے لگ ، ر احمد سعید تھی۔ کہ شاہ نے کیا کہہ دیا۔ فرمایا ہاں ہاں آئیں

1 خطبات جالندھریؒ ص 185

تھیں ...... انہوں نے سوال کیا۔ فاطمہؓ نے کہا اے میرے ابا کی مسند کے وارث اور عائشہ نے کہا ایک میرے شوہر کی مسند کے وارث، آج تیرے لاہور میں میرے ابا کی عزت راج پال کی معرفت کٹ گئی ہے۔ اور ایک نے کہا میرے خاوند کی عزت بازاروں میں لٹائی جا رہی ہے۔ اور تم ابھی تک زندہ ہو۔ [1]

اور انہوں نے پندرہ منٹ صرف اپیل کی مگر نہایت پرزور اپیل ...... اور اس مجمع سے بیس آدمیوں کا پہلا دستہ سول نافرمانی کے لئے روانہ کر دیا۔ پھر دوسرا پھر تیسرا، حتیٰ کہ ساٹھ آدمی گرفتار ہو گئے تھے کہ مسٹر اگلوی ڈپٹی کمشنر لاہور نے جلسہ کے باہر کھڑے ہو کر تین بار یہ کہا کہ۔

''کہ میں اس جلسہ کو خلاف قانون قرار دیتا ہوں'' مگر اس کا کسی کو علم نہ تھا۔ خدا بھلا کرے عبدالمجید سالک کا انہوں نے سنا تھا فوراً مجمع کے آخر سے آواز دی کہ مسٹر اگلوی نے اس جلسہ کو خلافِ قانون قرار دے دیا ہے۔ تب یہ جلسہ برخاست ہوا۔ اور یہ خبر تمام ملک کے اندر آگ کی طرح پھیل گئی۔ حکومت نے اس بات سے متاثر ہو کر ہائی کورٹ میں مقدمہ چلایا اور مسٹر محمد شفیع اس میں سرکاری وکیل تھے ملزموں کو سزا ہو گئی۔ اس کے بعد قانون کی شکل بھی بن گئی مگر شاہ صاحب اور غازی صاحب کو ان کی تقریروں کی بنا پر ایک ایک سال کے لئے جیل جانا پڑا۔ خاکسار کو جیل تو خیر دیکھنی نصیب نہ ہوئی مگر اس تحریک میں اپنی بساط کے مطابق کام ضرور کیا۔ شاہ صاحبؒ کی زندگی کا یہ وہ معرکہ تھا کہ جس کی وجہ سے حکومت میں بھی گہری تشویش پیدا ہو گئی اور یہ کہا جانے لگا کہ یہ آدمی انقلاب برپا کر سکتا ہے۔

اس ایک سال کی قید کے بعد شاہ صاحب باہر تشریف لائے تو ان کی زندگی اب پہلے سے بھی زیادہ سادہ ہو گئی۔ گھر کے اندر تمام برتن مٹی کے تھے اور لباس وہی ایک کرتا اور ایک شلوار کھدر کی جو وہ خود ہی دھو کر پہن لیتے تھے وہ اس وقت کسی کی بھی پیش کش کو قبول نہیں کرتے تھے اور نہایت مستی کے عالم میں رہتے تھے مگر روٹی اور ضروریاتِ زندگی کی ضرورت تو تھی ہی۔

امرتسر میں ایک نئی مسجد تعمیر ہوئی جو کسی دولت مند نے بنوائی تھی اس کا ایک متولی تھا

1 خطبات شورش مندرجہ خطبات ختم نبوت جلد اوّل 286 ص 285

جوشراب اور زنا میں بری طرح مبتلا تھا شاہ صاحب کے ایک دوست نے یہ کوشش کی کہ وہ اس مسجد کا ایک تو افتتاح فرمادیں اور دوسرے اس کے خطیب کی ذمہ داری خود لے لیں۔ اس کے عوض میں وہ جو بھی ہدیہ قبول کریں انہیں منظور ہوگا۔ مگر شاکر وصابر عطاء اللہ شاہ صاحبؒ نے کہا کہ:۔

"میرا ماہوار خرچ 35 روپیہ ہے، یہی قبول کروں گا اور نہیں۔"

اسی پر فیصلہ ہوگیا اور یہ مسجد آباد ہوگئی۔ کچھ مہینے تو کام ٹھیک چلا اور مسجد کی رونق بھی بڑھ گئی مگر یکا یک شاہ صاحب کو کسی نے بتایا کہ "جناب متولی تو شرابی اور زانی ہے۔ وہ تو روزانہ "اس بازار میں" دیکھا جاتا ہے۔

تب کیا تھا اس کے بعد جو پہلا جمعہ آیا اس میں متولی صاحب بھی شامت اعمال سے لباس فاخرہ زیب تن کئے پہلی صفوں میں آکر بیٹھ گئے۔ جب خطبہ کی تقریر شروع ہوئی تو تھوڑی دیر بعد آگ برسنے لگی اور آخر یہ کہہ کر ممبر سے نیچے اترے کہ:۔

"اس مسجد میں میرا یہ آخری خطبہ تھا۔"

پھر اس طرف رخ نہیں کیا۔

ایسے واقعات کی ایک طویل فہرست میرے دماغ میں ہے جس سے شاہ صاحبؒ کی زندگی کا یہ پہلو روشن سامنے آجاتا ہے کہ وہ حق بات کہنے میں کبھی کسی سے نہیں دبتے خواہ اس میں ان کا کتنا ہی نقصان کیوں نہ ہو مگر زندگی میں وہ کسی کے ذاتی دشمن نہیں تھے ان کی دوستی اور دشمنی ہی حق واصول کی خاطر تھی۔

جب مذکورہ بالا دور گزر گیا تو پھر ایک بار ہندوستان نے کروٹ لینی شروع کی وہ کچھ خواب غفلت سے بیدار ہونے لگا اور سائمن کمیشن کی آمد آمد کا زمانہ شروع ہوا پھر ملک کی فضا کے اندر تبدیلی آنے لگی اور زندگی بھی ایک موڑ پر آگئی۔ میں کچھ انقلاب اور ایسی سرگرمیوں کی طرف جھک گیا۔ اس میں بھی شاہ صاحب ہی تھے جنہوں نے میری ڈھارس بندھائی اور کہا کہ:۔

"اب تم خالص پولیٹکل میدان میں اتر چکے ہو۔ مگر احتیاط کے ساتھ چلو۔"

کراچی کانگریس

میں 1928ء سے ہی انقلابی تحریک میں شامل ہو چکا تھا پھر بھی شاہ صاحب سے مراسم رہے تھے مگر میل ملاقات کو مواقع حالات نے بہت کم کر دیا تھا۔ میں تین سال کی سزائے قید گزار کر آیا تو آتے ہی بھگت سنگھ اور ان کے ساتھیوں کی سزائے موت سے رہائی کے لئے ایجی ٹیشن میں لگ گیا پھر کراچی میں آل انڈیا نوجوان کانفرنس کی تیاری میں مصروف تھا کہ کانگرس کا اجلاس سر پر آگیا اتنے میں یہ تینوں انقلابی نوجوان لیڈر لاہور کے اندر تختہ دار پر کھڑے کر دیئے گئے اور یہ تحریک ختم ہوگئی۔

اب کراچی کانگرس فاتحانہ انداز میں ہو رہی تھی کیونکہ گاندھی جی اور وائسرائے لارڈ آرون میں معاہدہ طے پا گیا تھا اور اس کانگرس میں اس معاہدے کی تصدیق ہونے والی تھی۔ اور گاندھی فخر سے سر اونچا کئے ہوئے تھا۔

شاہ صاحب بھی کراچی تشریف لائے جب بطور مبصر کے وہ کھلے اجلاس میں گئے تو جلدی باہر بھاگ آئے اور پھر نہ گئے۔ میں ان کی قیام گاہ پر بغرض سلام حاضر ہوا تو انہوں نے آب دیدہ ہو کر رات کا ماجرا بیان فرمایا کہ:۔

"میں جب کانگرس کے اجلاس میں گیا تو میرے چاروں طرف مختلف صوبوں کے نمائندے ڈیلی گیٹ بیٹھے ہوئے تھے۔ اور ہر صوبہ نے مجھ سے خواہش کی تھی کہ میں ان کے صوبہ ڈیلی گیٹ بن جاؤں مگر میں نے یہ کہہ کر انکار کیا تھا کہ میں اپنے صوبہ پنجاب اور شہر امرتسر ڈسٹرکٹ کانگرس کو خط بھی لکھا تھا کہ مجھے ڈیلی گیٹ منتخب کیا جائے اور پنجاب کانگرس کو بھی خط لکھا تھا۔ مگر کسی نے میری بات کی طرف توجہ نہ دی۔ اور رات مجھے شرم آئی کہ مجھے دیکھ کر دوسرے صوبوں کے لوگ کیا کہیں گے۔"

تب میں نے شاہ صاحب کو امرتسر کی تفصیل بتائی کہ:۔

"آپ کا نام ڈاکٹر کچلو کی صدارت میں پیش ہوا مگر کوشش کر کے گرا دیا گیا کیونکہ امرتسر کانگرس میں ہمیشہ فرقہ پرست اور متعصب ہندو طبقہ غالب رہا ہے، کچلو جن کا

لیڈر تھا یہ کاروائی ان کی ہے آپ افسوس نہ کریں البتہ پنجاب کانگرس کی غفلت شعاری کا ماتم ضرور کریں۔ جس کے صدر مولانا عبدالقادر قصوری تھے تب ان کو اور بھی قلق ہوا۔ اس کے بعد بھی ان کے پائے استقلال میں ذرہ بھر لغزش نہیں آئی مگر ان کی عزت اور شان کو دیکھ کر بعض اپنے بھی حاسد ہو گئے تھے لیکن کوئی ان کی گرد کو بھی نہ پہنچتا تھا۔

قومی تحریک 1930ء کا علمبردار صف اوّل کا سپاہی نہ تھا وہ جنرل تھا جس کے سامنے بڑے بڑے لیڈروں کا رنگ بھی نہ جمتا مگر وہ فقیر انسان آخر ان باتوں سے بے نیاز ہو چکا تھا تو بھی خدا نے اس کو بہت کچھ دیا وہ مادی اشیاء کی شکل میں نہ ہو لیکن دلوں کا بادشاہ تھ لوگ ان کی راہ دیکھتے تھے۔

بنا ان کے محفل جمتی ہی نہ تھی جہاں وہ آ گئے برات کے دُلہا کی حیثیت اختیار کر گئے۔ جناب شاہ صاحب کی زندگی وقت کا تقاضا تھی۔ جو قدرت نے پورا کیا۔ ہندوستانیوں کو خواب غفلت سے بیدار کیا اور خاص کر مسلمانانِ ہند کو ان کی بھولی ہوئی راہ دکھائی مگر ناقدر شناس قوم نے ان کی قدر نہ کی۔[1]



1: چٹان سالنامہ 1962ص95

امیر شریعتؒ کی عوامی زندگی

امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ حسنی سید تھے۔ مگر کبھی اس پر فخر نہیں کیا۔ بلکہ جن اضلاع میں ماضی میں سادات عوام کی جہالت سے ناجائز فائدہ اٹھاتے، اور ان سے اپنے سجدے کراتے۔ وہاں شاہ جی نے اپنے آپ کو خطرہ میں ڈال کر حالات کو اعتدال پر لانے کی کوشش کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی سعی مشکور فرمائی آپ نے اوروں کی طرح کبھی بھی اپنے لئے چارپائی یا کوئی اور جگہ مخصوص نہیں فرمائی اور نہ ہی ذات پات کی وجہ سے کسی کو حقیر جانا۔

آپ کو اپنے دوست اور رفیق کار چودھری افضل حق مرحوم کی طرح اس بات سے چڑ تھی کہ اہل صنعت و حرفت اور پیشہ وروں کو کیوں کمین کہا جاتا ہے۔ آپ نے اپنے طرز عمل سے کتنوں کو اسلامی مساوات کا قائل اور اسلام پر مائل فرمایا۔

1932ء میں پنجاب پروانشل احرار کانفرنس امرت سر میں تبلیغی اجلاس کی صدارت فرماتے ہوئے آپ بعض بھنگیوں سے اپنی مبلغانہ گفتگو اور اسلامی دلکشی پر تقریر فرما رہے تھے کہ اونچے سٹیج پر یکا یک ایک مجذوب چڑھ کر آپ سے لپٹ گیا۔ آپ نے اس کو گلے لگا کر فرمایا۔

خاکسارانِ جہاں را بحقارت منگر

اس وقت حال قال کے مطابق اور شاہ صاحبؒ کی روح پرور تبلیغ کا مجمع پر کیا اثر تھا

وہ بیان نہیں ہوسکتا۔ آپ نے ہمیشہ عام مسلمانوں کو اپنے ساتھ بٹھایا کھلایا۔ سب کی باتوں پر کان دھرا۔ سب کا احترام کیا اور سب کے دلوں میں گھر کرلیا۔ آپ کی تشریف آوری کی اطلاع ہوتے ہی عوام، خواص اس طرح آپ کے گرد جمع ہوجاتے جیسے شمع پر پروانے۔ آپ کو برے کاموں سے تو نفرت رہی۔

لیکن برے آدمیوں سے آپ نے کبھی نفرت نہیں کی بلکہ ان کو نہایت میٹھے اور لطیف طریقے سے اپنے قریب کرتے یہاں تک کہ وہ "کَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ" کے مصداق ہو کر جان و دل سے فدا ہونے لگتے۔

تبلیغی دورے

بعض حضرات شاہ صاحب کی ابتدائی زندگی سے کم واقف ہیں۔ ان کے لئے عرض ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نہایت اچھی صحت اور بہترین سڈول جسم عنایت فرمایا تھا آپ اس نعمت کا بہتر شکر ادا کرتے رہے تقریباً چالیس سال پہلے بعض اضلاع کی یہ حالت تھی کہ مہاجن ہندوؤں کے ہاتھ سے مقروض اور خستہ حال مسلمانوں کی آبرو بھی محفوظ نہ تھی۔ ان پڑھ مسلمان رسوم و بدعات کے جال میں پھنسے ہوئے اسراف کرتے ہوئے اپنے ہاتھوں تباہ تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ گرم مہینوں میں اونٹ گھوڑے کا یا پیدل سفر چالیس چالیس میل دور گاؤں کا کرتے اور ان کو اسلام سکھاتے ہوئے مشکلات سے نجات دینے کی کوشش کرتے۔ بعد میں بھی حضرت شاہ صاحبؒ نے کبھی فسٹ کلاس یا سیکنڈ کلاس کے سفر کی خواہش نہیں کی اور نہ ہی غریبوں کی روکھی سوکھی روٹی کی بے قدری کی۔ آپ اپنی بہترین صحت کو صبر آزما تبلیغ اور طوفانی دوروں کے لئے استعمال کرتے رہے۔

حضرت شاہ صاحب کا علم اور فہم قرآن

حضرت شاہ صاحب مرحوم عالم تھے اکثر متداول کتب مختلف اساتذہ سے درساً پڑھیں۔ احادیث کا گہرا مطالعہ تھا۔ دینی معلومات اور شرعی احکام پر پوری نظر تھی۔ قدرت نے

آپ کو جو فہم و ذکاء عطا فرمایا تھا وہ شاذ و نادر ہی کسی کو میسر ہوتا ہے خاص کر قرآن کا فہم اور اس کا بیان ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا اُردو یا پنجابی میں قرآن نازل ہو رہا ہے۔ آپ کو شاہ عبدالقادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ سے بے حد دلچسپی تھی۔ آپ فرمایا کرتے کہ قرآن پاک کی کماحقہ قدر نہیں کی جاتی جتنا زور دوسرے علوم پر دیا جاتا ہے اتنا قرآن پر نہیں دیا جاتا۔ بعض جلسوں میں آپ دو پارے کے قریب آیتیں پڑھ ڈالتے۔ ہزاروں حاضرین جہاں آپ کے معارف و لطائف پر جھومتے وہاں نفس تلاوت قرآن پاک سے بھی مست ہوجاتے ہر ایک یہی چاہتا کہ شاہ جی اور قرآن پڑھیں۔ مشکل مسائل کو آسان زبان میں سمجھا دینا آپ ہی کا حصہ تھا۔ مگر باوجود اس کے کبھی اپنے کو عالم نہیں کہا۔ ہمیشہ اپنے کو علماء کا خادم ہی سمجھا۔ کسی میٹنگ یا اجلاس میں جب کوئی عالم اظہار خیال کے لئے کھڑا ہوجاتا تو حضرت شاہ صاحبؒ اس خیال سے کہ یہ حضرت انور شاہ قدس سرہٗ کا شاگرد ہے ہمہ تن گوش متوجہ ہوجاتے۔ حضرت انور شاہ صاحب کا دلی احترام ایسے ہی بزرگ کرسکتے تھے ماوشما ان کو کیا سمجھیں آپ نے بعض مجالس میں اس امر کو ظاہر کیا کہ لاہور میں بیعت جہاد کے وقت جب میرا ہاتھ حضرت محدث کشمیری انور شاہ کے مبارک ہاتھوں سے ملا اس وقت بدن کے ذرے ذرے کی جو کیفیت تھی وہ ناقابل بیان ہے۔

(تحریک ختم نبوت کے ممتاز راہنما اور آپ کے شاگرد رشید مولانا عبدالرحیم اشعرؒ فرماتے تھے کہ شاہ جیؒ نے مجھے خود فرمایا کہ مولوی عبدالرحیم جب علامہ انور شاہ صاحبؒ نے میرے ہاتھوں میں ہاتھ دیئے تو میرا پورا جسم تھر تھر کانپ رہا تھا) حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ بھی جوہری تھے۔

انہوں نے بھی جوہر قابل دیکھ کر ہی آپ کو امیر شریعت بنایا جس کو آپ نے بفضلہ تعالیٰ نبھایا اور خوب نبھایا اس مبارک نام اور خطاب کی لاج رکھی۔ جہاں شریعت پر حملہ ہوا آپ سرکوبی کے لئے جا پہنچے۔ کسی طاغوتی قوت کے سامنے سر نہیں جھکایا۔ انتہائی تواضع و انکسار کے باوجود عزتِ نفس اور خودداری کے تقاضوں کو نظر انداز نہیں کیا سینکڑوں عربی مدارس بنائے یا چلائے۔ ان کے لئے لاکھوں روپے جمع کرکے دیئے ہر عربی مدرسہ کو آپ کا تعاون

حاصل تھا۔ مگر اپنی حاجت کا کسی کے سامنے پیش کرنا تو درکنار کسی کے سامنے کبھی اظہار بھی نہیں کیا آج ہزاروں علماء دین کا وجود آپ کی انتھک کوششوں کا نتیجہ ہے اور سب ہی آپ کی جدائی سے دل فگار و اشکبار ہیں۔

مجلس احرار اور مسئلہ کشمیر

اور جب کانگریس سے اختلاف رائے ہوا اور ادھر خلافت کمیٹی نے دم توڑ دیا تو آپ نے اپنے رفقاء کار مولانا ظفر علی خاں چودھری افضل حق، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی۔ شیخ حسام الدین، ماسٹر تاج الدین انصاری، غازی عبدالرحمٰن، مولانا محمد داؤد صاحب غزنوی اور مولانا مظہر علی اظہر سے مل کر مسلمانوں کی بالکل علیحدہ تنظیم مجلس احرار اسلام قائم فرمادی۔ جس کے صرف وہ مقاصد تھے۔

آزادی وطن اور اسلام کی حفاظت یہی دو مقاصد آپ کی مجاہدانہ گردش کے محور ہے اگر احرار اسلام یہ مجاہدانہ اقدام نہ کرتے تو فرنگی کی دو دھاری تلوار چل گئی تھی کشمیر کی شورش سے وہ مہاراجہ پر دباؤ ڈال کر گلگت کو اپنی تحویل میں لینا چاہتا تھا یہ بات تو ہر شکل میں ہونی تھی مگر دوسرا مقصد زیادہ خطرناک تھا کہ ڈوگرہ شاہی کے مقابلہ کے لئے مسلم جذبات سے فائدہ اٹھانے کے لئے ایک کشمیر کمیٹی بنادی گئی تھی جس کا صدر مرزا محمود قادیانی کو مقرر کیا گیا تھا اگر کشمیر کی مہم اس کی صدارت میں چلائی جاتی تو وہ آئینی حدود تک نہ رہتی۔

جس سے ایک تو کشمیری مسلمانوں کے پس جانے کا خطرہ زیادہ تھا دوسرے کشمیری مسلمانوں کو سرکاری اور غیر سرکاری ذرائع سے یہ باور کرایا جاتا کہ تمہارے نجات دہندہ مرزا محمود قادیانی ہیں پھر ان کی روحانی خلافت کا سکہ جمایا جاتا اور کشمیر کے بہت سے خطوں کے مرتد ہونے کا خطرہ لاحق ہو جاتا۔ مگر بخاریؒ کے جہاد نے اس اسکیم پر پانی پھیر دیا۔ مرزا محمود کی کمیٹی دھری کی دھری رہ گئی اور کشمیری مورچہ پر غازیانِ احرار جادوڑے۔ [1]

1 ترجمان اسلام لاہور 8 ستمبر 1961ء ص 3

دوسری خدمات

کشمیر کے علاوہ اور بھی جہاں اسلام کے لئے ضرورت پڑی امیر شریعتؒ پہنچ گئے جہاں سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰت کی عزت و ناموس کا سوال آیا آپ نے بمعہ اپنی جانباز جماعت احرار کے سردھڑ کی بازی لگادی۔ "رنگیلا رسول" نامی کتاب کے خلاف آپ نے سارے ملک میں آگ لگادی مسئلہ ختم نبوت کی حفاظت کے لئے قادیان میں مرکز قائم کر کے مرزائیت کے لئے سد سکندری کھڑی کردی اور جب لکھنؤ میں تمام انسانی تقاضوں کے خلاف تبرا ایجی ٹیشن شروع ہوا تو آپ نے انتہائی رواداری کے باوجود "تحفظ ناموس صحابہؓ" کے لئے وہاں مدح صحابہ کا مورچہ قائم کرلیا۔ جب سنٹرل اسمبلی میں ایک ہندو کی تحریک پر ساردا ایکٹ پاس ہوا جس کی رُو سے نابالغ لڑکیوں کا نکاح ممنوع قرار دیا گیا آپ نے تمام علماء کی متفقہ رائے سے اس کے خلاف احتجاج کیا۔ غرضیکہ فرنگی اقتدار سے برسر پیکار ہونے کے باوجود آپ نے دوسرے دینی فرائض کو کبھی نظر انداز نہیں کیا۔

مجلس احرار کی خصوصیات

حضرت امیر شریعتؒ کے اوصاف کے اثرات آپ کی جماعت احرار میں نمایاں طور پر ظاہر تھے۔ بعض جماعتوں میں قیادت (لیڈر شپ) بہتر ہوتی ہے۔ مگر ممبر اور رضا کار کمزور ہوتے ہیں۔ بعض جماعتوں میں رضا کار بہادر ہوتے ہیں۔ مگر لیڈر بزدل اور بے کار ہوتا ہے بعض میں دونوں کا حال پتلا ہوتا ہے۔ مجلس احرار اسلام پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل رہا کہ اس کو رہنما ملے تو مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی چودھری افضل حقؒ اور امیر شریعتؒ جیسے ملے، اور رضا کار ملے تو ایسے جانثار و وفادار اور بہادر کہ ہمیشہ کفن بردوش اطاعت کے لئے تیار رہتے۔

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب امیر احرار تھے جو جری اور جرار تھے متقی اور پرہیز گار تھے۔ چودھری افضل حقؒ صاحب جماعت کے دماغ تھے۔ انتہائی ملنسار اور قدردان تھے۔ آغا شورش کاشمیریؒ کی مخلصانہ خدمات۔ شہید گنج کے زمانہ میں دیکھ کر چودھری صاحب ہی نے ان کو

چھاتی سے لگایا۔ اور آگے بڑھایا۔ اور وہ بھی خوب بڑھے۔ امیر شریعت بظاہر تو جماعت کی زبان تھے۔ مگر دراصل وہ روح رواں تھے۔ ان کی خداداد مقبولیت پر جماعتی وسعت وطاقت کا بہت کچھ انحصار تھا۔

حضرت شاہ صاحب کا مشن پاکیزہ مشن تھا۔ ان کے رفقاءِ کار اور رضا کار ملک میں بے بضاعتی اور بے سروسامانی کے باوجود مخلص اور پُر جوش کارکن ہیں اور ان کے دل جڑے ہوئے ہیں۔ دراصل حساس و دیندار مسلمانوں کی ایک برادری ہوتی ہے جو ہر آڑے وقت میں اکٹھی ہو جاتی ہے ان بزرگوں کے دامن سے وابستہ ثانوی درجہ کے رہنما سارے ملک میں موجود ہیں جو اپنی اپنی جگہ اسلام کی خدمت کر رہے ہیں۔

کانگریس مسلم لیگ اور شاہ صاحب

غلامی کے زمانہ میں اہل ملک کے سامنے ایک ہی سوال تھا کہ فرنگی اقتدار کی لعنت کو کیسے ملک بدر کیا جائے۔ کانگرس میں عرصہ تک مسٹر محمد علی جناح بھی شامل رہے لیکن جونہی آزاد ہندوستان کا موہوم سا تصور سامنے آنے لگا۔ انگریز کی جگہ لینے والی حکومت کی تشکیل کا سوال بھی زیر بحث ہونے لگا۔ ہندو مسلم کی متوقع مشترکہ حکومت میں اس وقت مسٹر محمد علی جناح کے چودہ نکات کو مسلم مفادات کے تحفظ کے لئے کافی سمجھا گیا۔ مگر ہندوانہ تنگ نظری کی وجہ سے دن بدن اس بحث کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ جب فرنگی اقتدار کا خاتمہ آنکھوں کے سامنے نظر آنے لگا۔ مسلم لیگ نے مسٹر محمد علی جناح کی قیادت میں علیحدہ مسلم حکومت کا مطالبہ کر دیا جس کا نام پاکستان تھا اور یہ بھی کہا کہ اس سے کم پر کسی صورت میں سمجھوتہ نہیں ہو سکتا۔ دوسری طرف گاندھی جی نے کہا کہ ملک کو تقسیم کرنا گئو ماتا کی بوٹیاں کرنا ہے اس وقت سیاسی بحران پیدا ہو گیا۔

مسلم مجاہدین آزادی

آزادی کی جنگ جس میں مسلمانوں کی شرکت سے جان پڑی تھی اس میں لڑنے

والے مسلمان رہنماؤں کی ذہنیت یہ تھی کہ فرنگی نے ہندوستان کی قوت وطاقت کے بل بوتے پر تمام عالم اسلام آزاد ہو سکے گا اپنے ملک سے انگریزی غلبے کو دور کرنے کے ساتھ ساتھ ہمیشہ حساس مسلمانوں کو تمام عالم اسلام کی آزادی کا خیال رہتا اور اسی لئے ہر قیمت پر ہندوستان کی آزادی کو حاصل کرنا چاہتے تھے۔ چودھری افضل حق صاحب مرحوم فرمایا کرتے کہ ہندوؤں کو چکمہ دے کر بھی ساتھ ملا سکو تو بھی نفع کا سودا ہے چاہے یہاں ہماری حاکمانہ شان میں کمی بھی رہے مگر عالم اسلام کی آزادی خود ہمارے عزت و وقار اور رعب کا ذریعہ ہو گی اور اتنے اسلامی ممالک کی کفر سے گلوخاصی کوئی معمولی کام نہیں ہے۔ بس یہی ایک مسئلہ تھا جس کی وجہ سے مسلم سیاسین ہر اس بات کو پسند نہ کرتے تھے جس سے اختلاف اور خانہ جنگی زیادہ ہو کر آزادی کا مسئلہ کھٹائی میں پڑ جانے کا احتمال ہو۔ انہوں نے سوچا کہ اگر مسٹر جناح اور گاندھی اپنی اپنی بات پر ڈٹے رہے تو کہیں فرنگی کی عمر دراز نہ ہو جائے وہ "لڑاؤ اور حکومت کرو" پر عمل کرتا رہے گا اس لئے انہوں نے تقسیم کے نام پر پڑنے کی مخالفت کی۔ ان کے نزدیک عالم اسلام کی آزادی کے ساتھ ہندوستان کے اندر اتنا تحفظ کافی تھا کہ مرکز میں پنتالیس پنتالیس فی صد سیٹیں ہندو مسلمانوں کو ملیں۔ مرکز کے پاس صرف مشترکہ دفاع، مواصلات اور سیاست خارجہ ہو۔ اور صوبجات کو باقی امور میں مکمل آزادی ہوتا کہ مرکز ان میں مداخلت نہ کر سکے کانگرس اس پر راضی ہو چکی تھی۔ آزاد خیال مسلمان اس کو کافی سمجھتے تھے مگر مسلم لیگ نے تقسیم سے کم کوئی بات قبول نہ کی۔

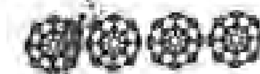
ہندوؤں کی تنگ نظری کی وجہ سے مسلمانوں کی رائے عامہ دن بدن مسلم لیگ کے حق میں ہوتی جارہی تھی۔ مگر فرنگی دشمن بخاری نے جس بات کو انگریز کے اخراج کے لئے زیادہ مفید سمجھا اسی پر قائم رہے۔

انگریز پر مار

یہاں تک کہ 1939ء میں انگریز پر خدائی مار پڑی یعنی دوسری جنگ عظیم چھڑ کر لندن کی اینٹ سے اینٹ بج گئی اور جب جنگِ عظیم ختم ہوئی برطانیہ ہندوستان کو غلام رکھنے

کے قابل نہ رہا تھا۔ اس نے جلد از جلد آزادی دینی چاہی ادھر مسلمانوں کی اکثریت نے الیکشن میں مسلم لیگ کی وساطت سے تقسیم کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ جس کی وجہ سے پاکستان ہندوستان وجود میں آ گئے۔ اگر فرنگی پر جنگ عظیم کی مار نہ پڑتی ممکن ہے کہ وہ مذکورہ بالا بیان کے مطابق دونوں قوموں کو لڑا لڑا کر حکومت کرتا رہتا۔ مگر بحمد للہ تعالیٰ کہ وہ مار کھا کر آزادی دینے پر مجبور ہو گیا۔ اس سے آزادی پسند مسلمانوں کا نظریہ ناکام رہا۔ مگر اس نظریہ کا مقصد کہ کسی طرح انگریز جلدی نکل جائے پورا ہو گیا۔

سوہنے ساوے محمدیؐ باگ اندر جھلے بن کے تازہ بہار تسی
بوٹا دین اسلام دا ہرا کیتا پھل شرع دے دتے نکھار تسی
محفل دلاں جگ مگ کرن لگی تہاڈے اک اک روشن خیال
ورکھا نور عرفان دی ورن لگی تہاڈے اک اک روشن خیال
لے کے علم تے حکم دا گنج سینے ظاہر ہوئے سوتسی جہان اُتے
تہاڈے اُتے قرآن نوں فخر ہے سی تہاڈا مان سی پاک قرآن اُتے
جگہ جگہ توحید دے گنج ونڈے تساں رہن نہ دتا کنگال کوئی
تھاں تھاں تے پیارے سبق دِتے لایا دوئی دا حرف نہ نال کوئی
ایسا جادو بیانی دا اثر آہا قبضہ دِلاں تے کر دی تقریر ہے سی
سینے حاسداں دے کیتے ساڑ کولے ایسے اگ دی بھری تحریر ہے سی
جیوندے جو کیتا قوم لئی کیتا قوم واسطے سختیاں جھلدے رہے
سولی ویلے دی، چڑھ منصورؒ وانگوں حق کہن تو مول نہ ٹلدے رہے
طالب قوم تے وطن دے ہون جہڑے بچ آکھدے موت توڑ دے نئیں
رہندا جگ تے اوہناں داناں زندہ اوتے کدی جہاں تے مردے نئیں



قافلہ تحریک آزادی کے ممتاز حدی خواں

یہ لوگ جس زمانے میں اپنے بلند آہنگ حوصلوں کے ساتھ سامنے آئے تھے جب تک ہمارے سامنے اس دور کی صحیح تصویر نہ ہو۔ اس وقت تک ہم اس مٹی کے محاسن کا اندازہ ہی نہیں کر پاتے جس مٹی سے ان لوگوں کے پیکر تیار ہوئے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ ماضی اپنی خاص روایتوں کے ساتھ گور کنارے آ چکا تھا اور اس کے روبرو ایک نیا دور اپنی تمام شدتوں کے ساتھ نشو و نما پا رہا تھا۔ جہاں تہاں برطانوی سامراج کے خلاف خیالات بڑی تیزی سے کروٹیں لے رہے تھے دماغوں میں بہمہ وجوہ احتجاج موجود تھا۔ پہلی جنگ عظیم کے نتائج نے اس احتجاج کا راستہ صاف کر دیا۔ پورے ملک کی خواہش آزادی رولٹ ایکٹ، جلیانوالہ باغ اور تحریک خلافت کے داخلی و خارجی اثرات کے تحت ایک مرکز پر آ گئی۔ اس مرکز نے رہنمائی اور اس کے مظاہر کا ایک نیا قافلہ پیدا کیا۔ شاہ جی اس قافلے کے ممتاز حدی خوانوں میں سر فہرست تھے۔ ادھر غور کرنے سے یہ عجیب و غریب بات کھلتی ہے کہ جو لوگ اس قافلہ میں شریک تھے۔ وہ کسی تنہا خوبی ہی میں منفرد نہیں تھے بلکہ ان کی ذات بہت سی خوبیوں کا مجموعہ تھی۔ احوال کی رفتار کا یہ عالم تھا کہ زندگی کا ہر گوشہ تبدیلیوں سے متاثر ہو رہا تھا۔ نہ صرف دنیا نے ایک نیا سانچہ قبول کر لیا تھا بلکہ فکر و نظر کے بھی دوائر ایک نیا روپ اختیار کر رہے تھے۔ شاہ جی معناً ان علما و صلحا کے وارث تھے جنھوں نے اسلام کی اساس پر انگریزوں کی بیخ کنی کا عہد کیا تھا اور دیوبند کا مدرسہ جن کے امتیازی معتقدات کی علامت تھا۔ اس ذہن کی تعمیر میں بہت سے عوامل کا ہاتھ کار فرما رہا۔ اب جو قومی احتجاج کی اجتماعی روح عدم تشدد کے طریق اور عدم تعاون کی تکنیک سے پرچم کشا ہوئی تو عثمانی خلافت کا سکوت اور عرب ملکوں کے حصے بخرے اس ذہن کے لئے مہمیز ثابت ہوئے۔ اسلامیت اور وطنیت کے ملے جلے جذبات نے 1857ء کے بعد 1919ء میں آزادی کا ایک نیا ولولہ پیدا کیا کہ ذہنی طور پر انگریز سارے ملک کے دماغوں اور دلوں سے نکل گیا۔ رہا تو ان لوگوں کے دلوں میں جو انگریزی بساط کے مہروں کی حیثیت رکھتے اور اپنے گرد و پیش انسانوں کی ایک اقلیتی کھیپ کے وفاداری بشرط

استواری کے تحت سوداگر تھے۔

انگریزی حکومت کے دبدبے نے 1857ء کے بعد اس برصغیر کو نہ صرف مفتوح کرلیا بلکہ مغلوب لوگوں کے ساتھ مرعوب دماغوں کا بازار بھی رونق پر تھا۔ مگر تحریک لاتعاون کے برگ و بار نے مسلمانوں کی عنانِ رہنمائی دفعتہً ان لوگوں کے حوالے کردی جنہیں قدرت نے شکوہ ترکمانی، ذہن ہندی، اور نطق اعرابی دے کر پیدا کیا تھا۔ اور جن میں اکثر ماضی مرحوم کے خلوت خانہ تخیل میں زندگی بسر کرنے کے عادی تھے۔

ماضی کا تخیلی پیکر

سید عطاء اللہ شاہ بخاری اسی ماضی کا تخیلی پیکر تھے ان کا ہروار ایک بانکے پھکیت کی طرح چوکس رہا۔ وہ کبھی نہ تھکنے والی روح لے کر آئے تھے۔ آج چونکہ وہ نہایت آگے نکل چکی ہے اور اس عہد کی اداشناس پود بھی قریب قریب ختم ہوچکی یا ہورہی ہے۔ پھر قلم و زبان کے نئے نئے "رستم" و "اسفند یار" پیدا ہورہے ہیں لہٰذا یہ سمجھنا یا سمجھانا ذرا مشکل ہے کہ ان لوگوں نے ملک وقوم کو کچھ عطا کیا؟

صبح ضرور ہوتی ہے اور سورج بھی وقت پر نکلتا ہے لیکن طلوع وغروب کا فاصلہ یونہی طے نہیں ہوتا۔ پہلے ستارے ابھرتے۔ رات کٹتی پھر پو پھٹتی ہے۔ اس حقیقت کو جاننا اور پہچاننا اشد ضروری ہے کہ قومی آزادی تاریخی اعتبار سے کبھی کسی فرد واحد کی تنہا فراست اور تنہا ہمت کا نتیجہ نہیں ہوتی اور نہ اس کا پودا آناً فاناً بارآور ہوتا ہے یہ حکایت ایک طویل عمل اور ایک طویل عہد سے مرتب ہوتی ہے یہ صحیح ہے کہ قومی خواہشوں اور ملکی ولولوں کا مظہر بسا اوقات ایک ہی وجود ہوتا ہے اور علامۃ الناس کے قدم اس کے قدموں کے ساتھ اٹھنے لگتے ہیں لیکن اصلاً حریت واستقلال کا یہ قصر بے شمار لوگوں کی جگر کاوی، سرفروشی اور فراست ایمانی، دانائی سے اٹھتا اور بنتا ہے۔

حصولِ آزادی کی مثال

مثلاً بھوک ہے۔ اس کے تقاضا پر انسان روٹی کھاتا ہے لیکن بھوک پہلے لقمہ سے

نہیں مٹتی بلکہ یکے بعد دیگرے، بہت سے لقمے کھانا پڑتے ہیں۔ آخر میں ایک لقمہ ایسا ہوتا ہے کہ اس کے بعد بھوک نہیں رہتی۔ ظاہر ہے کہ آخری لقمہ ہی بھوک کا مداوا نہیں ہوتا بلکہ پہلے لقمہ سے لے کر آخری لقمہ تک جتنے لقمے بھی پیٹ میں جاتے ہیں ان کی اجتماعی طاقت سے پیٹ بھرتا ہے۔ بعینہٖ یہی مثال آزادی کی ہے کہ یہ عمارت سنگ وخشت کی نہیں ہوتی لیکن سنگ وخشت سے بنی ہوئی عمارتوں ہی کے اصول اس پر عائد ہوتے ہیں۔ بنیادیں کھودنے۔ بنیادیں بھرنے دیواریں اٹھانے، اینٹیں لگانے، گارا بنانے اور رنگ وروغن کرنے کے بیسیوں مرحلے پیش آتے ہیں تب ایک عمارت کھڑی ہوتی ہے۔

شاہ جیؒ بیالیس سال قبل جس ہراول دستے کے ساتھ نکلے تھے وہ لازماً قومی آزادی اور قومی استقلال کی جدوجہد کا مقدمۃ الجیش تھا۔ ان کے سامنے صرف آخری مرحلہ ہی نہ تھا بلکہ وہ ابتدائی مرحلے میں تھے اور اس مرحلے کو پیدا کرنا بھی ان کے ذمہ تھا۔ انہوں نے بنجر زمینوں میں ہل جوتا انہیں ہموار کیا پھر بیج بویا کھیت سینچا۔ موافق موسم کی نگہداشت کی۔ مخالف موسم کے تاؤ سہے۔ آخر فصل پکی اب کیا ضروری تھا کہ بجائی کرنے والے ہی کٹائی کے وقت موجود ہوتے۔ قافلہ چلتا اور بڑھتا رہا۔ حتیٰ کہ منزل سامنے آگئی اور ہم آزاد ہوگئے۔ اب نصف صدی پیچھے مڑ کر دیکھیں تو ان بنجر زمینوں کو سیراب کرنے کی مشکلات کا اندازہ لگانا بھی مشکل ہے۔

ملک کا چپہ چپہ شاہ جیؒ کا شکر گزار

غرض ہندوستان اور پاکستان کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں شاہ جی کی آواز نہ گونجی ہو برصغیر کے ایک راہنما کا قول ہے کہ یہاں کا چپہ چپہ شاہ جیؒ کے جہد آشنا قدموں کا شکر گزار ہے۔

جس کا منطقی نتیجہ ہماری قومی آزادی کا وجود ہے یا جس معنوی طاقت کی اساس پر یہ ساری عمارت قائم ہے۔

حالت یہ تھی کہ آنجہانی ہندوستان میں مرحوم پنجاب ہی ایک ایسا صوبہ تھا۔ جہاں مفادات کی بوقلمونیاں مضبوط بنیادوں پر قائم تھیں اور انگریز کسی حالت میں بھی یہ گوارا نہیں کر سکتا تھا کہ اس صوبے کے لوگوں میں حریت خواہی کا جذبہ پیدا ہو اس مقصد کے لئے اس نے

پنجاب کے تین فرقوں یا قوموں (ہندوؤں، مسلمانوں اور سکھوں) کو مفادات کے خانوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ ہندوستان کا مسئلہ اگر ہندوؤں اور مسلمانوں کا مسئلہ تھا تو پنجاب میں یہ مسئلہ سکھوں کی موجودگی کے باعث سہ رخا تھا اور ان کے معاشی و معاشرتی مفادات کچھ اس طرح بٹ گئے تھے کہ ایک دوسرے کے خلاف صف آراء ہونا ہی ان کا سب سے بڑا کمال تھا پھر چونکہ...... ہندوستان کی حکومت انگریزوں نے مسلمانوں سے چھینی تھی۔ اس لئے ان کا ذہن (1857ء) کی بغاوت کے بعد کے اثرات سے منتقمانہ ہو چکا تھا۔ علماء کے خلاف جنگ امبیلا (1863) کے بعد خان غزنی خاں کی مخبری پر جو پانچ مقدمہ ہائے سازش انبالہ (1864) پٹنہ (1865ء) راج محل (1870) مالوہ (1870) اور پٹنہ (1871) قائم کئے گئے۔ ان کے عمیق مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انگریز نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کے معاملہ میں خوفزدہ ہو چکے تھے بلکہ وہ انہیں مختلف واسطوں سے زیر کرنے کی فکر میں تھے۔

اس ضمن میں تاریخ کا یہ افسوسناک پہلو ہے کہ مرحوم پنجاب نہ صرف ان کا سب سے بڑا معاون ہوگیا بلکہ بہت سے راستے ان کے حق میں ہموار ہوتے چلے گئے۔ خود مسلمانوں کا یہ حال تھا کہ ان کا سواد اعظم ان مٹھی بھر مسلمانوں کے قبضہ قدرت میں تھا۔ جو برطانوی امپریلزم کے شعوری یا غیر شعوری طور پر فرستادہ تھے حتی کہ برطانوی شاطروں نے خود مسلمانوں ہی کے ہاتھوں مذہب کی ان بنیادوں کو اکھڑوانا چاہا اور اس میں بڑی حد تک کامیاب بھی ہوگئے جن بنیادوں پر برطانوی ملوکیت کے خلاف جدوجہد کا قلعہ ایستادہ تھا۔

ایک بڑا ہی دردناک سانحہ ہے کہ علمائے حق کے خلاف یہیں سے فتوے جاری ہوئے۔ جہاد کی تنسیخ کا الہام بھی یہیں تصنیف کیا گیا۔ دنیائے اسلام کے خلاف تعویذوں کا انبار بھی یہیں تیار ہوتا رہا۔ اور خلافت عثمانیہ کی شکست پر اس صوبے ہی کے خانہ زادوں نے چراغاں کیا۔

اب غور کیجئے جو صوبہ برطانوی ملوکیت کے لئے ریڑھ کی ہڈی ہو جہاں کے لوگ تین قومی دائروں میں مختلف و متصادم مفاد رکھتے ہوں اور وہ مفاد ان کے لئے موت و حیات کا مسئلہ ہو حتی کہ قومی بیداری یا ملی استقلال کے راستے میں سب سے بڑی روک خود مسلمانوں

کی معاشی اور دینی گدیوں کا وجود ہو۔ اور پست ہمتی کے پہلو بہ پہلو دینی گمراہیاں ان کے خون میں سرایت کر چکی ہوں۔ اس فضا میں شاہ جی کا نعرۂ جہاد بلاشبہ قدرت کے انعامات میں سے تھا اور ان کا وجود آیات من آیت اللہ۔ اس کی تفصیل بیان کرنے کا یہ محل نہیں لیکن اس تاریک دور میں مولانا ظفر علی خاں کا "زمیندار" "ستارہ صبح" اور دو چار برس کے فاصلے سے سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی خطابت اور ایک خاص موڑ پر ان کے ہمنواؤں کی جماعت ایسی بے مثال طاقت اور گراں بہا سرمایہ ہیں کہ تاریخ ان کا اعتراف کیے بغیر ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتی ہے۔

بیان میں جادو زبان میں سحر

ادھر یہ بات بڑے زور سے کہی گئی ہے کہ شاہ جی اردو کے سب سے بڑے خطیب تھے ان کے بیان میں جادو اور ان کی زبان میں سحر تھا ان کے حرف حرف پر لوگ سر دھنتے اور موتی چنتے تھے ان کے خدا، رسول اور اسلام سے عشق کی حکایتیں بھی زباں زد عام ہیں اور لوگ مزے لے لے کر بیان کرتے ہیں۔

مگر ان کی خطابت نے جن بتوں کو توڑا۔ اور ان کی فراست نے جن فوجوں کو پسپا کیا ان کا ذکر پس منظر میں چلا گیا ہے حالانکہ دوسری اہم چیزیں پس منظر کی تھیں۔ ان کا سب سے بڑا کمال ہی یہ تھا کہ انہوں نے ملک کے جمود کو توڑا۔

قوم میں مردانگی کا جوہر پیدا کیا

اور قوم کی سیاست میں مردانگی کا جوہر پیدا کیا۔ فی الجملہ ان کا وجود انعامات میں سے تھا اس پورے ملک میں وہ اپنی ہمہ گیر خوبیوں کے باعث ایک عہد اور ایک ادارہ تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ وہ قیادت و سیادت اور خطابت و سیاست کی ایک انجمن تھے۔ پاکستان میں شاید ہی کوئی شخص ان خصائص کے اعتبار سے ان کا ہمسر ہو۔ انہوں نے 50 سال کا عرصہ صلہ و اجر کی ہر خفی و جلی خواہش کے بغیر بسر کیا۔ اور یہ شرف صرف انہی کو حاصل رہا کہ:

(1) اس برصغیر میں ان کی آواز کا جادو سحر کرتا رہا اور خلاف سامراج ذہن نے ان کے آتش کدے سے نشوونما کی حرارت پائی۔

(2) مسلمان نوجوان میں برطانوی ملوکیت سے وابستہ رہنے کا جذبہ ایک عرصہ سے راہ پا رہا تھا انہوں نے اس جذبے کو بیخ و بن سے اکھاڑا۔ جن نوجوانوں نے ان کی آواز پر لبیک کہا وہ زیادہ تر درمیانے طبقے کے لوگ تھے جن سے عوامی تحریکوں میں لیڈر شپ پیدا ہوتی ہے۔

(3) غریبوں کی ایک ایسی جماعت تیار کی جو امراء کے استحصالات سے برافروختہ ہو کر نہ صرف طبقاتی شعور کی راہ پر آ گئی بلکہ بازارِ سیاست کے "معرکہ ہائے خرید و فروخت" سے بلند و بالا ہو کر کام کرتی چلی گئی۔

(4) مسلمانوں میں فعال سیاسی کارکنوں کا ایک ایسا گروہ پیدا کیا جس کا عام حالات میں قحط تھا اس کھیپ ہی سے اعلیٰ پایہ کے وہ مقرر پیدا ہوئے جنھوں نے انقلابی ذہن کی نقش آرائی میں قابل قدر حصہ لیا۔

(5) عوام کے دلوں میں سے نہ صرف استحصالی گروہ کے خوف کو دور کیا بلکہ ان کے جوہر خودی کو یہاں تک پروان چڑھایا کہ قربانی و ایثار کا تاریک راستہ روشن ہو گیا۔

(6) مسلمانوں میں جن سیاسی و دینی بدعات کو بالالتزام رائج کیا جا رہا تھا ان کا سانچہ توڑ ڈالا اور بعض معاشرتی خرابیوں کا سدباب کیا۔

(7) خطابت میں نئی نئی راہیں پیدا کیں قیادت کے کاسہ لیس ذہن کو ختم کیا۔ سیاست کو امراء کی جیب کی گھڑی یا ہاتھ کی چھڑی بننے سے روک دیا اور اس کا ایک عوامی مزاج بنا ڈالا۔

اگر تحقیق کی جائے تو یہ بات بھی نکھر کر سامنے آ جائے گی کہ نشوونما کے اعتبار سے اردو کا دامن ان کی خوبیٔ گفتار کا منت پذیر ہے۔ یہ حقائق اتنے واضح ہیں کہ نصف صدی کے سیاسی شب و روز کا وقائع نگار خود شاہ جی کے سوانح و افکار میں سے تاریخ کی بعض گمشدہ کڑیاں تلاش کر سکتا ہے دیکھنا یہ ہے کہ اس فرض سے کون عہدہ برآمد ہوتا ہے۔[1]

---

1. ہفت روزہ چٹان 1962ء ص 69

لباس و خوراک

تمام عمر جھوٹا موٹا پہنا، سادگی کا یہ عالم تھا، کہ آخری دنوں میں تہمند باندھتے تھے فرماتے میاں (حضور ﷺ) بھی یہی باندھا کرتے تھے، کھانے پینے میں کوئی امتیاز نہ تھا، جو ساگ ستو ملا، کھالیا، اس معاملہ میں فقر و درویشی کا مرقع تھے...... دسترخوان پر جو موجود ہوتا، خدا کا نام لے کر بڑے مزے سے کھاتے تھے چائے خود بنا کر پیتے، اور صحیح چائے پیتے تھے، پان بھی خود ہی بناتے...... اور کھاتے تھے...... رہن سہن کا عالم بھی یہی تھا۔ ایک فقیر کی جھونپڑی اور ان کے مکان میں کوئی فرق نہ تھا۔ اس اعتبار سے وہ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کا صحیح نمونہ تھا۔

قرونِ اولیٰ کے صحابہؓ کے خوشہ چین

زندگی میں بہت سے رہنما دیکھے، جو دماغ، نظر طبیعت اور حسن و خوبی کے بے شمار گوشوں میں منفرد تھے، مگر ایک بات شاہ جی کے بارے میں پختہ یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے، کہ وہ قرونِ اولیٰ کے صحابہ ہی کے خوشہ چین تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں ہوتے، تو ابوذر غفاریؓ، خالد بن ولیدؓ اور بلال حبشیؓ کی صف میں شامل ہوتے۔

امیر شریعتؒ کا لقب

شیخ الاسلام مولانا محمد یوسف بنوریؒ ارشاد فرماتے ہیں۔ اپریل یا مئی 1930ء لاہور میں انجمن خدام الدین کا بہت بڑا اجلاس منعقد ہوا میں اس وقت وہاں موجود تھا۔ اس وقت میں فارغ شدہ مولوی تھا۔ داستان یہ ہے۔ کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ تقریر کر رہے تھے۔ اسٹیج پر مولانا مفتی کفایت اللہؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ، مولانا احمد سعید دہلویؒ، اور مولانا ظفر علی خاں موجود تھے۔ مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی بڑی زوردار تقریر ہو رہی تھی۔ درمیان میں مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کھڑے ہو گئے۔ اور لوگوں سے کہا کہ تم آج تقریر سن رہے ہو اور رو رہے ہو۔ تمہارے رونے کا کوئی بھروسہ نہیں ہے۔ آج جو تم کہہ رہے ہو اگر یہ حق اور سچ ہے تو کسی شخص کے ہاتھ پر بیعت کرو اور اس کو اپنا امام بنا دو اور ابھی بنا دو۔ تاکہ سب اس کے پیچھے چلیں اور دین کے لئے کام کریں۔ سب لوگ کھڑے ہو گئے۔ اور ساتھ مولانا حبیب الرحمٰن کھڑے ہو گئے۔ اور مولانا ظفر علی خاں نے تقریر شروع کر دی۔ اور کہا کہ میں اس مقصد کے لئے سب سے پہلے سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں۔ اور خوب زوردار تقریر کی۔ اس پر اس پر مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے کہا کہ میں اس کا اہل نہیں ہوں۔ مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری یہاں تشریف فرما ہیں۔ وہ اس کے اہل ہیں۔ ان کے ہاتھوں پر بیعت کرنا چاہئے۔ اب مولانا انور شاہ بھی کھڑے ہو گئے۔ اب انہوں نے تقریر شروع کر دی۔ اور عجیب منظر تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے تقریر میں فرمایا میں ایک بوڑھا اور ضعیف ہوں۔ اور میں اہل

نہیں ہوں۔ میں اس مقصد کے لئے سید عطاء اللہ شاہ کو امیر بناتا ہوں۔ اور میں خود ان کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں۔ اب مولانا انور شاہ کشمیریؒ نے سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے ہاتھ دے دیئے۔ اس وقت عطاء اللہ شاہ بخاریؒ رو رہے تھے۔ اور کہہ رہے تھے۔ میں اس کا اہل نہیں ہوں۔ خدا کے لئے مجھے معاف کر دو۔ وہ (شاہ بخاریؒ) رو رہے ہیں اور یہ (علامہ کشمیریؒ) ہاتھ پکڑے ہوئے ہیں۔ اسٹیج پر ایک عجیب منظر تھا۔ خیر ہوتے ہوتے حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی توجہات غالب آگئیں۔ اور مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو امیر (امیر شریعتؒ) بنا دیا گیا۔ تو سب سے پہلے بیعت ظفر علی خاں نے کی۔ دوسری بیعت مولانا عبدالعزیز گوجرانوالہ نے کی۔ اور تیسری بیعت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ نے کی۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ امیر شریعت بنا دیئے گئے۔ ان میں اللہ تعالیٰ نے نئی روح پیدا کر دی۔ مولانا انور شاہ کشمیریؒ کی توجہات تھیں۔ آپ نے شاہ جیؒ کو ہدایت فرمائی۔ اس وقت کا سب سے بڑا فتنہ قادیانیت ہے۔ اس کے خلاف کام کرو۔ پھر شاہ جیؒ نے جو کام سرانجام دیا۔ علامہ کشمیریؒ فرمایا کرتے تھے۔ ہم نے بیسیوں کتابیں لکھیں جب کہ عطاء اللہ شاہ بخاریؒ ایک تقریر کرتا ہے۔ اور قادیانیت کو مٹی میں ملا دیتا ہے۔ حضرت کشمیریؒ نہایت خوش ہوتے تھے اور بہت دعائیں دیتے تھے۔ [1]

مولانا عبدالرحیم اشعرؒ سابق نائب امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت فرماتے تھے۔ کہ شاہ جیؒ نے مجھے خود بتلایا کہ جب شاہ کشمیریؒ میرے ہاتھوں میں ہاتھ دیتے تو میرا پورا وجود تھر تھر کانپ رہا تھا۔ اور میں نے کہا کہ آپ نے مجھے اپنی بیعت میں لے لیا ہے۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے بانی ممبر مولانا غلام محمد علی پوری بتلاتے ہیں۔ کہ جب حضرت علامہ کشمیریؒ میری طرف ہاتھ بڑھاتے تو میں نے فوراً شاہ کشمیریؒ کے ہاتھوں میں ہاتھ دے دیئے اور عرض کیا کہ میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں اور لوگ میرے ہاتھ پر۔

1 خطبات ختم نبوت جلد اول پہلا ایڈیشن ص 279 تا ص 281

تحفظ ختم نبوت کانفرنس قادیان

1934ء میں اکتوبر کے مہینہ میں قادیان میں تین روزہ تبلیغ تحفظ ختم نبوت کانفرنس منعقد ہوئی جس میں متحدہ ہندوستان سے تمام مکاتب فکر کے علماء کرام نے شرکت کی اس عظیم کانفرنس میں شاہ جیؒ کا تاریخ ساز خطاب ہوا کانفرنس کی رپورٹ پیش کرتے ہوئے ملک کے نامور صحافی اور صاحب قلم ادیب جناب عبداللہ ملک لکھتے ہیں۔

ایسے ہی موسم میں جب شاموں کا حسن نکھر آیا تھا اور راتیں خنک ہونی شروع ہوئی تھیں تو قادیان میں مجلس احرار نے کانفرنس کے انعقاد کا اعلان کیا تھا۔ صرف انعقاد کا اعلان اور وہ بھی مجلس احرار کی طرف سے ایک زبردست ہنگامے کو دعوت تھی۔

لیکن اس کے باوجود خطابت کی تاریخ اور شعلہ نوائیوں کی داستان میں اس کانفرنس کے انعقاد کا اعلان ہوا۔ اس وقت پنجاب میں مجلس احرار کا طوطی بول رہا تھا۔ اس شعلہ بیان خطیبوں کی جماعت نے مسلمانان پنجاب کو بہت حد تک متاثر کر لیا تھا۔ یہ کشمیر چلو تحریک کا معرکہ سر کر چکے تھے۔ سر فضل حسین کی پوری کامیابیوں اور کامرانیوں کے باوجود مسلمانوں کے درمیانی طبقے میں مجلس احرار کو ان کی ساکھ پر ایک گہری چوٹ لگا چکی تھی۔ غرضیکہ چاروں طرف شہر اور قریہ میں ان شعلہ نواؤں کے چرچے تھے۔ میں بھی ان چرچوں سے متاثر تھا۔ نویں جماعت کا طالب علم مولانا داؤد غزنوی کے خطبوں سے شدید طور پر متاثر، احرار کے جلسوں کا رسیا اب یہ موقع کیسے کھو سکتا تھا چنانچہ کچھ بزرگ دوستوں کے ساتھ قادیاں روانہ ہو گیا۔

تمام راستے اور سواریاں قادیان کی طرف

امیر شریعتؒ کے الفاظ آج بھی کانوں میں گونج رہے ہیں، کہ قادیان میں ایک ہجوم تھا جس کو یہ قریہ جس نے ''نبوت'' کو تو سنبھال لیا لیکن وہ امیر شریعتؒ...... کے چاہنے والوں کو سمیٹنے سے قاصر تھا، کوئی گاڑی، کوئی بس، کوئی بیل گاڑی، کوئی ٹم ٹم، کوئی تانگہ، کوئی سائیکل ایسی نہ تھی...... جو قادیان کی طرف نہ آرہی ہو، اور رضا کار دنوں پہلے پیدل چل دیئے تھے...... جیسے جیسے یہ مختلف دیہات میں گزرتے دیہات والے بھی ان کے ساتھ ہو جاتے اور قادیان پہنچتے پہنچتے یہ خود ایک جلسہ بھی ہوتے اور ایک جلوس بھی۔ یہ پہلی تحریک تھی جس نے یہاں کے مسلمانوں کے دونوں جذبوں کو بیک وقت متاثر کیا، ان کے نعرے ان کے جذبۂ عشق رسول کو بھی متاثر کرتے تھے اور ان کی انگریز دشمنی اور حب الوطنی کے جذبے کی بھی ان نعروں سے تشفی ہوتی تھی۔ اس کانفرنس کا انعقاد اکتوبر 1934ء کے تیسرے ہفتے میں ہوا اور اس کانفرنس کے لئے 21، 22 اور 23 اکتوبر کی تاریخوں کا اعلان کیا گیا تھا، اس کانفرنس کے لئے ایک سکھ زمیندار کی اراضی حاصل کی گئی تھی اس زمیندار کا نام ایشر سنگھ تھا، اس اراضی پر پنڈال بھی تیار ہونا شروع ہو گیا تھا لیکن مرزائیوں نے اس اراضی پر قبضہ کر لیا۔ اب احراریوں کے لئے اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ یا تو وہ اس اراضی کے لئے لڑتے یا پھر شہر سے دور کانفرنس منعقد کرتے۔ احرار نے جھگڑا کرنے سے گریز کیا؟ کیونکہ اس وقت مرزائیوں کی مسلسل کوشش یہی تھی کہ فساد کروا دیا جائے اور اس بنیاد پر کانفرنس کو امن عامہ کے خلاف ثابت کر کے بند کروا دیا جائے مجلس احرار مرزائیوں کے ان ارادوں کو بھانپتی تھی چنانچہ اس اشتعال کے باوجود مجلس احرار نے ایشر سنگھ کی اراضی پر کانفرنس منعقد نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا اور اس کے بعد قادیان سے ایک میل کے فاصلے پر ڈی۔ اے ڈی سکول کے پہلو میں پنڈال تیار کیا گیا۔

سول اینڈ ملٹری گزٹ کی رپورٹ

کانفرنس کے دو دن پہلے ''سول اینڈ ملٹری گزٹ'' کے نامہ نگار نے قادیان سے یہ

خبر بھیجی جس میں اس کانفرنس کے خدوخال اور اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے:۔

"مجلس احرار اکیس، بائیس اور تیئس اکتوبر کو ایک تبلیغی کانفرنس قادیان میں منعقد کر رہی ہے۔ اس کانفرنس کے لئے بڑے وسیع پیمانے پر تیاریاں ہو رہی ہیں۔ مرزائیوں کی طرف سے مسلسل یہ مہم چلائی جا رہی ہے کہ اس کانفرنس سے ان کا جان و مال خطرہ میں پڑ گیا ہے۔ چنانچہ مرزائیوں نے اپنی حفاظت کے لئے لاتعداد دیہاتیوں کو اور اپنے مریدوں کو قادیان میں جمع کرنا شروع کر دیا ہے ادھر احرار کی اس کانفرنس میں بیس سے لے کر پچاس ہزار کا ہجوم پہنچا ہے مزید براں کانفرنس کے منتظمین کا مطالبہ ہے کہ ان کو کانفرنس کے صدر کا جلوس نکالنے کی اجازت ہونی چاہئے اور یہ جلوس قادیان شہر میں سے گزرے۔

اس کانفرنس کے پیش نظر آج صبح پنجاب کے انسپکٹر جنرل پولیس خود بہ نفس نفیس قادیان آئے۔ ان کے ہمراہ پولیس کی ایک بھاری جمعیت بھی تھی۔ چنانچہ انسپکٹر جنرل پولیس نے کانفرنس کا موقعہ دیکھا اور احکام جاری کر دیئے گئے ہیں کہ اگر اس کانفرنس کے دوران میں قادیانیوں نے کوئی اجتماع منعقد کرنے کی کوشش کی تو یہ اجتماع خلاف قانون تصور ہوگا۔ انسپکٹر جنرل نے احراریوں اور ان کی کانفرنس میں شرکت کرنے والوں کو بھی متنبہ کر دیا ہے کہ وہ کانفرنس میں کسی قسم کے ہتھیار کے ساتھ شرکت نہیں کر سکتے۔ حتیٰ کہ لاٹھیوں کو ساتھ لانے کی بھی ممانعت کر دی گئی ہے۔ مزید براں کانفرنس میں شرکت کے لئے آنے والے لوگوں کے لئے ایک خاص راستہ متعین کر دیا گیا ہے۔ نیز اگر کسی قسم کا جلوس نکالا جائے تو اسے شہر میں ٹھہرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔

یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ آج شام تک قادیان میں امن و امان بحال رکھنے کے لئے چار سو پولیس کے سپاہی پہنچ جائیں گے لیکن میرا اندازہ یہی ہے کہ یہ تمام پیش بندیاں بالکل غیر ضروری ہیں کیونکہ احراری ہر حالت میں کسی قسم کے جھگڑے سے اجتناب کرنا چاہتے ہیں۔

ان کی کانفرنس کا پنڈال ڈی۔ اے، ڈی سکول میں بننا شروع ہو گیا ہے۔ اور اردگرد کے تمام علاقے میں 144 نافذ کر دی گئی ہے۔ مزید لاٹھیاں نہ لانے کی بھی منادی کرا دی گئی ہے۔"

شاہ جیؒ کا خطاب لاجواب

اس اقتباس سے اندازہ ہو سکتا ہے پورے پنجاب میں اس کانفرنس کے کس قدر چرچے تھے اور کتنے گوشوں سے اس کانفرنس کی کامیابی اور ناکامی کی خبروں کا انتظار کیا جا رہا تھا۔ اس فضا میں یہ کانفرنس ہوئی۔ اس کانفرنس کے صدر امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ تھے۔ چنانچہ رات جب اپنا پورا سایہ ڈال چکی، لوگ عشاء کی نماز پڑھ کر فارغ ہو چکے تو اس کانفرنس کے صدر سید عطاء اللہ شاہ بخاری تشریف لائے، ہزار ہا انسانوں کا ہجوم اور امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی پنڈال میں آمد اور کون سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ ملتان کی سرزمین میں دفن ہونے والا سید عطاء اللہ شاہ بخاری نہیں، وہ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نہیں جس کی زبان پر لکنت آ گئی تھی، جس کے چہرے کا جھریوں نے احاطہ کر لیا تھا جس کے بالوں میں بڑھاپے کی سفیدی آ گئی تھی، یہ وہ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ تھا جن کا شباب اور شعلہ بیانی دونوں اپنے عروج پر تھے، جو لاؤڈ سپیکر کے بغیر لاکھوں کے ہجوم کو مسخر کر سکتا تھا، جس کا حسن اور بیان دونوں الگ الگ جادو جگاتے تھے۔ پچاس ہزار کا مجمع، رات کی خاموشی، قمقموں کی روشنی اور اتنے میں حسن و نور کے پیکر، شعلہ بیان خطیب اور شریعت کے امیر کی آمد ع

تم آ گئے تو از سرِ نو زندگی ہوئی

بس پھر کیا تھا مجمع میں کہاں ایک خاموشی اور ہو کا عالم تھا کہ اب وارفتگی اور دیدار یار کی بے تابی نے سب کو آن گھیرا ہے اور اس بے تابی و وارفتگی کا اظہار نعروں کی گونج میں ہوتا ہے، شاہ صاحب ہیں کہ مسکراتے ہوئے مجمع کو چیرتے ہوئے اسٹیج کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ اسٹیج پر پہنچے چاروں طرف نگاہ سے انداز میں دیکھا بس پھر کیا تھا نعروں کا ایک اور سیل ٹوٹ پڑا...... اور امیر شریعتؒ فاتحانہ انداز میں مسکرا رہے ہیں، مجمع خاموش ہوا۔ تلاوت ہوئی، نظم ہوئی۔ اب سے پچیس برس پہلے کی تفصیلوں کو دہرایئے اور انہی تفصیلوں کو جن پر شاہ صاحب نے یہی کوئی نو ساڑھے نو بجے تقریر شروع کی ہوگی اور رات تھی کہ وہ بھی دم بخود گزرے جا رہی تھی۔ لیکن شاہ صاحبؒ کی شعلہ بیانی بڑھتی جا رہی تھی، اس شعلہ بیانی اور آتش نوائی کو قدم قدم پر

نعروں، قہقہوں اور آنسوؤں کے ذریعے خراج عقیدت پیش ہو رہا تھا۔ یہی وہ تقریر تھی جس میں شاہ صاحبؒ نے اپنا مشہور جملہ کہا تھا:۔

''تم اپنے بابا کی ''نبوت'' لے کر آؤ اور میں اپنے نانا کی نبوت لے کر آتا ہوں، تم حریر و دیباج زیب تن کر کے آؤ اور میں اپنے نانا کی سنت کے مطابق کھدر پہن کر آؤں، تم یاقوتی اور پلومر کی شراب کے خم لنڈھا کر آؤ اور میں روکھی سوکھی روٹی کھا کر آؤں اور پھر زمانہ فیصلہ کرے کہ کون سچے نبی کی اولاد ہے۔'' یہ تقریر جو رات کی خاموشی میں شروع ہوئی تھی۔ جو عشاء کی نماز کے بعد جب ابھی رات کا آغاز تھا لوگوں نے سننی شروع کی تھی یہ تقریر پوری رات ہوتی رہی اور مجمع بیٹھا رہا۔ ایک بھی ذی نفس ایسا نہیں تھا جس نے تھکن کا اظہار کیا ہو جس کے چہرے سے اکتاہٹ کی غمازی ہوتی ہو۔ اتنے میں صبح کا نور پھیلنا شروع ہو گیا ہے۔ اور موذن نے اذان دے دی۔ تقریر تھی کہ اس وقت بھی اپنے عروج پر تھی لیکن موذن نے اس سیل رواں کو روک دیا اور خطابت کے دریاؤں کو بند مار دیا۔ ہندوستان اور پاکستان کی تاریخ میں بہت کم خطیب اور مقرر ایسے گزرے ہیں جنہوں نے رات رات بھر تقریر کی ہو جنہوں نے لوگوں کو اس قدر مسحور کیا ہو جیسا کہ امیر شریعت نے کہا ہے۔

کوئی آیا، نہ آئے گا، لیکن
کیا کریں گر نہ انتظار کریں

اور غالباً اسی موضوع کو حسرت موہانی نے کہا تھا

بلا کشانِ غم انتظار میں ہم بھی ہیں
ضرابِ گردشِ لیل و نہار ہم بھی ہیں

آج ربع صدی گزرنے کے بعد جب ہم اس عظیم ہستی کی یادیں سمیٹ رہے ہیں تو کچھ حلقوں میں یہ سوال اٹھایا جا رہا ہے کہ آخر یہ ہستی اتنی اہم کہاں تھی کہ اس کی یاد میں آنسو بہائے جائیں، صفحات سیاہ کئے جائیں اخبارات اور رسالوں کے نمبر نکالے جائیں۔

آخر احرار یا بخاریؒ نے کون سے کارہائے نمایاں کئے ہیں۔......کو ان کے کارناموں کی فہرست افتراق اور انتشار تحریکوں سے بھری پڑی ہے اس لئے ان کو دوبارہ ہوا دینی کہاں کی خدمت اور کہاں کی نیکی ہے۔ یہ سب سوالات آج کل بہت سے حلقوں میں اٹھائے جا رہے ہیں۔ آج ضروری ہے کہ ان سوالات کے جواب دیئے جائیں تا کہ تاریخ کی گرہیں کھل سکیں۔ اور جن تحریکوں کو افتراق وانتشار کا مظہر بتایا جاتا رہا ہے یا آج بنایا جا رہا ہے اس کے متعلق مورخ کو مواد مل سکے۔ مجھے اس صحبت میں صرف ایک مختصر سے سوال کا جواب دینا ہے۔ یہ سوال پچھلے کئی برس سے اٹھایا جا رہا ہے کہ قادیانیوں یا احمدیوں کے خلاف تحریک مسلمانوں میں افتراق پھیلانے کے مترادف نہیں ہے؟ ایک اور طبقے کی طرف سے بھی یہ سوال اٹھایا جاتا تھا۔ کہ مسلمانوں کی سیاست کو مذہب کا تابع بنایا جا رہا ہے اور اس طرح غلط اقدار اور رجعت پسند نظریات کو شہ دی جا رہی ہے؟ ان سوالوں کا جواب تفصیل چاہتا ہے اور ان کا جواب پچھلے پچاس برس کی تحریکوں میں پھیلا ہوا ہے لیکن اس کے باوجود ایک بات واضح ہے کہ قادیان مرزا قادیانی کی جنم بھومی ہے۔ جہاں چڑیا کو پر مارنے کی اجازت نہ تھی آل انڈیا مجلس احرار اسلام کے شاہ جیؒ کی قیادت میں تحفظ ختم نبوت کا کام شروع کیا۔

چنانچہ شاہین ختم نبوت مولانا اللہ وسایا صاحب لکھتے ہیں۔

شعبہ تحفظ ختم نبوت قادیان

قادیان ضلع گورداسپور (مشرقی پنجاب) میں ایک معمولی سا قصبہ ہے! اس قصبہ میں غلام مرتضی نامی ایک شخص کے لڑکے مرزا غلام احمد نے اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کیا اور اس دعویٰ کے لئے اس نے مختلف مدارج طے کئے۔ مرزا غلام احمد محدث، ملہم و مجدد کے مدارج سے گزر کر نبی اور رسول کے درجہ تک پہنچنے کا دعویدار ہوا۔ اس وقت ہندوستان پر انگریز حکمران تھا۔ اس کے دور اقتدار میں ملک کی فضا اس دعوے کے لئے بڑی سازگار پائی اور حکومت کے سہارے بڑھنا شروع کیا۔ دعوے نبوت کے ساتھ ساتھ حرمت جہاد اور انگریز کی اطاعت کی فرضیت کو اپنے عزائم کی تکمیل کا ذریعہ بنایا۔ رفتہ رفتہ جب مرزا غلام احمد نے انگریز کے بل

ہوتے پر چند آدمیوں کو اپنے ساتھ ملا کر ایک جماعت کی بنیاد ڈال دی۔ تو انہوں نے قوت کے ساتھ ہر مخالف طاقت کو دبانا شروع کر دیا اور من مانی کاروائیاں ہونے لگیں۔ اور سب سے زیادہ ہدف مظالم قادیان کے مسلمان بنائے گئے۔ کسی مسلمان کا قادیان میں سکونت اختیار کرنا بڑی دشوار بات تھی۔ مسلمان قادیان میں مرزائیوں کی رعایا بن کر رہ سکتا تھا۔ قادیان میں عرصہ تک کسی مسلمان عالم دین کا وعظ کرانا یا مسلمان کا کوئی اسلامی تہوار منانا مشکل ہو گیا تھا۔ حتیٰ کہ وہاں کے قتل کی شہادت مہیا کرنے میں اس وقت کی حکومت بے بس ہو گئی تھی۔ الغرض قادیان میں رہنے والے مسلمانوں کی داستان انتہائی المناک ہے۔

ان حالات میں وہاں کے مسلمانوں نے حضرت امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو اس افسوسناک صورت حال سے مطلع کیا اور اس طرف آپ کی خصوصی توجہ مبذول کرائی گئی آپ نے اپنے چند ساتھیوں کو قادیان میں جا کر کام کرنے کی تلقین فرمائی۔ چنانچہ وہاں۔ شعبہ تبلیغ کے نام سے ایک ایسے ادارے کی بنیاد ڈالی گئی۔ جو اپنا دائرہ عمل صرف تبلیغ دین تک محدود رکھے۔ اس کام کے لئے مشہور علماء کرام اور مبلغین کی خدمات حاصل کی گئیں۔ اور وہ قادیان میں عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لئے تبلیغی خدمات انجام دیتے رہے۔ ان میں ماسٹر تاج الدین انصاریؒ، مولانا عنایت اللہ چشتیؒ، مولانا محمد حسینؒ، مولانا شیخ احمد، مولانا علاؤ الدین حیدر، مولانا خلیل الرحمٰن، سید محمد غریب شاہ، حافظ محمد، فاتح قادیان مولانا محمد حیاتؒ اور مولانا محمد یعقوب وغیرہم حضرات کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔

ختم نبوت ٹرسٹ

قادیان میں رہنے والے مسلمانوں کے لئے سب سے زیادہ تکلیف دہ بات یہ تھی کہ وہاں کے مغل خاندان (مرزائیوں) نے اہل اسلام کا سوشل بائیکاٹ کر رکھا تھا۔ اور بائیکاٹ کا یہ سلسلہ اس حد تک بڑھ گیا تھا کہ ایک دفعہ انہوں نے مسلمانوں کو اپنے قبرستان میں میت کو دفنانے سے روک دیا اور مسلمانوں سے کہا کہ تم چونکہ ایک نبی کو نہ ماننے کی وجہ سے مسلمان نہیں ہو لہٰذا تم ہمارے قبرستان میں اپنی میت کو دفن نہیں کر سکتے۔ چنانچہ مسلمانوں

نے مجبوراً وہ میت بٹالہ کے قبرستان میں جا کر دفن کی۔ اس بائیکاٹ میں عام دوکانداروں سے سودا خریدنا اس وقت تک ترک کر دیا گیا جب تک وہ معاہدہ (ذمی بننا) قبول نہ کریں۔ بائیکاٹ نے اہل اسلام کو مجبور کر دیا کہ وہ اسلام سے منحرف ہو جائیں اور یا اپنی آزادی قربان کر دیں۔ اس طرح جو شخص ان کا معاہد ہو جاتا اس کی دوکان پر معاہد (ذمی) کا بورڈ لگ جاتا معاہدہ کا نام "معاہدہ تجارت" رکھا گیا تھا۔ قادیان میں عام مسلمانوں کا نہ تو کوئی سکول ایسا تھا۔ جس میں وہ اپنے بال بچوں کو تعلیم دلا سکیں۔ اور نہ ہی کوئی عبادت گاہ ایسی تھی جو اس مغل خاندان کے اثر سے محفوظ ہو۔ مسلمانوں کی اکثریت نے اگرچہ "نئی نبوت" کو قبول نہیں کیا تھا مگر قادیان میں رہتے ہوئے اس خاندان سے اس قدر مرعوب تھے کہ ان کی آزادی ضمیر ختم ہو چکی تھی۔ قادیان کے مسلمانوں کی مذہبی تعلیم کے انتظام اور دوسری دینی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے شعبہ تبلیغ نے ختم نبوت کے نام پر ایک ٹرسٹ قائم کیا۔ جس کے زیر اہتمام ایک سکول اور تین مسجدیں تعمیر کی گئیں اور کچھ مکانات خرید کر وقف کر دیئے۔ اور 32 بیگھ زمین خرید کر قادیان میں ایک عالی شان جامع مسجد کی بنیاد قائم کر دی گئی اور اس کے ساتھ خالص مسلم آبادی کے لئے علیحدہ بستی کی صورت میں مکانات کی تعمیر کا سلسلہ شروع کر دیا۔[1]

شعبہ تبلیغ

ہمارے ملک کے جن علماء کرام نے باطل فرقوں کے مقابلہ میں اپنی زندگیاں وقف کر رکھی تھیں ان کی خدمات اگرچہ قابل تشکر و امتنان ہیں لیکن باطل کی مضبوط تنظیم کے مقابلہ میں اسلامی نظام تبلیغ بڑی اعلیٰ تنظیمی صلاحیتوں کا طالب تھا۔ چنانچہ برسوں کی شبانہ روز کوششوں کے بعد تحفظ ختم نبوت کے اراکین نے ان ہی بنیادوں پر یہ نظام قائم کیا۔ اس نظام تبلیغ کا پورے ملک میں خیر مقدم کیا گیا۔ اور قادیان میں منعقدہ ایک عظیم الشان کانفرنس کے موقع پر ہندوستان کے شہرہ آفاق علماء نے اس نظام میں شرکت کر کے اپنی خدمات تحفظ ختم نبوت اور اشاعت اسلام کے لئے وقف کر دیں۔ حتیٰ کہ حکیم الامت قدوۃ السالکین حضرت مولانا

1. تحریک ختم نبوت 1974 جلد اول ص 30،33

اشرف علی تھانویؒ قدس سرہٗ العزیز نے اس مقدس مشن میں شرکت فرماتے ہوئے جماعت کی باقاعدہ رکنیت قبول کی اور ایک روپیہ سالانہ رکنیت کے حساب سے آپ نے مبلغ بیس روپے ادا کر کے بیک وقت بیس سال کا چندہ رکنیت عطا فرمایا۔

اسلامیان ہند کی فراخ دلی

قادیان ایک معمولی قصبہ تھا۔ اور وہاں کے مسلمان نہ صرف یہ کہ انتہائی مظلومیت کی زندگی گزار رہے تھے بلکہ وہ معاشی طور پر بڑے تنگ اور نان جویں کے محتاج تھے۔ ظاہر ہے کہ وہ ختم نبوت ٹرسٹ جیسے ادارے کے اخراجات برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ خدا بھلا کرے ان لوگوں کا جنہوں نے قادیان کے مسلمانوں اور ختم نبوت ٹرسٹ کی ہر ممکن امداد فرمائی اور عاشقان ختم نبوت نے اس ادارے کو پوری شان کے ساتھ قائم رکھا۔

قادیان کے سکول

1 یہ بات بڑے تعجب کے ساتھ پڑھی جائے گی کہ قادیانیوں کے سکولوں میں تعلیم حاصل کرنے والے بچوں سے ہر امتحان میں مسئلہ اجراء نبوت (یعنی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد نبی آنے کا جواز)

2 مسئلہ وفات عیسیٰ علیہ السلام

3 سیرۃ مرزا غلام احمد وغیرہ موضوعات پر مشتمل ایسے سوالات کیے جاتے کہ ان سکولوں میں تعلیم پانے والے مسلمان بچے بھی قادیانیوں کے عقائد کے مطابق ہی ان سوالات کا جواب لکھتے۔ گویا ذہنی طور پر مسلمانوں کے بچے قادیانیت قبول کرنے پر مجبور تھے۔ ان حالات میں یہ ضرورت بڑی شدت سے محسوس کی گئی کہ مسلمان بچوں کی ذہنی نشوو ارتقاء انہیں اسلامیات سے روشناس کرانے کے لئے ایک مدرسے (School) کا قیام کیا جائے۔ تاکہ مسلمان بچے قادیانیوں کی گمراہ کن تعلیم سے محفوظ رہ سکیں اور وہ قادیان کے سکولوں کے محتاج نہ رہیں۔ چنانچہ ختم

نبوت ٹرسٹ نے ایک پرائمری سکول قائم کر کے اسلامی تعلیم کا انتظام کر دیا اور چند برس میں یہ مڈل کی حیثیت اختیار کر گیا۔

رکاوٹوں کا ازالہ

قادیان میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو مرزائیت قبول کرنے کے بعد یہاں آ کر آباد ہو گئے تھے۔ ان لوگوں کو مکانات بنانے کے لئے زمین کے ایسے قطعات دیئے جاتے جو قادیانی خلیفہ یا اس کے مقرر کردہ شخص کے نام کے ہوتے۔ اگر کوئی مرزائی اپنے عقیدہ سے تائب ہو کر اسلام قبول کر لیتا تو نہ صرف یہ کہ دوسرے قادیانی اسے طرح طرح کی ایذا پہنچاتے بلکہ اسے اپنے مکان سے بھی ہاتھ دھونا پڑتے۔ اس طرح ہر قادیانی اپنے اپنے مقام پر مرزائیت سے متنفر ہونے کے باوجود اس خوفناک انجام سے سہمے ہوئے تھا۔ اور یہ بات ترک مرزائیت میں بڑی رکاوٹ بن رہی تھی۔

چنانچہ ختم نبوت ٹرسٹ نے ترک مرزائیت کر کے اسلام قبول کرنے والوں کے لئے رہائشی مکانات بنانے اور ان کے لئے روزگار مہیا کرنے کے لئے کھڈیوں کی فیکٹری قائم کرنے کا انتظام کیا۔ یہ کام بڑے وسیع پیمانہ پر جاری تھا کہ ملک تقسیم ہو گیا۔ اور پاکستان کا قیام عمل میں آ گیا۔ شعبہ تبلیغ حضرت امیر شریعتؒ کی سرپرستی اور آل انڈیا مجلس احرار اسلام کے زیر اہتمام کام کر رہا تھا۔ تقسیم ملک کے بعد قادیانی جماعت کا لاٹ پادری مرزا بشیر الدین محمود برقعہ اوڑھ کر قادیان سے فرار ہوا تو فاتح قادیان مولانا محمد حیاتؒ نے ٹیلی گرام کے ذریعہ صورت احوال سے مطلع فرما کر اجازت چاہی تو شاہ جیؒ نے حکم فرمایا کہ آپ پاکستان تشریف لے آئیں۔ اس طرح مرزائی جماعت کا چیف گرو پہلے آیا۔ اور فاتح قادیان مولانا محمد حیاتؒ بعد میں تشریف لے آئے۔ 1



1 تحریک ختم نبوت جلد اول ص 34،35

بے باکی اور جہد مسلسل

"آپ کی زندگی جرأت و بے باکی اور جہد مسلسل سے عبادت تھی ساری زندگی وقت کے فرعونوں اور نمرودوں سے ٹکراتے رہے نہ کسی کے آگے جھکے اور بکنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ چنانچہ یہ عجیب و غریب داستان عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے اپنے زمانے میں روح رواں رہے۔"

مولانا تاج محمودؒ لکھتے ہیں۔

شاہ جیؒ انسانوں کے اس عظیم گروہ سے تعلق رکھتے تھے جنہیں مشیت الٰہی اہم مقاصد کی تکمیل کے لئے پیدا کرتی رہی ہے۔ وہ حسب و نسب، وضع قطع، چہرے و مہرے نشست و برخاست کردار و گفتار غرض ہر اعتبار سے انہیں لوگوں سے ملتے جلتے تھے۔ جنہوں نے نوع بشر کی فلاح و بہبود کے لئے بے پناہ قربانیاں دیں بے مثال کام کئے اور دنیا میں اپنے پیچھے غیر فانی نقش اور انمٹ یاد چھوڑ گئے۔

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبت است برجریدۂ عالم دوام ما

تاریخ شاہد ہے کہ ایسے لوگ جب دنیا میں آئے تو کسی سازگار ماحول اور دنیاوی جاہ وحشمت نے ان کا خیر مقدم نہیں کیا۔ بلکہ مصائب و آلام ہی نے ان کا استقبال کیا۔ وقت کے

فراعنہ اور نمارده نے ان کے لئے دار و رسن کی آزمائشوں کے سامان مہیا کئے اور زندگی کی تمام آسائشوں کو ان پر ممنوع قرار دیئے رکھا۔ لیکن وہ راست باز اور جیالے انسان گرد و پیش سے بے نیاز اور نتائج سے بے خوف ہو کر اپنا کام کرتے چلے گئے۔

شاہ جیؒ کی پوری زندگی بے باکی اور جدو جہد کی زندگی تھی۔ انہیں زندگی کے جس مرحلے میں دیکھا یہی محسوس ہوا کہ

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مرد درویش حق نے جس کو دیئے انداز خسروانہ

ایسے لوگوں کے متعلق عام طور پر سنت اللہ یہی رہی ہے کہ جب تک وہ بندِ غم یعنی قید حیات میں رہے۔ ان کی ناقدری کی گئی۔ بھانت بھانت کی بولیاں بولی گئیں۔ لیکن جب وہ رحمت الٰہی سے جا ملے تو ان کے بعد لوگوں نے آنسو بہاتے ہوئے شہادت دی۔

قُلْنَ حَاشَ لِلّٰہِ مَا ھٰذَا بَشَرًا ان ھذا الا مَلَکٌ کریم o

اسے ناقدریٔ عالم کا صلہ کہتے ہیں
مر گئے ہم تو زمانے نے بہت یاد کیا

شاہ جیؒ کو اپنی زندگی میں جس جابر اور قاہر قوت سے پالا پڑا ہے وہ برطانوی شہنشاہیت تھی۔ جس کے حدود و اقتدار میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا جو سونے چاندی کے خزانوں کا مالک تھا۔ اس کے قشون قاہرہ میں صرف پنجاب کے ٹوڈی جوان ہی نہ تھے۔ اور محض توپیں اور سنگینیں ہی نہ تھیں بلکہ نونوں اور ٹوانوں کے طریقے فقیہان شہر کے فتوے۔ برطانوی مصلحت کے مطابق قرآن کی تفسیر کرنے والے " سرکاری ولی اور خود کاشتہ قسم کے نبی بھی شامل تھے۔[1]

رہائی کے بعد شاہ جی اپنی بے نوائی اور بے بسی کا انگریز کی ملاقات اور قاہری سے موازنہ کرتے ہوئے۔ پرسوز آواز میں سے رباعی پڑھا کرتے تھے۔

1 لولاک 21 اگست 1964ء ص 7

عظیم شخصیت

متحدہ ہندوستان میں برطانوی حکومت کا دور مسلمانوں کے سیاسی، اقتصادی اور اخلاقی زوال کے عروج کا زمانہ تھا۔ جس کی تفصیلات کے لئے علیحدہ فرصت کی ضرورت ہے۔

لیکن یہ عجیب ترین کرشمۂ قدرت تھا۔ کہ اس غلامی اور ذلت کے دور میں اس سرزمین پر ایسے ایسے جلیل القدر لوگ پیدا ہوئے ہیں۔ جن کی مثال قرونِ اولیٰ کو چھوڑ کر پورے عالم اسلام میں نہیں ملتی۔ غیرت ہند سراج الدولہؒ۔ شمشیر اسلام سلطان ٹیپوؒ۔ مولانا سید احمد بریلویؒ۔ مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید دہلویؒ۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ۔ مولانا محمد علی جوہرؒ۔ علامہ محمد اقبالؒ۔ مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔ سید انور شاہ کشمیریؒ۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ۔ مولانا حسین احمد مدنیؒ۔ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ۔ مولانا ظفر علی خانؒ۔ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

آئے عشاق گئے وعدۂ فردا لے کر
اب انہیں ڈھونڈو چراغِ رُخِ زیبا لے کر

شاہ جیؒ کا امتیاز

ان اکابرین ملت میں سے ہر ایک نظر بظاہر فرد تھا۔ لیکن حقیقت میں فرد نہیں بلکہ ایک ادارہ۔ ایک لائبریری اور ایک انجمن تھا۔ ان تمام بزرگوں سے شاہ جیؒ کی شخصیت کا موازنہ یا مقابلہ کرنا یا کسی جزوی یا کلی فضیلت کا ثابت کرنا مقصود نہیں۔ اور نہ ہی ایسی جسارت میرے لئے مناسب امر ہے لیکن یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ ان اکابرین کے حالات و سوانح پر اگر غور کیا جائے۔ تو ان میں سے ہر ایک تحریر و تقریر۔ شعر و ادب درس و تدریس۔ زہد و تقویٰ۔ علم و فضل۔ جرأت و بسالت۔ جلال و جمال اور سیاست و مذہب جیسے صفات میں سے کسی خاص صف سے مخصوص تھا۔ لیکن شاہ جی اس بات میں امتیازی حیثیت سے متصف تھے۔ اللہ نے ان کو تمام کمالات کا مجموعہ بنایا تھا۔ یہ سارے بزرگ اپنے اپنے مقام پر بے مثال تھے۔

لیکن شاہ جیؒ میری نگاہ میں

ہمہ شہر پُر ز خوباں منم و خیال ما ہے
چہ کنم بچشم پر نہ کند بکس نگا ہے

شاہ جیؒ کوئی صاحب ایجاد و سائنسدان نہ تھے۔ وہ سحر طراز شاعر نہ تھے وہ کوئی صاحب سلطنت فاتح نہ تھے۔ وہ کوئی جاگیردار اور سرمایہ دار نہ تھے۔ کہ ان تمام اوصاف کے برعکس وہ ایک بے سروسامان مرد فقیر تھے۔ پوری زندگی مصائب و ابتلاء میں انہیں کے بقول جیلوں اور ریلوں میں کٹ گئی۔ فقر و فاقہ میں وصال ہوا۔ لیکن جب اس مرد درویش کا جنازہ اٹھا تو زمین و آسمان آنسو بہا رہے تھے۔ دو لاکھ انسانوں کا سمندر سرزمین ملتان میں موجزن تھا۔ اور شاہ جیؒ کا جنازہ اسی سمندر میں کشتی کی طرح تیرتا ہوا گھر سے آغوش لحد تک پہنچ گیا۔

اس الوداع کے غم میں جب آہ و بکا کی آوازیں بلند ہوئیں تو یقین آیا کہ شاہ جی کی درویشی اور فقیری کا منصب اُن تمام مناصب سے بلند تھا

نہ تاج و تخت میں نے لشکر و سپاہ میں ہے
جو بات مرد قلندر کی بارگاہ میں ہے [1]

بے نیازی اور استغنا کی سلطنت کے بادشاہ

اس میں شک نہیں کہ ان کے تمام اوصاف اور کمالات میں ان کی خطابت سب سے بڑا کمال تھا بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ انہیں باقی تمام کمالات خطابت کے لئے عطا ہوئے تھے تو بالکل درست ہوگا۔

لیکن خطابت کے علاوہ ان کی بے شمار ایسی باتیں قابل ذکر ہیں۔ جو اس دور میں شاید ہی کسی نصیب ہوئی ہوں۔ وہ بے نیازی اور استغنا کی سلطنت کے بادشاہ نہیں شہنشاہ تھے کی دنیاوی لالچ یا کسی نام و نمود کی خواہش کا کوئی معمولی اثر ان کی طبیعت قبول نہیں کرتی تھی۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ چوہدری صادق علی صاحب جو شکل و صورت اور مزاج و سیرت

1۔ لولاک 21؍ اگست 1964 ص 7

کے لحاظ سے دیندار دوست ہیں اور ان دنوں لائل پور میں ڈسٹرکٹ فوڈ کنٹرولر لگے ہوئے تھے۔ کسی کام یا سرکاری میٹنگ میں شرکت کی غرض سے ملتان گئے ہوئے تھے۔ ان کے ساتھ لائل پور کے کچھ مل مالکان بھی تھے۔ چوہدری صاحب اپنے ہمرائیوں سمیت شاہ جیؒ کی زیارت کو پہنچے شاہ جیؒ سے ملنے کے بعد مل اونر صاحبان کا بڑے اہتمام کے ساتھ تعارف کرانے لگے کہ یہ فلاں صاحب اور فلاں مل کے مالک ہیں ابھی سب سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ شاہ جیؒ نے ملاقات سے ہاتھ کھینچتے ہوئے فرمایا۔ چوہدری صاحب چھوڑیئے ''مل والوں'' کی بات مجھے تو کسی دل والے کی بات سنایئے۔ آپ ان کا تعارف مجھ سے کیا کرا رہے ہیں یہ لوگ جس طرح غریب مزدوروں کا خون چوس کر ملوں والے بنتے ہیں۔ اس سے میں خوب متعارف ہوں۔[1]

سکندر مرزا سے ملاقات کا انکار

جس زمانے میں پاکستان میں سکندر مرزا کا طوطی بول رہا تھا اور بڑے بڑے حریت مآب اسے پاکستان کی کشتی کا ناخدا سمجھ کر اس کی چوکھٹ پر سجدہ ریز ہوتے تھے۔ اسی زمانے میں حکومت کی طرف سے شاہ جیؒ کی جماعت مجلس تحفظ ختم نبوت پر مقدمات و پابندیاں اور مظالم شروع ہوئے۔ کچھ عرصہ بعد حکومت کی طرف سے سلسلہ جنبانی شروع ہوئی۔ کہ آپ لوگ حکمرانوں سے ملیں آپ کی مشکلات حل ہو جائیں گی۔ شاہ جیؒ کے علاوہ کچھ لوگ ملے اپنی مظلومیت بتائی۔ مگر بات وہیں رہی۔ اور شاہ جیؒ کی ملاقات کا سوال اٹھایا گیا۔ ہم نے بھی شاہ جیؒ سے عرض کیا کہ جماعت کا مفاد اسی میں ہے کہ آپ ملاقات کر لیں۔ شاہ جیؒ نے صاف انکار کر دیا۔

پیغام آیا۔ کہ شاہ جیؒ کے لئے صدر کا وائیکاؤنٹ بھیج دیا جائے گا۔ تشریف لے آئیں شاہ جی نے نہ مانا۔ لمبی داستان ہے۔ بالآخر فیصلہ کیا گیا کہ اچھا سکندر مرزا ملتان کوئی سرکاری تقریب رکھ لیں گے اور وہاں ملاقات ہو جائے۔ چنانچہ تقریب اور اس کے لئے دورہ

1۔ لولاک 21 راگست 1964ء

رکھ لیا گیا۔ لیکن یہاں شاہ جیؒ رضامند نہیں ہوئے شاہ جی سے کہا گیا کہ کمشنر صاحب آپ کو کار میں خود آ کر لے جائیں گے۔ لیکن شاہ جیؒ نے نہ ماننا تھا نہ مانے۔ اب ہمیں بھی فکر ہوئی بھی سب نے بھی عرض کیا۔ جماعت کے آفس سیکرٹری مولانا محمد شریف جالندھریؒ جو شاہ جیؒ کے نہایت بااعتماد اور پیار سے خادم تھے اور شاہ جی سے بڑی بے تکلفی سے باتیں کر لیا کرتے تھے۔ حاضر ہوئے اور کہا کہ پیر جی آپ کو اب جماعت کی طرف سے حکم دیا جاتا ہے اور یہ جماعت کا فیصلہ ہے۔ جس کی میں آپ کو اطلاع دے رہا ہوں آپ صدر مملکت سے ملاقات کریں۔ شاہ جی نے جماعت کے فیصلے کا لفظ سن کر خاموشی اختیار کر لی۔ تھوڑی دیر بعد فرمایا۔ بہت اچھا بھائی میں اس سے ملوں گا۔ لیکن ایک بات سن لو میں بھی عبدالمطلب کی اولاد میں سے ہوں میں اس سے اپنے مکان کے متعلق بات کروں گا۔ مسئلہ ختم نبوت کی حفاظت کے متعلق میں اس سے بات نہیں کروں گا۔ مسئلہ ختم نبوت کی حفاظت اب وہی ذات کرے گی جس کے ذمہ اس کی حفاظت ہے۔ اس شخص سے میں یہ بات کر کے مسئلہ کو رسوا نہیں کرنا چاہتا۔ چنانچہ سب نے یہی فیصلہ کیا کہ شاہ جیؒ کو ملاقات کے لئے مجبور نہ کیا جائے۔ شاہ جیؒ کے ذہن میں سکندر مرزا کا وہ تکلیف دہ کردار تھا جو اس نے اپنے ڈیفنس سیکرٹری پاکستان کے زمانہ میں ادا کرتے ہوئے تحریک تحفظ ختم نبوت کے خلاف مارشل لاء لگوا کر اسے کچلنے میں حصہ لیا تھا۔[1]

اخباری بیانات سے احتراز

شاہ جیؒ نے ہندوستان کی تحریک آزادی میں انقلاب آفرین حصہ لیا۔ کئی تحریکوں کو خود جنم دیا۔ پروان چڑھایا لیکن پوری زندگی اخباری بیان دینے سے احتراز کیا۔ جب بھی اخبار نویسوں نے کچھ پوچھنا چاہا تو پیار محبت سے ٹال جاتے رہے۔ معمولی درجہ کے لوگوں میں بھی یہ خواہش موجود رہتی ہے کہ ان کے بیانات اخبارات میں شائع ہوں لیکن شاہ جیؒ میں یہ کمزوری بالکل نہ تھی۔

1۔ لولاک 21 راگست 1964ء

شاہ جیؒ کی یہ بے نیازی غرور و تکبر کی وجہ سے نہ تھی۔ تکبر اور خود پسندی ان میں نام کو نہ تھی۔ وہ اپنے ساتھیوں اور رضا کاروں کے سامنے سراپا عجز و نیاز بن جایا کرتے۔ ان کی اس انکسار کی ہزاروں مثالیں موجود ہیں۔

ایک دفعہ رات کے وقت لائل پور (فیصل آباد) تشریف لائے۔ حسب معمول راقم الحروف (مولانا تاج محمودؒ) کے مکان میں عزت بخشی۔ بڑی بے تکلفی سے فرمایا کہ بھائی کھانا نہیں کھایا کھانا کھائیں گے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ تازہ کچھ نہیں پکایا جائے گا۔ جو کچھ گھر میں موجود ہے وہی دستر خوان پر رکھا جائے۔ ہم میاں بیوی نے نافرمانی کرنے کا پروگرام بنایا تو ناراض ہونے لگے۔ مجبوراً جو کچھ تھا۔ حاضر کیا گیا۔ وہی کھالیا۔ بہت خوش ہوئے اور اس انداز سے بے شمار دعائیں دیں کہ مجھے یقین ہوگیا کہ شاہ جی کی دعائیں میرے لئے ہر نعمت سے بڑھ کر ہیں۔

جھوٹ اور جھوٹے آدمی سے نفرت

شاہ جیؒ کو جھوٹ اور جھوٹے آدمی سے انتہا درجہ کی نفرت تھی۔ فرمایا کرتے تھے کہ میں ہر مصیبت برداشت کر سکتا ہوں لیکن جھوٹا ساتھی برداشت نہیں کر سکتا۔ جماعتی زندگی میں بھی جب کسی سے کذب وافترا سنتے اور اس کے جواب دینے کی ضرورت پڑتی تو قرآن کی اس آیت پر اکتفا کیا کرتے تھے۔ ”لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ“

شاہ جیؒ ایک عظیم انسان تھے۔ ان کے مزاج میں جلال اور جمال دونوں صفات کا ایک حسین امتزاج تھا۔ وہ غصے میں آتے تو ان کے سامنے بڑے بڑوں کو اُف کرنے کی مجال نہ ہوتی تھی۔ میں نے شاہ جیؒ جیسا صاف دل انسان آج تک نہیں دیکھا۔ کبھی کسی آدمی کے متعلق دل میں بات نہیں رکھا کرتے تھے۔[1]

باغ و بہار طبیعت

لطافت وظرافت ان کی طبیعت ثانیہ تھی۔ اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی بے شمار حکمتیں

1. لولاک 21 راگست 1964ء ص 8

اور مصلحتیں تھیں اللہ تعالیٰ کے وہاں مقدر ایسا تھا کہ جس شخص نے پوری زندگی باطل قوتوں سے ٹکرانا ان کے جبر و استبداد کا مقابلہ کرنا اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا تھیں اور اپنے سرفروش دیوانے ساتھیوں کو وقت کے خلاف لڑانا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں باغ و بہار طبیعت عطا کی تھی۔ وہ ہر وقت ہنستے ہنساتے اور اپنے ساتھیوں کے غم کا مداوا کرتے رہتے تھے۔ وہ اپنے ساتھیوں کی عزت کرتے تھے ان کا حوصلہ بڑھاتے ان کے غم میں شریک ہوتے تھے۔ جتنا کوئی ساتھی معمولی درجے کا یا غریب و بے کس ہوتا اس کی پاسداری زیادہ کرتے تھے۔ جماعت میں اپنی رائے دیا کرتے تھے۔ لیکن دوسروں کی رائے کے مقابلہ میں زور دے کر اپنی بات نہیں منواتے تھے۔ جب جماعت فیصلہ کر لیتی تھی تو اس فیصلہ کا جی جان سے احترام کرتے تھے۔

شاہ جیؒ کی زندگی کی بے شمار باتیں ہیں جو بے شمار دوستوں کے سینوں میں محفوظ ہیں اب زمانہ ان کو بڑے شوق سے سننا چاہتا ہے۔ وہ خود میر تقی کا یہ شعر بڑے جذب و مستی کے عالم میں پڑھا کرتے تھے۔

باتیں ہماری یاد رہیں پھر باتیں نہ ایسی سنئے گا
جو کہتے کسی کو سنئے گا تو پہروں تک سر دھنئے گا[1]



1. لولاک 21 راگست 1964ء ص 8

شاہ جیؒ اور قید و بند کی آزمائشیں

شاہ جیؒ کا خواجہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے عشق اس حد تک تھا کہ آپ نے تحریک تحفظ ختم نبوت میں خواجہ ناظم الدین کو جلسہ عام میں یہ پیشکش کی تھی کہ آپ سرور کائنات ﷺ کی ختم رسالت کی حفاظت کا مطالبہ مان لیں۔ میں اپنی بقیہ زندگی آپ کے سوروں کا ریوڑ چرایا کروں گا۔

آپ نے اسلام کی سربلندی اور راہ حق میں ساڑھے بارہ سال کی قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ لیکن منہ سے آہ تک نہ کی۔

آپ نے پوری زندگی اسلام کی سربلندی، ملت کی فوز و فلاح اور ملک کے استخلاص میں گذار دی۔ اس آزمائش اور ابتلاء کے دور میں ان پر بے پناہ مظالم اور مصائب توڑے گئے انہوں نے نہایت جدوجہد اور مشکلات کی زندگی بسر کی۔ لیکن کبھی بے صبری کا اظہار نہ کیا۔ اور نہ ہی کبھی کسی گلہ و شکوہ سے زبان کو آلودہ کیا۔

(1) آپ کو پہلی دفعہ 1921ء میں تحریک خلافت کے سلسلہ میں تین سال سخت کی سزا دی گئی۔

(2) دوسری مرتبہ رسوائے عالم گستاخ رسول آریہ سماجی مصنف، ناشر، راج پال کے قتل کے سلسلہ میں 6/جولائی 1927ء میں گرفتار کئے گئے۔ ایک سال تک بورسٹل جیل لاہور میں رکھے گئے بالآخر رہا ہوئے۔

(3) تیسری مرتبہ 30/اگست 1930ء میں بسلسلہ تحریک آزادی ہندوستان (تحریک نمک سازی) میں کلکتہ سے گرفتار کر کے چھ ماہ کی قید سخت کی سزا دی گئی۔ (علی پور اور ڈم ڈم جیل میں رہے)

(4) چوتھی مرتبہ آپ کو تحریک آزادی کشمیر کے سلسلہ میں گرفتار کیا گیا۔ اور دو سال قید سخت کی سزا دی گئی۔

(5) نومبر 1953ء میں آپ نے قادیان میں جمعہ پڑھانے کا اعلان کیا۔ برٹش حکومت نے دفعہ 144 لگا کر شاہ جیؒ کو قادیان میں داخل ہونے سے روک دیا شاہ جیؒ انگریزی سرکار کے اس حکم کی دھجیاں فضائے آسمانی میں بکھیرتے ہوئے قادیان میں داخل ہو گئے۔ اور وہاں جمعہ پڑھایا۔ حکومت نے آپ کو تین ماہ قید سخت اور ایک ہزار روپیہ جرمانہ کی سزا دی۔

(6) چھٹی مرتبہ برطانوی حکومت کے فیصلہ کے مطابق سر سکندر حیات کی وزارت نے آپ کو گرفتار کر کے قتل اور بغاوت کے سنگین مقدمات بنائے۔ سازش یہ تھی کہ آپ کو ان مقدمات کے نتیجہ میں سزائے موت دلوائی جائے لیکن شاہ جیؒ اہل حق میں سے تھے۔ اہل حق کی مدد اللہ تعالیٰ ایسے طریقے پر کرتا ہے۔ کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اس مقدمہ میں "شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا" جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے حق میں ایک دودھ پیتے بچے نے گواہی دے کر آپ کا بے گناہ ہونا ثابت کیا ایسے ہی سرکاری سی آئی ڈی رپورٹر "لالہ لدھا رام" جس سے غلط جملے تقریر میں شامل کرائے گئے تھے۔ عدالت میں بول اٹھا۔ کہ شاہ جیؒ بے گناہ ہیں۔ اصل گناہگار میں ہوں اور میرے آقایانِ ولی نعمت یونینسٹ وزارت اور انگریز بہادر ہیں۔ اور مجھے ایس پی گجرات نے حکم دیا تھا کہ ایسے جملوں کا اپنی طرف سے شاہ جیؒ کی تقریر میں اضافہ کروں۔ شاہ جیؒ کو ہائی کورٹ کے چیف جسٹس مسٹر ینگ نے رہا کر دیا تھا۔[1]

1۔ لولاک 21/اگست 1964ء ص 8

اسی گواہی پر شاہ صاحب معجزانہ طور پر اس سنگین مقدمہ سے بری ہوئے اس طویل مقدمہ کے دوران شاہ جیؒ دو سال کے قریب جیل میں رہے۔

(7) ساتویں قید شاہ جیؒ نے پاکستان بننے کے بعد تحریک تحفظ ختم نبوت کے دوران سکھر جیل میں کاٹی۔ اگرچہ اس قید کا زمانہ بڑا ہی مختصر تھا سوا سال کے قریب جیل میں رہے۔ اور رہا کر دیئے گئے۔ تاہم جتنی جسمانی اور ذہنی تکلیف اور اذیت شاہ جی کو اس قید میں پہنچائی گئی۔ اس کی مثال پہلے نہیں گزری تھی سابقہ گرفتاریاں آزادی وطن کے سلسلے میں تھیں۔ جو ایک کافر اور غیر ملکی حکومت کی طرف سے تھیں۔ اسی طرح سابقہ گرفتاریوں اور سزاؤں کے دوران شاہ جی کو کافر اور غیر ملکی حکومت نے سپیشل کلاس دے کر ان سے ایک سیاسی قیدی کا سلوک روا رکھا لیکن تحریک تحفظ ختم نبوت کی گرفتاری اپنے مسلمانوں کی طرف سے پیش آئی تھی۔

اور وجہ نزاع رحمت سرور کائنات ﷺ کی عزت کی حفاظت کا مسئلہ تھا۔ ارباب اقتدار جو حضور سرور کائنات ﷺ کے نعلین مبارک کے تلووں کی خاکِ پاک کی برکت سے برسر اقتدار آئے تھے۔ وہ قادیانی گستاخان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے حضورؐ کی بے ادبی اور گستاخی کی حفاظت کی ضمانت لینے کو تیار نہ تھے۔

مطالبہ صرف یہ تھا کہ آمنہ کے لال حضرت محمد ﷺ کے منصب ختم رسالت کی حفاظت کی ضمانت دی جائے۔ تا کہ حضور ﷺ کی ذات اقدس کا احترام اور امتیاز قائم رہے۔

اور اسلام کی مرکزیت فنا نہ ہو جائے۔

گلہ جفائے وفا نما جو حرم کو اہل حرم سے ہے!!
کسی بتکدہ میں بھی ہوں بیاں تو صنم بھی کہیں ہری ہری

شاہ جیؒ کو سکھر جیل میں سی کلاس دی گئی۔ اور ارھر کی دال میں تیل کا تڑکا۔ باہر سے کسی کو ملنے کی اجازت نہیں تھی۔ ذہنی صدمہ اور جسمانی اذیت سے صحت کا ڈھانچہ ہل گیا۔

اسی تکلیف سے بالآخر دوسری تکالیف پیدا ہوئیں۔

بہر حال شاہ جیؒ کی پوری زندگی اہل حق کی سنت میں اعلائے کلمۃ اللہ اور اسلام کی سر بلندی استخلاص وطن اور حفاظتِ عزت و آبروئے خواجہ کونین ﷺ گذر گئی۔ اور وہ اپنی پوری زندگی اسی جدو جہد میں بسر کر کے اعلیٰ علیین میں اللہ کے پاس چلے گئے۔

شاہ جیؒ کی قید معہ اس عرصہ کے جس میں وہ مختلف مقدمات میں ماخوذ ہو کر حوالاتی کی حیثیت سے جیل میں رہے کوئی (ساڑھے بارہ) سال کے قریب ہے۔ اس سب کچھ کے باوجود آپ کے صبر اور استقامت کا اس سے اندازہ لگایئے فرمایا کرتے تھے۔

"دوست جیل کے مصائب باہر آ کر لوگوں کو سناتے لذت محسوس کرتے ہیں اور میں اسے عیب سمجھتا ہوں۔ میں ان مصیبتوں کو رسوا کرنے کا عادی نہیں ہوں۔ میرے لئے جیل خانہ صرف نقل مکانی ہے۔" حق مغفرت کرے۔"[1]

(تفصیلات کے لئے دیکھئے مقدمات امیر شریعتؒ مرتبہ سید ابوذر بخاریؒ)



1 ہفت روزہ لولاک لائل پور (فیصل آباد) ص 10، ج 14

کمالات فائقہ کا پیکر

ڈاکٹر سید عبداللہ لکھتے ہیں۔

بخاریؒ واقعی ان عظیم اشخاص میں سے تھے جن کی ہستی کی ترکیب و تعمیر میں قدرت کے غیر معمولی قوانین نے کارفرمائی کی...... اور اگر اس ترکیب و تعمیر میں آسمان و زماں اور وقت کے تصرفات کا واقعی کچھ حصہ ہے تو یقیناً آسمان نے مدتوں کی محنت سے، ان کے کمال معنوی کی عمارت تیار کی ہوگی!

میں بخاریؒ سے براہِ راست کم ملا ہوں۔ مگر قریب سے دیکھنے کے لئے بے شمار مواقع مجھے میسر آئے ہیں اور ان کی تقریریں تو بلا مبالغہ سوڈیڑھ سو مرتبہ سنی ہوں گی جن میں وہ تقریریں بھی شامل ہیں جو مجمع عام کے لئے تھیں اور وہ بھی ہیں جن میں عالمانہ بحث و نظر کی ضرورت ہوتی تھی۔

سید صاحب مرحوم کو قریب سے دیکھنے کی صورت یہ تھی کہ میں مرحوم چودھری افضل حق کے نیاز مندانِ خاص میں شامل تھا...... وہ بعض اوقات بغرض مشاورت میرے مکان پر بھی تشریف لے آتے تھے، اسی طرح دوسرے احرار اور حریت پسند رہنماؤں سے بھی میری اچھی علیک سلیک تھی۔ ان وجوہ سے دفتر احرار میں میرا آنا جانا تھا اور یہ بات اس زمانے کے احباب کو اچھی طرح معلوم ہے۔

اس طرح گویا میں مجلس احرار کا ایک باقاعدہ رُکن تھا مگر سب کو یہ معلوم تھا کہ میری دلچسپیاں زیادہ تر ادبی ہیں اور سیاسی بھی اگر تھیں تو احرار کی جزئیاتی اور وقتی سیاست سے میرا کوئی تعلق نہ تھا مجھے تو ان کے نصب العین اور برطانوی استعمار کے متعلق ان کے جرأت مندانہ خیالات سے دلچسپی تھی!

غرض حلقۂ احرار کے قرب کا مجھے موقعہ حاصل تھا اور میں سبھی احرار لیڈروں سے شیر و شکر تھا، ماسوا مرحوم سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے...... کہ میں ان کے رُعب و جلال اور ان کے حد درجہ کیسلے اندازِ بلاغت کی وجہ سے، اپنے اندر کچھ ایسی کمی پاتا تھا جس کا احساس مجھے ان

کے بہت قریب نہ ہونے دیتا تھا...... لہٰذا میں برسوں سید صاحب کو قریب سے مگر دور سے دیکھتا رہا اور خوب دیکھتا رہا ؎

ہر حقیقت کو با انداز تماشہ دیکھا
خوب دیکھا ترے جلووں کو مگر کیا دیکھا

وفا کی والداری کے لئے اپنی رائے ترک کر دیتے

میں نے احرار کی مشاورتوں میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو حکمرانی کرتے دیکھا...... احرار میں بڑے بڑے مفکر اور حکیم اور مقرر موجود تھے اور انہی میں چودھری افضل حق بھی تھے مگر سید صاحب اس قبیلے کے وہ سردار تھے جن کی بات کو ٹال دینا کسی کے لئے ممکن نہ تھا، یہ اور بات ہے کہ سید صاحب کی رواداری اور حوصلہ مندی اکثر اس بات کو روا رکھتی تھی کہ مخلص رفقاء کے استدلال کو بھی سن لیتے تھے اور بسا اوقات وہ اپنے رفیقوں کے خلوص سے متاثر ہو کر اپنی رائے ترک بھی کر دیتے تھے...... مگر پھر بھی میرے اپنے خیال میں مجلس احرار کی سیاسیات کی باگ مسلسل بیس سال تک سید صاحب مرحوم کے ہاتھ میں رہی۔

سید صاحب کو اپنی جماعت میں یہ مقام کسی چیرہ دستی...... یا درازدستی کی وجہ سے حاصل نہ تھا۔ اس کا اصلی سبب یہ تھا، کہ سید صاحب سیاسی لیڈر ہو کر بھی سیاست کے طریقے سے نہیں چلتے تھے بلکہ ان کی آمد کی بنیاد وقتی سیاسی تدبیر کے بجائے صحیح اور مرکزی اساسی عقائد پر تھی......! میں نے بارہا مجلسوں میں سید صاحب کو مرکزی عقائد پر اڑتے دیکھا۔ اور اسی خلوص عقائد کی بناپر وہ اکثر اپنے نقطۂ نظر کے منوانے میں کامیاب بھی ہو جاتے تھے۔ اگرچہ (جب میں نے پہلے عرض کیا) کبھی کبھی وہ بھی احباب کے خلوص کے سامنے ہتھیار ڈال دیا کرتے تھے۔

شاہ جیؒ نے دو مرتبہ اپنی رائے کو قربان کر دیا

سید صاحب مرحوم دو مرتبہ اپنے رفقاء کے خلوص کے سامنے جھکے اور اپنی رائے کو قربان کر دیا...... پہلا بڑا مرحلہ وہ تھا جس کا تعلق کانگریس کے انقطاع سے تھا...... مجھے اچھی

طرح معلوم ہے کہ سید صاحب اس اقدام سے متفق نہ تھے کیونکہ ان کا خیال یہ تھا کہ وقتی سیاست کو انگریزی استعمار کے خلاف جہاد کے اصولی اور مرکزی سوال پر تقدم حاصل نہ ہونا چاہیے۔ فرقہ وارانہ اموری بھی اپنی جگہ اہمیت ہے مگر یہی فرقہ وارانہ امور اصولی سوال کے سامنے رکاوٹ بھی بن جاتے ہیں..... احرار کی یہ بحثیں دو تین مہینے تک جاری رہیں جن میں مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ اور حضرت سید صاحبؒ الگ رائے پر تھے..... اگر افضل حق مرحوم کی ملائمت، نرمی، طریق استدلال اور تحمل اور وقتی سیاسی جزئیات کا علم آخر بخاری کو قائل کر کے رہا مگر درحقیقت بخاری قائل ہوئے نہیں انہوں نے قربانی کی..... اور بیس تیس برس گزر جانے کے بعد اب شاید بہت سے لوگوں کو یہی فیصلہ کرنا پڑے گا کہ احرار کی نئی سیاست نے بالآخر انہیں کچھ فائدہ نہ پہنچایا مسلمان قوم کا پلیٹ فارم تو بہر حال مسلم لیگ کے پاس رہا اور احراری سیاست پر وقت پرستی کا الزام لگا رہا۔

دوسرا نازک موقعہ مسجد شہید گنج کے حوادث کی صورت میں سامنے آیا یہاں بھی میری معلومات کے مطابق سید صاحب کی نظر مسجد کی تقدیس پر تھی اور دوسرے رفقاء (بڑی حد تک بجا طور پر) اس کو سازش سمجھتے تھے (اور وہ سازش تھی بھی) مگر سید صاحب کا قلب سیاسی موقعہ شناسی یا مصلحت کوشی کو برداشت کر ہی نہ سکتا تھا ان کی نظر بنیادی اور مرکزی عقائد میں پیوست رہتی تھی! اور میرا اپنا خیال یہ ہے کہ مرکزی عقائد سے ہٹ کر مجلس احرار نے بالآخر نقصان اٹھایا۔

پھر بھی سید صاحب، بالعموم مجلس احرار میں اپنی اسی راست روی اور مرکزیت کی وجہ سے بہت جلد غالب رائے کو اپنے حق میں ہموار کر لیتے تھے اور سب رفقاء معلوم ہے کہ احرار کی اصلی قوت سید صاحب ہی تھے۔[1]

عام مجلسی گفتگو بھی اپنا جادو جگاتی تھی

عام خیالی کے متعلق سید صاحب کا سب سے بڑا کمال ان کی خطیبانہ ساحری میں مضمر تھا (اور یہ غلط بھی نہیں) مگر میں یہ سمجھتا ہوں کہ سید صاحب کی مجلسی گفتگو بھی ان کی

1 ہفت روزہ چٹان لاہور سالنامہ ص 79

خطابت کے برابر برابر جادو جگاتی تھی ..... اور جمہور سے قطع نظر، طبقہ علما، وزعما میں وہ اپنے اندازِ گفتگو کی وجہ سے ہی ایک فائق مقام کے مالک بنے ہوئے تھے۔

سید صاحب کی گفتگو ہر مجلس اور ہر مقام کے مطابق ہوتی تھی چنانچہ علماء کی محفل میں کتاب وسنت کے موضوعات پر جب وہ بات کرتے تھے تو یہ محسوس ہوتا تھا کہ یہ شخص شب و روز کتابوں کی ورق گردانی میں مصروف رہتا ہے، بڑے بڑے عالم ان کے سامنے دم بخود بیٹھے رہتے تھے۔ اسی طرح اہل ادب کی محفل میں ان کی باتوں میں ادبی لطائف کا کچھ ایسا تسلسل ہوتا تھا کہ مخاطب اپنے آپ کو زعفران زار کے ماحول میں پاتا تھا۔ برجستہ عربی فارسی اردو پنجابی کے اشعار ان کی گفتگو میں مناسب مقام پر خود بخود آ پہنچتے تھے اور جب سیاستدانوں کی مجلس میں ہوتے تو ان کی سیاسی معلومات کا بھی گہرا نقش بیٹھتا تھا۔

(اگر چہ وہ سب سے زیادہ اسی جماعت سے متوحش ہوتے تھے خصوصاً اس زمانے کے مسلمان سیاستدانوں کی صحبت میں ان کا دم گھٹتا تھا اور وہ فرمایا کرتے تھے کہ ان بدبختوں کے دل پر خدا کے سوا ہر شے کا خوف غالب ہے۔)

غرض سید صاحب ہر مجلس میں مناسب موقعہ نہایت بلیغ گفتگو کیا کرتے تھے اور اس کا بڑا اثر ہوتا تھا..... مگر سید صاحب کی گفتگو میں بلاغت کا سب سے بڑا پہلو ان کی حاضر جوابی، بذلہ سنجی اور طنز کا کٹیلا پن تھا..... اور ان کا یہ وہ ہتھیار تھا جس کا جواب کسی کے پاس نہ تھا اور وہ اپنے خداداد ملکے کی بدولت ہر مجلس میں شریک غالب بھی ہوتے تھے اور راحتِ محفل بھی......! مرحوم افضل حق کی یہ حالت تھی کہ سید صاحب جب طویل دورے پر باہر چلے جاتے، تو فرمایا کرتے:۔

"شاہ جیؒ دے بغیر ماڑیاں، کھولے کھنڈر معلوم ہوندے نیں۔"

اور کبھی کبھی کوئی صورت پیدا کر کے ان کا دورہ کٹوا بھی دیتے اور پھر اپنی محبت آمیز شرافت، پر بہت خوش ہوتے! مختصر یہ کہ سید صاحب کو گفتگو کا غیر معمولی ملکہ حاصل تھا اور ان کے قبولِ عام میں اس چیز کا بھی بڑا حصہ تھا! تاہم۔

اسلام کی پچھلی دو تین صدیوں میں ایسا کوئی خطیب ظہور میں نہیں آیا

یہ ماننا پڑے گا کہ سید صاحب کا سب سے بڑا کمال ان کا خطیبانہ انداز تقریر تھا جس سے وہ ہزاروں بلکہ لاکھوں انسانوں کے مجمع کو کئی کئی گھنٹوں تک مسحور کئے رکھتے تھے۔ شاید پچھلی دو تین صدیوں میں ان سے بڑا شعلہ بیان خطیب کوئی ظہور میں نہیں آیا ہوگا...... اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو واضح اور مسلم ہونے کی وجہ سے محتاج ثبوت نہیں۔ سید صاحب کی خطابت کے خصائص کا ادبی وفنی تجزیہ اگر کیا جائے تو لامحالہ اس کی (oratory) کو دنیا کے بڑے بڑے آرمیٹرز کے پہلو بہ پہلو رکھ کر دیکھنا ہوگا۔

آخری دور مغلیہ میں بڑے بڑے خطیب پیدا ہوئے۔ شاہ اسماعیل شہید، یوں تو شاہ عبدالعزیزؒ اور شاہ عبدالرحیمؒ بھی اچھے مقرر تھے۔ اور ہمارے زمانے میں سابقاً مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا عبدالماجد بدایونی۔ اور بعد میں بہت ہی ممتاز نام مولانا ابوالکلام آزاد کا ہے یہ نامکمل فہرست خطیب علماء کی ہے۔ اس میں مولانا محمد علی اور مولانا ظفر علی خاں کو شامل نہیں کیا کیونکہ ان لوگوں کی خطابت کا رنگ جدا ہے۔

آپ کی خطابت کا تعلق قدیم وعظیم روایت سے ہے

حضرت سید صاحب مرحوم کی خطابت دراصل ایک قدیم وعظیم روایت سے تعلق رکھتی ہے...... سید صاحب سے پہلے، قریبی زمانے میں نامورترین بزرگ مولانا اشرف علی تھانویؒ تھے۔ سید صاحب کی خطابت کا تعلق ایک خاص حد تک انہی سے قائم کیا جاسکتا ہے۔

حضرت تھانویؒ کی خطابت کا اہم خاصہ وقت کی طوالت کے باوجود دلچسپی کا قائم رکھنا تھا۔ حضرت سید صاحب کے یہاں بھی یہی خصوصیت کارفرما تھی اور اگرچہ حضرت تھانویؒ کی تقریر میں بھی ادب وشعر اور بذلہ وظرافت کا ایک خاص رنگ تھا مگر آواز کی گرج اور شخصیت کا جو جلال حضرت سید صاحب کو میسر آیا وہ انہی سے مخصوص تھا۔

اس کے علاوہ حضرت تھانویؒ کے موضوعات عموماً ٹھنڈے ہوتے تھے

......ان میں کہانی کا سا لطف ہوتا تھا مگر حضرت سید صاحب کی تقریروں کا موضوع جوش انگیز ہوتا تھا اور اس میں رجز کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی۔

حضرت تھانویؒ کامیاب واعظ شاہ جیؒ غیر معمولی خطیب

اسی لئے میں حضرت تھانویؒ کو کامیاب واعظ کہوں گا اور حضرت سید صاحب کو کامیاب بلکہ غیر معمولی خطیب قرار دوں گا۔ حضرت تھانوی کی تقریر صرف ان کے معتقد سنتے تھے جو پہلے ہی سے ان کے تقویٰ کے قائل ومعترف تھے۔ مگر حضرت سید صاحب کو ایسے اجتماعات سے واسطہ پڑتا تھا۔ جس میں اختلاف رکھنے والوں کی موجودگی ایک یقینی بات تھی، اس لئے سید صاحب کی خطابت کو زیادہ سخت آزمائشوں سے گزرنا پڑتا تھا۔

یہ تفصیل میں نے اس لئے بیان کی ہے کہ ہرچند کہ حضرت سید صاحب ہندوستان کی ایک قدیم روایت خطابت کے وارث تھے مگر دراصل ان کی خطابت، ادوار اور فرقوں کی حدوں سے بلندتر اور ارفع تھی...... اور اس میں تاثیر تفریح اور کوئی موتی لعل نہرو کرسی صدارت سے اچھل پڑے اور سامعین میں بھی بخاری زندہ باد! کا غلغلہ بلند ہونے لگا۔

بذلہ سنج اور خوش گفتار ایسے کہ محض الفاظ کی الٹ پلٹ سے گفتگو میں طنز ومزاح کے تیور اور نشتریت کا اثر پیدا کرنا اُن کے بائیں ہاتھ کا کام تھا۔

شاہ جی بعض اوقات بڑے بڑے علمی ودینی مسائل کی گرہیں کھولتے ہوئے شعر شاعری سے ایسا کام لیا کرتے تھے کہ انسانی عقل دنگ رہ جاتی۔

مثلاً ایک مرتبہ حج کے بارے میں تفصیلات بیان کر رہے تھے کہ اچانک مزاج کا دھارا شعروسخن کی طرف گیا۔ کہنے لگے

کوئی تو بات ہے ساقی کہ میکدے میں ضرور
جو دور دور سے میخوار آکے پیتے ہیں
یہ فیض میکدہ دیکھو کہ چار ہی دن میں
ہم ایسے رند بھی پینا بتا کے پیتے ہیں

شادؔ عظیم آبادی کے یہ اشعار شاہ جی کے نفیس لب ولہجہ میں سن کر حاضرین بے ساختہ جھوم اُٹھے۔

مقرر نہیں ساحر

میں نے شاہ جی کے سامنے بڑے بڑے ادیبوں اور خطیبوں کا چراغ گل ہوتے دیکھا ہے۔ ایک جلسے میں شاہ جی کے علاوہ مولانا محمد علی جوہرؒ اور دیگر زعما نے بھی تقریریں کیں۔ لیکن شاہ جی کی تقریر کا رنگ و روغن ہی کچھ ایسا تھا۔ اُن کے بعد اس فن کے بعض نامی گرامی لوگوں کی تقریر بھی عوام کو متاثر نہ کر سکی۔

چنانچہ مولانا محمد علی جوہرؒ نے شاہ جی سے کہا:۔

''بخاری! تم اپنی تقریر میں لوگوں کو جب قورمہ اور پلاؤ فراہم کرتے ہو تو بعد میں انہیں یہ بھی کہہ دیا کرو...... کہ محمد علی کی سوکھی روٹی بھی قبول کر لیا کریں۔''

اس پر شاہ جی فوراً بولے:۔

''حضور! ایک جرنیل ایک سپاہی کے بارے میں یہ بات کہہ رہا ہے! سپاہی کی شہرت تو دراصل جرنیل کی عظمت کا آئینہ ہوتی ہے۔''

یہ الفاظ سن کر مولانا محمد علی نے مزید بحث و تمحیص کی گنجائش نہ پاتے ہوئے یکسر چپ سادھ لی۔ بخاری جیسے خطیب کو یہ فخر حاصل ہے کہ مولانا محمد علی جیسے جادو بیان مقرر نے اپنے اخبار ''ہمدرد'' میں شاہ جی کے بارے میں نہایت جلی طور پر لکھا تھا:۔

''یہ شخص مقرر نہیں بلکہ ساحر ہے۔''[1]

حقیقی معنوں پر درویش

شاہ صاحب حقیقی معنوں میں درویش تھے۔ ان کے فقر و غنا کا یہ عالم تھا کہ وہ امرتسر میں اچھی خاصی جائیداد چھوڑ کر آئے تھے لیکن انہوں نے اس جائیداد کا کوئی کلیم کسی عدالت میں پیش نہیں فرمایا۔ کہ جب اس جائیداد کے بدلے یہاں جائیداد مل گئی تو ہجرت کا

---

1 ہفت روزہ چٹان لاہور سالنامہ 1962ء ص 90

ثواب ہی جاتا رہے گا شاہ صاحب کا یہی کردار ایک دوسرے واقعہ سے بھی اُجاگر ہوتا ہے جو میں نے ایک صاحب سے سنا۔ انہوں نے فرمایا کہ شاہ صاحب بہاولپور میں تشریف فرما تھے نواب صاحب کو معلوم ہوا تو انہوں نے اپنے پرائیوٹ سیکرٹری کو ڈیرہ نواب صاحب سے شاہ صاحب کی خدمت میں بھیجا اور ملاقات کی درخواست کی۔ سیکرٹری صاحب نواب صاحب کا پیغام لے کر شاہ صاحب کے پاس پہنچے۔ شاہ صاحب نے سنا تو فرمایا فقیر بادشاہوں کے دربار میں نہیں جایا کرتا۔ پھر ہنسنے لگے اور کہنے لگے کہ اب تو میں ویسے بھی ان کی ریاست میں بحیثیت مہمان کے مقیم ہوں۔ اب یہ معزز میزبان کا کام ہے کہ وہ مہمان کی عزت و توقیر میں پیش قدمی فرمائیں چنانچہ سیکرٹری صاحب کار لے کر واپس چلے گئے۔ اگلے دن نواب صاحب بہاولپور بنفس نفیس شاہ صاحب سے ملنے آگئے اور دس ہزار روپے بطور نذرانہ پیش کئے شاہ صاحب مرحوم نے اس خطیر رقم کو قبول کرنے معذوری کا اظہار فرمایا اور کہا کہ:۔

''فقیر کو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے صبح شام دو روٹیاں مل جاتی ہیں اس سے زیادہ کی خواہش نہیں۔''

نواب صاحب نے اصرار کیا تو ان دس ہزار روپوں میں سے صرف دس روپے اٹھا لئے۔

وفاداری بشرطِ استواری

جس طرح مولانا ظفر علی خانؒ کی صحافت کو یہ شرف خاص حاصل رہا، کہ وہ جب تک جوان رہے۔ پنجاب کے کاسہ لیس خاندانوں اور ان کے ناقوس ہائے خصوصی کے لئے دلچسپ الفاظ اور ترکیبیں وضع کرتے رہے، اسی طرح سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اس معاملہ میں ممتاز و منفرد تھے، کہ وہ ''وفاداری بشرطِ استواری'' کے خمیر میں گندھے ہوئے ان خاندانوں کو نہ تو خاطر ہی میں لاتے تھے، اور نہ ان کے دل و دماغ پر ان کی طرف سے حرفِ اعتبار نقش ہوتا تھا۔

شہروں اور لوگوں کے بارے میں ان کی رائے بڑی نپی تلی ہوتی جس شخص کے بارے میں کوئی بھرپور رائے قائم کر لیتے، پھر اس میں ترمیم نہ کرتے، اس سختی سے اس جے

سبب کہ رد و بدل کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔

ان کا عقیدہ تھا کہ قدرت کبھی معاف نہیں کرتی۔ اللہ کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ ان کی آنکھیں بہت کچھ دیکھ چکی تھیں اور بہت کچھ دیکھ رہی تھیں۔ فرماتے، برہنہ گفتن کا موقع نہیں، ورنہ جو کچھ جہد آزادی کے دور میں ہوتا رہا اور برطانوی سرکار نے خود کاشتہ خاندانوں کے لئے جو کچھ کیا، یا ان خاندانوں نے برطانوی سرکار کے لئے وہ روداد اتنی تلخ ہے، کہ عرش و فرش کانپ اٹھتے ہیں۔ اس سلسلے میں وہ کئی واقعات بیان کرتے تھے۔ مرحوم امرتسر میں ایک بزرگ کرسی نشین، درباری، آنریری مجسٹریٹ، خان بہادر اور کیا کچھ نہیں تھے۔ امرتسر کے مارشل لاء نے سرکار میں ان کا ستارہ چمکا دیا۔ قصہ مختصر کہ تحریک خلافت ختم ہوئی۔ جلیانوالہ باغ کا حادثہ بھی ابھر کر ٹھنڈا پڑ گیا قید و بند کے ابتدائی دن بھی لد چکے تھے۔ شاہ جی خیر الدین کی مسجد میں جمعہ پڑھنے یا پڑھانے جاتے، جب وہ دروازے پر پہنچتے تو خان بہادر دور دراز سے کھڑے ہوتے اور جھک جھک کر سلام کرتے۔ شاہ جی نے سلام کا جواب کبھی نہ دیا۔ چپ چاپ اندر چلے جاتے۔ شاہ جی کا انداز تھا، کہ وہ اپنے قاتلوں کو بھی بخش دیتے تھے، ان جیسے عفو و درگزر کے عادی اور ہنستے بولتے شخص کا یہ رویہ دوستوں کے لئے معمہ تھا۔ خان بہادر نے اس روش کے باوجود سلام کرنا ترک نہ کیا۔ شاہ جی نے بھی قبول کے لئے نہ کبھی ہاتھ ہلایا، نہ زبان اور نہ اس کی طرف آنکھیں ہی اٹھا کر دیکھا۔

برطانیہ کا دوست میرا دوست نہیں ہو سکتا

ایک دن نیاز مندوں میں سے ایک نے سوال کیا۔ "شاہ جی...... خان بہادر صاحب آپ کو سلام کرتے ہیں۔ آپ جواب نہیں دیتے، وجہ کیا ہے۔" فرمایا "کوئی بات نہیں، کبھی گھر میں ہوں، تو پوچھ لینا، بات آئی گئی ہو گئی...... کچھ دنوں بعد گھر میں تنہا تشریف فرما تھے کسی طرح خان بہادر کا ذکر چھڑ گیا، تو واقعہ بھی یاد آ گیا، فرمایا، "بات کوئی نہیں میں اس شخص کا دوست ہی نہیں ہو سکتا، جسے انگریز دوست رکھتا ہو، یا جو انگریز کو دوست سمجھتا ہے۔

اصرار پر واقعہ بیان کیا، کہ امرتسر کے مارشل لاء میں نیشنل بنک کے فرنگی منیجر کو مشتعل ہجوم میں

سے کسی شخص نے چھت سے گرا کر ہلاک کر دیا۔ پولیس نے بہتیرا تلاش کیا، لیکن مجرم کا سراغ نہ ملا...... مقتول کی بیوی نے ملزموں کو پکڑ کر کیفر کردار تک پہنچانے کا مطالبہ کیا، حکومت نے انعامی اشتہار نکالا، کہ جو شخص ملزم کا پتہ دے گا، اس کو اتنے ہزار روپے نقد انعام دیا جائے گا۔ ڈپٹی کمشنر نے نجی طور پر بعض "معززین" سے یہ بھی کہا، کہ ان کی وفاداری کا امتحان ہے۔ اگر انہوں نے مجرم کے پکڑوانے میں مدد کی، تو موجودہ انعام کے علاوہ خطاب بھی دیا جائے گا، اور آنریری مجسٹریٹی بھی......

مجرم نہ ملا...... ان خان بہادر صاحب نے جو اس وقت تک خان بہادر نہ تھے، اور محض علاقائی تھانیدار کے معاون ہی تھے، اپنے محلے کی ایک غریب الحال بیوہ کے پاس گئے جس کا ایک ہی نوجوان بچہ تھا، اس سے کہا۔ کہ تم اپنے بچہ سے کہو کہ وہ پولیس میں یہ بیان دیدے، کہ میں نے بنک کے منیجر کو کوٹھے سے گرا دیا ہے۔ میں تم سے حلفاً وعدہ کرتا ہوں، کہ تمہارے بچہ کو دو ماہ کے اندر اندر رہا کرا لوں گا، ورنہ حکومت سختی پر تلی ہوئی ہے۔ تمہارے بچہ کا نام لیا جا رہا ہے، پولیس نے پکڑ لیا، تو رہائی ناممکن ہے، وہ جھوٹے گواہ ڈال کر بھی پھانسی پر لٹکوا دے گی...... بڑھیا جھانسے میں آ گئی، نوجوان بھی بے پڑھا لکھا اور بیمار و لاغر تھا، فریب میں پھنس گیا۔ "خان بہادر" نے قرآن مجید پر حلف اٹھایا، کہ دو ماہ تک ضرور ہی رہا کرا دوں گا۔ غرض نوجوان مذکور نے خان بہادر کی مخبری پر اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کر دیا۔ پھر جیسا کہ اُسے کہا گیا تھا۔ اُس نے اعتراف بھی کر لیا۔ مقدمہ چلا، چٹ منگنی پٹ بیاہ، موت کی سزا ہو گئی، جو اُسے آخر کار دار کے تختہ پر لے گئی...... بڑھیا نے خان بہادر کا دامن پکڑا۔ خان بہادر اثنائے مقدمہ سے لے کر سزائے موت کے اعلان تک یہی کہتا رہا، کہ فکر نہ کرو، تمہارا بیٹا رہا ہو جائے گا۔ یہ صرف قانون کی کاروائی ہے۔ گورنر صاحب نے مجھ سے وعدہ کر رکھا ہے، شور نہ کرو، وہ رہا ہو جائے گا...... ضرور گھر آئے گا، میں لے کر آؤں گا۔ بڑھیا ان طفل تسلیوں پر جیتی رہی...... آخر کار ایک دن بیٹا پھانسی پا کر گھر آ گیا...... خان بہادر صاحب پھانسی کے دن تک یہی تسلیاں دیتے رہے کہ فکر نہ کرو تمہارا بیٹا ضرور گھر آئے گا۔ اور بیٹا آ گیا۔ بڑھیا نے بیٹے کی

اُس نے چھاتی کو پیٹ لیا۔ چلا اُٹھی۔ ہاہا کار مچ گئی، تب افشائے راز سے بھی کچھ نہ بنتا تھا۔

خان بہادر صاحب انعام و خطاب پا گئے۔ آنریری مجسٹریٹی مل گئی، جائداد بھی ہاتھ آ گئی۔ غرض سرکاری دوائر میں ان کا طوطی بولنے لگا۔ لیکن اس بڑھیا کا بیٹا واپس نہ آیا۔ البتہ ایک دن ماں خود ہی اس کے پاس پہنچ گئی۔

مکافاتِ عمل

قدرت کا غائبانہ ہاتھ مسکراتا رہا، مکافات نے بہت دنوں کا چکر کاٹا۔ ایک نوجوان بیٹا، اوباش کے ہاتھوں قتل ہو گیا، آنریری مجسٹریٹی کو ایک ڈپٹی کمشنر کی ناراضی نے ہضم کر لیا۔ کارخانہ کو آگ لگ گئی، خود ٹانگ ٹوٹی۔ اور تصویرِ عبرت ہو کر موت کی گود میں چلا گیا۔

شاہ جی نے کہا ...... جب یہ شخص میرے سامنے آتا ہے تو اس کے ضمیر میں اسی کانٹے کی چبھن ہوتی ہے۔ خدا کا خوف نہیں، میرے سامنے اس بچے کی تصویر آ جاتی ہے۔ جیسے وہ اس کو گردن مارنے کے لیے اپنا ہاتھ بڑھا رہا ہو، اور میں منہ پھیر لیتا ہوں کیونکہ مجھے اُس کی جھریوں میں اس کی ماں کے آنسوؤں کی تہیں جمی ہوئی نظر آتی ہیں۔ اور وہ بال کھولے چلا رہی ہے ...... ؎

ذرا اس کی دیر گیری سے کہ تخت ہے انقلاب اس کا

یہ واقعہ سنا کر شاہ جی کانپنے لگے، کہ اس دنیا میں یہ بھی ہوتا ہے ...... اور جب انگریزوں کے لئے غریبوں کے بچے کٹوانے والے ہمیں غدار کہتے ہیں، تو فطرت بھی سرکوبی کے لئے ہاتھ اُٹھا لیتی ہے۔[1]

سال میں 366 تقریریں

زندگی کیا ہے۔ تین چوتھائی ریل میں کٹ گئی۔ اور ایک چوتھائی جیل میں جتنے دنوں باہر رہا۔ لوگ گلے کا ہار بنتے گئے۔ آج کلکتہ کل ڈھاکہ سے لکھنؤ۔ لکھنؤ سے بمبئی۔ بمبئی سے آگرہ، آگرہ سے دہلی، پھر لاہور، لاہور سے پشاور، پشاور سے کراچی۔ ہر کہیں گھوما

1۔ چٹان لاہور، سالنامہ 1962ء ص 20

پھرا ہوں۔ سال کے تین سو پینسٹھ دنوں میں تین سو چھیاسٹھ تقریریں کی ہوں گی۔ دن کہیں رات کہیں۔ صبح کہیں، شام کہیں۔ یہ الفاظ حضرت شاہ صاحب اکثر فرمایا کرتے تھے۔

زندگی کیا ہے۔ ایک حرکت، مسلسل حرکت۔ ایک ایسی قوت جو دوسرے وجود کو بھی متحرک کر سکے۔ اس معیار کے مطابق اگر شاہ جی کے متعلق نقادانہ خامہ فرسائی کی جائے تو کیا نظر آئے گا؟ ایک ایسا وجود جو نہ صرف خود متحرک رہا۔ بلکہ اپنی حیاتِ مستعار میں کروڑوں انسانوں کو متحرک بنا گیا۔ سینکڑوں ایسے چراغ روشن کئے جو دوسروں کو حیات بخش روشنی سے منور کرتے رہے۔ شاہ جی کی آواز کہاں نہیں پہنچی؟ خیبر سے لے کر راس کماری تک کے میدان اس بات کے شاہد ہیں۔ آج سے تقریباً ڈھائی ہزار سال پہلے سقراط نے یونان میں بھی اپنی حیثیت کا دعویٰ کیا تھا۔ اور عدالت کے سوال کے جواب میں کہ وہ کون ہے؟ اور کیا چاہتا ہے؟ کہا تھا یونان ایک مضبوط مگر کاہل گھوڑے کی طرح ہے۔ اور میں ایک بھڑ مکھی کی طرح ہوں جسے دیوتا نے اس گھوڑے کو جگائے رکھنے کے لئے بھیجا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ اہل یونان اس بھڑ مکھی سے ناراض تھے۔ جس طرح نیند کے متوالے جگانے والوں سے خفا ہوتے ہیں۔ یہ ان کا خیال تھا۔ کہ وہ اُسے ایک ہی وار میں ختم کر دیں گے۔ اور پھر ہمیشہ کے لئے آرام سے سوتے رہیں گے۔ لیکن تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ مجھے زندہ رہنے دو۔ تمہارے لئے یہ ممکن نہیں کہ میری طرح کا کوئی اور آدمی تلاش کر لو۔

کیا شاہ جیؒ کی زندگی سقراط ہی کے ان الفاظ کی صدائے بازگشت نہیں۔ انہوں نے اپنے عوام کو پوری قوت سے جھنجھوڑ کر جگانا چاہا۔ مگر نیند کا متوالا مسلمان ان کے الفاظ اور انداز خطابت ہی کی داد دے کر رہ گیا۔ مولانا آزادؒ نے ایک دفعہ فرمایا تھا۔ کہ میں عمر بھر بت کدوں میں آذانیں دے دے کر تھک گیا ہوں۔ قوم نے شاہ جیؒ سے بھی یہی سلوک کیا۔ سقراط کو تو زہر پلا کر ایک ہی دفعہ ختم کر دیا گیا تھا۔ مگر شاہ جی کو قوم نے گھلا گھلا کر مارا۔ قید و بند کی صعوبتیں شاہ جی کو اپنے ازلی ابدی دشمن انگریز کے دور میں ہی صرف برداشت نہیں کرنی پڑیں۔ بلکہ وہ اپنوں کے کرم کے بھی کشتۂ ناز تھے۔

مولانا غلام رسول مہر لکھتے ہیں۔

زندگی کے دو مقصد

سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ راہِ حق میں ایثار و فدویت کا وہ ایک نادر پیکر تھے۔ ان کی ہوشمندانہ زندگی کا ایک ایک لمحہ جہاد فی سبیل اللہ میں بسر ہوا۔ میرے علم کے مطابق ان کی زندگی کے دو اہم مقصد تھے۔ اول یہ کہ ان کا وطن اجنبی تسلط کی ہر آلائش سے بالکل پاک ہو جاتا اور سامراج کا وجود مٹ جاتا۔ وہ سامراج کے دشمن تھے مگر برطانوی سامراج کی مخالفت خصوصیت سے ان کی زندگی کا نصب العین ہی رہی۔ کیونکہ برطانیہ ہی پاک و ہند پر قابض تھا اور برطانیہ ہی کے قبضے میں اسلامی دنیا کے وسیع ترین اور بہترین خطے تھے۔

دوسرا اہم مقصد یہ تھا کہ مسلمان دنیا میں بالعموم اور پاک و ہند میں بالخصوص آزاد تر اور خوددار تر اور خوشحالی زندگی بسر کرنے کے قابل ہو جائیں اور عقیدہ و عمل کے لحاظ سے سچے مسلمان بن جائیں تفصیلات پر گفتگو کرتے ہوئے آپ کہہ سکتے ہیں کہ فلاں معاملے میں ان کی رائے صحیح نہ تھی۔ اور فلاں معاملے میں ان سے اندازے میں غلطی ہوگئی۔ مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ جن مقصدوں کے لئے انہوں نے اپنی زندگی وقف کئے رکھی۔ ان کے لئے سعی و کوشش جہاد، ایثار یا فداکاری میں کبھی تامل کیا یا کبھی یہ سوچا کہ قدم آگے بڑھایا تو انہیں قید و بند سے سابقہ پڑے گا اور اہل و عیال کے گزارے کی کوئی صورت نہ رہے گی۔ ان مقصدوں کے لئے لڑنا ان کے نزدیک اسلامی زندگی کا ایک گراں بہا فرض تھا اور فرض اس لئے ہوتا ہے کہ اسے بے چون و چرا خوش دلی سے ادا کیا جائے۔ اس لئے نہیں ہوتا کہ اسے پورا کرنے کے لئے قدم اٹھانے سے پیشتر ذاتی رنج و راحت کا موازنہ کرلیا جائے۔

شرفِ اوّلیت

چنانچہ اسلامیت و آزادی کے ہر معاملے میں انہوں نے اوّلیت و سبقت کا شرف

برابر قائم رکھا۔ ہم میں سے کتنے ہیں جنہوں نے فرائض کو اس نقطۂ نگاہ سے دیکھا اور اس مستعدی و جان فروشی سے انہیں پورا کیا؟ میں اطمینان سے بیٹھا ہوا یہ داستان سرائی کر رہا ہوں اور داستان سرائی سے حقیقی حالات کا اندازہ مشکل ہے۔ اندازہ یوں کیا جاسکتا ہے کہ ہر شخص اپنے کسی محبوب و مرغوب مقصد کے لئے اپنے اوپر ویسی ہی حالت طاری کرے پھر اسے معلوم ہوگا کہ بلند مقاصد کے دیوانوں کی زندگی کیوں کر گزرتی ہے۔ پھر یہ معاملہ دو چار دن، دو چار مہینے یا دو چار برس کا نہ تھا۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کا عنفوان شباب تھا۔ جب انہوں نے اس میدان میں قدم رکھا اور وہ اسی میدان میں میرے سامنے بوڑھے ہوگئے۔

بے نفسی اور بلند ہمتی

پھر آپ نے دیکھا کہ جس عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے راہِ حق کے لئے قربانیوں میں کبھی ایک لمحے کے لئے توقف نہ کیا، وہ اپنی ذات یا اہل و عیال کے لئے کبھی کسی اجر یا معاوضے کا طلب گار نہ ہوا؟ یہاں تک کہ زندگی کے بالکل آخری اوقات میں بھی وہ چپ چاپ کرائے کے ایک کچے مکان میں مقیم ہوگئے کبھی کوشش نہ کی کہ اسے کوئی درمیانے درجے کا مکان ہی الاٹ ہو جائے، حالانکہ اس کے گردوپیش تیرہ سال تک الاٹ منٹوں کا ایک ہنگامۂ عظیم برپا رہا وہ غیر معروف فرد نہ تھا۔ ہزاروں آدمیوں کے دل فرطِ عقیدت سے اس کے لئے برابر تڑپتے رہے ارباب حل و عقد میں بھی اس کے شناساؤں اور عقیدت مندوں کی کمی نہ تھی، مگر اس نے اپنے لئے زندگی کا جو سانچہ تجویز کرلیا تھا اس میں اس کے لئے کوئی جگہ نہ تھی۔ اہل حق اپنی ہر متاع اہل علم کی فلاح و بہبود کے لئے لٹاتے رہتے ہیں کبھی کوئی چیز لینے کے روادار نہیں ہوتے عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے لئے عزیز ترین متاع اس کی درویشی تھی۔ وہ اس مقام پر وہ اس طرح صابر اور مطمئن رہا کہ ارباب اقتدار کو اپنی بلند پایہ مسندوں پر بھی بیٹھ کر شاید اس قدر نصیب ہوا ہو۔ اس مقام کے باب میں عرض کیا گیا ہے۔

اگر دولت این بود کہ بہ درویش مے دہند
باید گریستن جم و کے را بہ تخت خویش

میری زبان اس دعوت پر آمادہ نہیں ہو سکتی یہ ضرور کہتا ہوں اور جب تک زندہ رہوں گا کہتا جاؤں گا کہ دوسری نادر شخصیتوں کی طرح اس نادر شخصیت سے بھی خدمت اسلام، خدمت ملت خدمت ملک اور خدمت خلق کے طور طریقے سیکھے پہلے ایسے مبارک وجود اتنے کمیاب نہ تھے جتنے آج ہیں۔ یہ آئینے ہوتے ہیں جنہیں قدرت اس لئے بھیجتی ہے کہ لوگ انہیں سامنے رکھ کر اپنے خدوخال درست کر لیں۔ قومیں ایسی ہی شخصیتوں کے بل پر ترقی کرتی ہیں۔ عزت مندانہ زندگی کے لئے جس قوم کے افراد کی اکثریت یا خاصی بڑی تعداد اغراض کی گرم بازاری کا ایندھن بن جائے اس کے لئے قدم آگے بڑھانے کی کوئی صورت ہو سکتی ہے؟ اس کی متاع سمت و عمل تو اغراض کے شعلہ زار کی نذر ہو جائے گی۔ یہ بھی واضح رہے کہ قومیں دلکش الفاظ یا بہ ظاہر دل پذیر تقریروں سے زندگی کی امتحان گاہ میں کامیابی کی اہل نہیں بنتیں ایسے عمل کی ضرورت ہے جو ایثار و بے نفسی کے جتنی تعداد میں پیدا ہو سکیں، انہیں حقیقی قومی دولت سمجھئے۔ جن باتوں کو ہم اب اپنے نزدیک اہم سمجھتے ہیں اور معیار وقعت بنائے بیٹھے ہیں۔ انہیں تو اسلام کے حقیقی معنوں سے کوئی بھی مناسبت نہیں۔

ممکن ہے میری گزارشیں آپ کو تلخ و ناخوشگوار معلوم ہوں مگر

من آنچہ شرط بلاغ ست با تو مے گریم
تو خواہ از سخنم پند گیر، خواہ ملال [1]

تقریر کی لذت

جناب اعجاز چشتی لکھتے ہیں۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ سے میری پہلی ملاقات قیام پاکستان کے بعد 1954ء میں راولپنڈی مدرسہ تعلیم القرآن کے سالانہ جلسہ پر ہوئی۔ شاہ جی نے کمپنی باغ میں ایک بہت بڑے اجتماع کو خطاب کیا میں اس وقت گارڈن کالج راولپنڈی کا طالب علم تھا۔ تحریک پاکستان سے وابستگی کی وجہ سے چند ساتھیوں کے ہمراہ ایک مخصوص متعصبانہ نکتہ سے جلسہ گاہ

1 ہفت روزہ چٹان لاہور ص 105

میں پہنچا۔ شاہ جیؒ نے تلاوت قرآن پاک سے تقریر کا آغاز کیا جب وہ قرآن پڑھ رہے تھے۔ تو شورش کاشمیری کے بوئے گل، کے ان الفاظ پر یقین آیا شاہ جی قرآن پڑھ رہے ہوں تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جیسے قرآن نازل ہو رہا ہو۔ اور وقت ٹھہر گیا ہے۔ شاہ جیؒ کا موضوع تھا ''دینی مدارس اور ان کی خدمات'' پہلی بار مجھے ان دینی مدارس اور علماء کی خدمت کا صحیح شعور پیدا ہوا۔ تقریر میں وہ جادو تھا کہ میں مسحور ہو کر رہ گیا۔

دوسری صبح شاہ جی کی خدمت میں حاضر ہوا، موضوع سخن کے لئے میں نے جرات کرتے ہوئے علامہ اقبال کا یہ شعر پڑھا۔

جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

شاہ جیؒ نے اس پر سیر حاصل تبصرہ کیا، دین و سیاست کی جدائی کا ذکر تاریخی واقعات کی روشنی میں اس طرح کیا کہ خلافت راشدہ سے سقوط بغداد تک کی پوری تاریخ کا نقشہ آنکھوں کے سامنے کھینچ گیا۔ علامہ اقبال سے اپنی ملاقاتوں کا ذکر کیا، حاضرین مجلس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ میں سوچ رہا تھا کہ یہ بوڑھا انسان اپنے خدا کے کس قدر قریب ہے؟ اور اپنے نانا کا کس قدر حلقہ بگوش ہے۔ کہنے لگے بھائی میں نے کتابیں نہیں پڑھیں انسانوں کو پڑھا ہے۔ میں مولانا سید انور شاہ، مولانا حسین احمد مدنی، حکیم محمد اجمل، مولانا محمد علی جوہر، ابوالکلام آزاد کے قافلہ سے بچھڑا ہوا ایک راہی ہوں۔ جو اس بڑھاپے میں بھی منزل مقصود کی طرف چلا جا رہا ہوں، سب ساتھی ایک ایک کر کے چھوٹ گئے۔

1951ء میں احرار دفاع کانفرنس اوکاڑہ میں مولانا محمد علی جالندھریؒ کی دعوت پر شریک ہوا۔ آخری اجلاس جس کو شاہ جی نے خطاب کرنا تھا۔ مولانا محمد علی جالندھریؒ کے حکم سے مجھے بھی تقریر کرنا پڑی۔ شاہ جی کی عظمت اور ان کی شخصیت کا رعب سامنے تھا۔ عرض کیا شاہ صاحب کی موجودگی میں میرے لئے تقریر کرنا مشکل ہے۔ شاہ جی نے فرمایا:۔

''بھائی میری عظمت یہ نہیں کہ اپنے بھائیوں میں خوف و ہراس پیدا کروں، میری موجودگی

نے بہروں کو کان دیئے ۔ گونگوں کو قوت گویائی بخشی ۔لنگڑوں کو چلنا سکھادیا، میں باعث زحمت نہیں، باعث رحمت بنا ہوں ۔تم تقریر کرو، میں سنوں گا۔"

شاہ جی کے ان الفاظ نے قوت بخشی، میں نے تقریر کا آغاز کیا، اس سے پہلے بارہا میں بڑے بڑے مجمعوں کو خطاب کر چکا تھا۔ گورداسپور اور دینانگر کے درودیوار آج تک گواہ ہیں کہ اس پندرہ سالہ مقرر نے دوستوں اور دشمنوں سے اپنی خطابت کی داد لی۔لیکن اوکاڑہ کے جلسہ کی تقریر رُک رُک کر، ٹھہر ٹھہر کر الفاظ کا خیال رکھتے ہوئے جب میں اس مقام پر پہنچا کہ:۔

"یہ ملک اسلام کے لئے حاصل کیا گیا ہے، یہاں اسلام ہی ہمارا ضابطہ حیات ہوگا اور اسلام ہی کے لئے اس ملک کا تحفظ کرنا ہے۔"

دین ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملت
ہے ایسی تجارت میں مسلمان کا خسارہ

شاہ جیؒ نے تقریر کی خوب داد دی، جس نے شاہ جیؒ کو کبھی داد دیتے ہوئے دیکھا ہے وہی اس کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ان کی اس حوصلہ افزائی کا نتیجہ یہ نکلا کہ میں اکثر کانفرنسوں میں شاہ جی کے ساتھ شریک ہوا اور خطابت کرنے کی سعادت حاصل کی۔ آج میں جب سوچتا ہوں کہ شاہ جی ایسا عظیم خطیب اور مجھ ایسے نو آموز مقرر کی تعریف تو صحیح معنوں میں ان کی عظمت نے دین کو محفوظ رکھا، کیا یہی کم ہے اب تم لوگ اسے سنبھالو اور دُور دُور تک پہنچا دو؟"[1]

استغنا کا عالم

دوسری طرف استغنا کا یہ عالم کہ پاکستان کے ایک سابق صدر (سکندر مرزا) نے اپنے زمانہ صدارت میں بہت کوشش کی کہ کسی طرح شاہ جی سے ملاقات کرے، لیکن شاہ جی اس کے پاس جانے کو تیار نہ ہوئے اور نہ اس بات پر آمادہ ہوئے کہ وہ ان کے ہاں خود آکر مل لے۔فرماتے تھے کہ:۔

"مجھ فقیر سے صدر مملکت کا کیا کام ہے، اگر جماعتی بات ہے تو صدر مجلس سے کی جائے۔"

1۔ چٹان لاہور ص 96

غیبت سے کنارہ کش

شاہ جیؒ نے زندگی بھر کسی کی غیبت نہیں کی اور اُن کا مسلک پردہ پوشی تھا۔

ایک بار شاہ جیؒ سے ایک مشہور غزل گو شاعر جو اپنی شراب نوشی کے لئے مشہور ہیں۔مل کر گئے تو حاضرین میں سے کسی مولوی صاحب نے کہا کہ:۔

"شاہ جیؒ آپ تو شرابیوں کو بھی منہ لگا لیتے ہیں۔"

شاہ جیؒ فرمانے لگے کہ:۔

اس شخص نے کہا:۔"نہیں"

فرمانے لگے:۔ایک دوسرے صاحب درمیان میں بول اُٹھے:۔

"بھائی تم نے اُسے شراب پیتے دیکھا ہے؟"

"پھر غیبت کیوں کرتے ہو؟"

"شاہ جی میں نے اُسے شراب کے نشے میں بدمست دیکھا ہے۔"

فرمانے لگے:۔

"پھر پردہ پوشی سے کام لو۔"

ہزار رحمتیں ہوں اُس مرد درویش پر ان کے اس طرز عمل سے بہتوں نے اصلاح پائی اور دشمن دوست بن گئے۔

آسمان خطابت کے نیرِ تاباں

بیسویں صدی کے عشرہ دوم میں مولانا محمد علی جوہر مولانا آزاد اور مولانا ظفر علی خان نے اپنی تحریر وتقریر سے ملک میں آگ لگا دی۔ جوہر نے ''کامریڈ'' اور ''ہمدرد'' میں مولانا آزاد نے ''الہلال'' اور ''البلاغ'' میں اور زمیندار کے کالموں میں لاوا ابھر دیا۔ کہیں مضامین آ رہے ہیں۔ تو کہیں نظمیں کہیں بغاوت کی انگیخت ہے۔ تو کہیں اپنی تنظیم کے کنارے اور پلو سمیٹنے کے لئے ہدایات۔ پھر قدرت نے ان تینوں کو فن تقریر کی عظمتوں سے بھی وافر حصہ دیا تھا۔ وہ آسمانِ خطابت کے ماہ مشتری تھے۔ مگر ابھی اُسے کچھ اور عروج سے ہمکنار ہونا تھا۔ رولٹ ایکٹ ایجی ٹیشن، سانحہ جلیانوالہ باغ کے بعد جب تحریک خلافت اپنے جلو میں تحریک ہجرت کا مرغِ بسمل بھی لائی۔ تو امرتسر کے مردم خیز میدانوں سے ایک گرج اُبھری جس کی گونج سے سارا پاک و ہند گونج اٹھا۔ کسی نے سنا۔ کسی نے نہیں سنا۔ مگر سب کو یقین ہو گیا۔ کہ یہ گرج ایک کڑک بنے گی۔ جسے بہرے بھی سنیں گے۔ اور جس کا مفہوم دیوانے بھی سمجھیں گے۔ اور جس کے بعد فنِ خطابت صرف اس لئے حیات کا طالب ہوگا۔ کہ اپنے شہسوار کا ماتم کناں ہو سکے۔ یہ خطیب اعظم کی آواز تھی۔ جسے مولانا جوہر نے ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا۔ کہ کامیابی کا سہرا اس بے مثل نوجوان کے سر رہا۔ جو عوام میں عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے نام سے معروف ہے۔ جو دونوں کو ہنساتے اور ہنستے ہوئے شگفتہ چہروں کو رلانے پر قادر ہے۔ جو خون کے آنسو رونے والوں کے چہروں پر غضبناکی کی لکیریں بھی کھینچ دیتا ہے۔ اس سے نہ تو پہلے تقریر کی جا سکتی ہے۔ کہ ان کی تقریر سے پہلے مقرروں کی تقریروں کا رنگ اُڑ جاتا ہے۔ اور نہ بعد کہ ان کے بعد کسی کا رنگ جم ہی نہیں سکتا۔ اس ذات گرامی نے ابوالکلام جیسے سحر البیان اور قادر الکلام کو بھی مشکل میں ڈال دیا تھا۔ چنانچہ مولانا آزاد کبھی ایسے جلسے میں تقریر نہیں کرتے تھے۔ جس میں شاہ جی مدعو ہوتے۔ ایک مقرر میں جتنی صلاحیتیں ہونی چاہئیں۔ قدرت نے ان سے انہیں فیاضی سے حصہ دیا تھا۔ قد و قامت، شکل و صورت، قوت و طاقت، شجاعت و جرأت، فراست و معاملہ فہمی، غیرت و حمیت، ذکاوت اور شدت احساس، رقت و جذبات کا تلاطم۔

بلندی آواز اور خوش گوئی 1931ء میں تحریک کشمیر میں اس طرح حصہ لیا۔ کہ گول میز کانفرنس میں انگریز اور وزیر ہند کو کہنا پڑا۔ کہ ہندوستان میں ایک ایسا سحر البیان شخصیت موجود ہے جو بیک وقت دو حکومتوں کو معطل کر کے رکھ دیتی ہے۔

اُن کی آواز میں غضب کا سوز تھا۔ قرآنِ کریم سے والہانہ لگاؤ تھا۔ تلاوت فرماتے تو کسی سحر کا دھوکا ہوتا۔ ڈم ڈم جیل ڈھاکہ میں ایک شب چودیں کا چاند تھا، موج آ گئی اور تلاوت فرمانی شروع کر دی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا۔ کہ قرأت سے چاند بھی مسحور ہو کر ٹھہر گیا ہے۔ تقریباً ایک گھنٹہ گزر گیا۔ کہ پیچھے سے ''پنڈت رام جی لال'' سپرنٹنڈنٹ جیل کی آواز آئی۔ پلٹ کر دیکھا۔ تو اُس کے رُخسار آنسوؤں سے تر تھے۔ ہاتھ جوڑ کر کہنے لگے۔ شاہ جی خدا کے لئے بس کرو۔ دل قابو سے باہر ہو گیا ہے۔ اب رونے کی تاب نہیں رہی۔ چنانچہ اکثر یہ بات مشاہدہ میں آئی۔ کہ شاہ جی کی تلاوت قرآن کریم سننے کے لئے اکثر غیر مسلم بھی دور دراز کا سفر کر کے ان کے جلسوں میں پہنچے۔ اور اُن میں کئی غیر مسلم عورتیں بھی ہوتی تھیں۔

حُب رسول ﷺ ان میں قدرت نے خاص طور پر ودیعت کر رکھی تھی۔ کہتے تھے۔ خدا معبود ہے۔ محمد محبوب۔ خدا کو جو جی آئے کہو۔ وہ خود محاسبہ کرے گا۔ مگر محمد ﷺ کے متعلق سوچ لینا یہ عقل کا معاملہ نہیں۔ عشق کا ہے۔ عشق پر زور نہیں ہوتا۔ یہ نہ سوچا جائے گا۔ کہ قانون کیا کہتا ہے اور جو ہونا ہوگا۔ ہوگا۔ اور جو ہوگا دیکھا جائے گا۔

انگریز سے نفرت جزوِ ایمان

یہی حُب رسول ﷺ کا جذبہ انہیں قادیان لے گیا۔ پھر اس کے بعد 1953ء میں تحریک ختم نبوت میں جو کچھ ہوا۔ وہ ہماری نگاہ سے پوشیدہ نہیں...... کسی ہمدرد نے عرض کیا۔ شاہ جی اب آپ ضعیف ہیں۔ اپنے آپ کو ناقابل برداشت مشقت میں نہ ڈالیے۔ فرمایا۔ ناموس رسالت ﷺ خطرے میں ہے۔ اغیار شمع رسالت بجھانے کے درپے ہیں۔ آپ مجھے آرام کا مشورہ دے رہے ہیں یہ کیوں نہیں کہتے کہ خودکشی کر لوں۔ انگریز سے نفرت اُن کا جزو ایمان رہا۔ فرماتے:

رہے۔ زندگی کی صرف ایک خواہش ہے۔ کہ یا تو انگریز کو ہندوستان سے نکال باہر کروں۔ یا خود اس جدوجہد میں تختہ دار پر لٹک جاؤں۔ اُن کا ایک مخصوص قلندرانہ نعرہ ہوا کرتا تھا۔

ایک دفعہ قید ہوئے۔ تو سپرنٹنڈنٹ جس نے انگریز گورنر کی چھٹی کا حوالہ دیا۔ کہ اگر شاہ صاحب اظہار افسوس کر دیں۔ تو انہیں فوری طور پر کر دیا جائے سپرنٹنڈنٹ کو فرمانے لگے۔ جو کہوں گا۔ جواب لکھو گے۔ اور کہا کہ جب تک زندہ رہوں گا۔ تمہاری جڑوں کو کاٹتا رہوں گا۔

ایک دن انڈین گورنمنٹ کا انگریز ہوم ممبر معائنہ جیل کے لئے پہنچا۔ بولا۔ شاہ جی آپ اچھے ہیں۔ جواب دیا۔ اللہ کا شکر ہے۔ بولا کوئی سوال۔ فرمایا میں سوال صرف اللہ سے کیا کرتا ہوں۔ کہا۔ میرے لائق کوئی خدمت۔ فرمایا۔ ہاں! میرا ملک چھوڑ کر چلے جاؤ۔ راولپنڈی جیل کا سپرنٹنڈنٹ انگریز تھا۔ وہ آپ سے متاثر ہی نہیں تھا۔ بلکہ مرعوب بھی تھا۔

اُس نے ہندوستان کے بارے میں ایک کتاب لکھی ہے۔ جس کا نام ”چند یادیں“ ہے۔ کتاب میں لکھا ہے۔ جن قیدیوں نے مجھے اثنائے ملازمت میں متاثر کیا۔ اُن میں عطاء اللہ شاہ بخاری ایک سیاسی قیدی بڑی ہی دلفریب شخصیت کا مالک تھا۔ اُس کا چہرہ مہرہ چرچ کے اُن مقدس راہبوں کی طرح تھا۔ جن کی تصویریں حضرت مسیح علیہ السلام کی سے مشابہ ہوتی ہیں۔

شاہ جی کی سب پہلو شخصیت کا احاطہ کرنا ناممکن ہے۔ وہ رندوں میں رند تھے اور فقیروں میں فقیر عمر بھر سفر کے لئے تھرڈ کلاس کو پسند کیا۔ استغناء کا یہ عالم تھا۔ کہ کبھی کسی کو مدد کے لئے تکلیف نہ دی۔ ہندوستان میں کافی جائیداد چھوڑ کر آئے تھے۔ اور پاکستان میں اس کے لئے کلیم تک نہ دیا۔ بلکہ کرایہ کے ایک ٹوٹے پھوٹے مکان میں رہتے رہے۔

اول و آخر، ظاہر و باطن مسلمان

مولانا غلام رسول مہر لکھتے ہیں۔

میں اخبار نویسی کے میدان میں قدم رکھنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ اس وقت پہلی مرتبہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا نام سنا۔ لوگ ان کے بیان و خطابت کی سحر انگیزی اور زور و تاثیر

کی ستائش ایسے انداز میں کرتے تھے۔ کہ خیال ہوتا تھا کہ اس میں حقیقت کی جگہ افسانے کا رنگ غالب ہے۔ میں نے 1922ء میں اخبار نویسی شروع کی تو اکثر بڑے بڑے لیڈر اور کارکن قید ہو چکے تھے۔ ان میں خود شاہ صاحب بھی شامل تھے۔ سزائے قید سنا دینے کے بعد انہیں میانوالی جیل بھیج دیا گیا۔ جو عام گذر گاہ سے ہٹا ہوا تھا۔ اور وہاں بالقصد جانے والے لوگوں کے سوا کسی کے پہنچنے کا امکان نہ تھا۔ شاہ صاحب کے بعض رفیق اور دوست پہلے سے وہاں موجود تھے۔ بعض بعد میں وہاں پہنچ گئے۔ بہر حال اس وقت مجھے شاہ صاحب کی زیارت کا شرف حاصل نہ ہو سکا۔

اس طرح میرے دل میں شاہ صاحب کے متعلق محبت و عقیدت کا مخلصانہ جذبات پیدا ہوئے اپنے اور اس مشہور شعر کی حقیقت کا عملی تجربہ پہلی مرتبہ ہوا۔

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد
بسا کہیں دولت از گفتار خیزد

رشتۂ ناز کی استواری

شاہ صاحب قید کی مدت پوری کر کے رہا ہوئے تو کئی سال تک سیاسی دائرے میں ہم نے اکٹھے کام کیا اور خاصا وقت یک جائی میں گذرتا رہا۔ میں نے ان کی وہ تقریریں تو زیادہ نہ سنیں جن کی شہرت سے، پاک و ہند کی فضا گونج رہی تھی۔ اور خطابت میں انہیں قدرت کا ایک خاص عطیہ سمجھا جاتا تھا۔ تاہم یہ حقیقت ہے۔ کہ ان کے متعلق جو کچھ تحریک ترک موالات کے آغاز سے سنتا رہا تھا۔ معلوم ہوا کہ وہ واقفیت کا محض ایک سرسری بلکہ نامکمل چربہ تھا۔ خطابت شاہ صاحب کے خداداد جوہروں میں سے صرف ایک جوہر تھی۔ جسے ان کے فضائل و مکارم میں میرے نزدیک اوّلین درجہ حاصل نہ تھا۔ اگرچہ زمانہ ان سے خطیب ہی کی حیثیت میں روشناس تھا اور اب بھی ان کا ذکر کرتے ہوئے خطابت ہی کو مرکزی وصف بتایا جاتا ہے۔

مجھے وہ اپنے دور کے بہت بڑے انسان نظر آئے۔ کیوں کہ بہت بڑے مسلمان تھے۔ اوّل و آخر ظاہر و باطن مسلمان تھے۔ ان کے وجود کی مادیت و معنویت کا ذرہ ذرہ

اصلاحیت اور صرف اسلامیت سے سرشار تھا۔ ان کی تمام دوسری خصوصیتیں اسلامیت ہی کے مختلف پرتو تھیں۔ جن کی وجہ سے وہ عمر بھر ہر حلقے میں محبوب و ہردلعزیز رہے۔

نادر شخصیت

ان کے سوانح حیات مرتب کرنے کی جرأت میں نہیں کرسکتا۔ اس کے لئے بدرجہا بہتر نظریہ مراتب دقیقہ اس قوت موازنہ اور انتہائی موثر اور دلآویز اسلوب تحریر درکار ہے۔ ان کے فضائل ومحامد بھی ایک سرسری مقالے کے ظرفِ تنگ میں نہیں سما سکتے ان کے لئے بہت وسیع دائرۂ بیان و نگارش کی ضرورت ہے۔ البتہ ان کی سیرت کی چند دل کش جھلکیاں دکھانا چاہتا ہوں۔ صرف چند جھلکیاں۔

شاید اس طرح اندازہ کیا جا سکے کہ وہ کتنی گراں قدر عالی مرتبت اور نادر الاوصاف شخصیت کے حامل تھے۔ اور اسلامیت وانسانیت کی شکل میں ہمارے وطن عزیز کی وہ کتنی بیش بہا دولت وہ میدان عمل میں مصروفِ مجاہدات تھے تو لوگ ان کی زیارت کو باعثِ صد سعادت سمجھتے تھے۔ انہوں نے ہزاروں لاکھوں کے مجمعوں کو اپنے دلآویز خطبات سے سراپا عمل و حرکت بنا دیا۔ انہوں نے اپنی زندگی کا ایک لمحہ حریت و اسلامیت کے لئے جانبازانہ جہاد میں گذار دیا۔ عمر کا خاصا بڑا جزو قید ونظر بندی میں گزارا۔ جو صلاحیتیں قدرت نے انہیں عطا کی تھیں۔ وہ سب بے دریغ اسی راہ میں صرف کر دیں۔ اپنی ذات کے لئے کچھ بھی نہ کیا۔ عمر بھر فقر ان کے لئے سرمایۂ فخر رہا۔ فقر ہی ان کی سب سے زیادہ قیمتی خاندانی میراث تھا۔ اور آج بھی ان کے فقر کا طرۂ آسمان بوس ہے۔ کیا وہ عرفی کے اس شعر کی زندہ مثال نہیں!

باخونِ صد شہید مقابل نہادہ اند
عمرے کہ مابہ آتش افسانہ موختیم!

جہاد اسلامیت وآزادی

ہمارے گردوپیش نفسانفسی کے جو ہنگامے اور موازنہ خدمات کے جو محشر بپا رہے۔

ان سے کون ناواقف ہے؟

جو لوگ لہو لگا کر شہیدوں میں شامل ہوتے تھے۔ انہوں نے ہی اپنے کارناموں کے دفتر تیار کر کے معاوضے میں وہ سب کچھ حاصل کر لیا جو ان کے دسترس میں آسکتا تھا۔ حالانکہ ان کے استحقاق کا معاملہ اصولاً محل نظر تھا شاہ صاحب کی تمام عمر اس قاہر حکومت سے لڑنے میں بسر ہوئی۔ جس نے ہماری ہر مادی اور معنوی ثروت غصب کر کے اپنی رگوں کے لئے زندگی کا خون مہیا کیا تھا۔ پھر ان کا پورا جہاد صرف آزادی کے لئے نہ تھا۔ بلکہ اسلامیت و آزادی کے لئے تھا۔ وہ اپنے وطن کو بھی آزاد دیکھنا چاہتے تھے۔ اور یہاں مسلمانوں کو بھی آزاد تر خوددار تر خوشحال تر اور مخلص تر مسلمان دیکھنے کے آرزومند تھے۔ اپنی عمر انہی مقاصد کے لئے ایسی مصیبتوں اور دلگیریوں میں گذاری۔ جن کا معمولی سا تصور بھی بڑے بڑے مدعیانِ ہمت وجرأت کو رعشہ براندام کر دینے کے لئے کافی ہے۔

مگر کیا کسی خدمت کے لئے کوئی صلہ طلب کیا؟ طلب کرنا رہا ایک طرف کسی خدمت کا ذکر بھولے سے بھی نہیں کیا۔ خوب سوچو۔ خوب غور کرو۔ پھر بتاؤ کہ ہمارے وطن عزیز میں آج ایسی بلند پایہ شخصیتیں کتنی ہیں؟ [1]

اسلامی معیار عظمت

شاہ صاحب بہر حال انسان تھے فرشتہ نہ تھے۔ ان کے ساتھ بھی زندگی کی وہ تمام ضرورتیں وابستہ تھیں جن سے ہر انسان محصور رہتا ہے۔ لیکن صلے کی طلب میں وہ کیوں لاکھوں سے الگ ہو گئے۔ اس لئے کہ انہوں نے جو کچھ کیا وہ اسلامی زندگی کا ایک اہم فرض تھا۔ اور اہل حق کے نزدیک فرض اسی لئے ہوتا ہے کہ اسے بے چون و چرا ادا کیا جائے۔ اگرچہ اسی راہ میں کتنی ہی تکلیفوں، مشقتوں۔ صعوبتوں اور قربانیوں سے سابقہ پڑے۔ یہاں تک کہ جان بھی دے دینے کی نوبت آ جائے تو ایک لمحے کے لئے ادائے فرض سے روگردانی گوارا نہ کی جائے۔ قرآن مجید نے انبیائے کرام علیہم السلام کا اسوۂ حسنہ ہمیں کیا بتاتا ہے؟ یہ

---

1. روزنامہ آزاد امیر شریعت نمبر 7

کہ قوم کو دعوتِ ہدایت دینے کے لئے اٹھے تو فرمایا۔

ہم تم سے کچھ اجر نہیں مانگتے۔ ہمارا اجر تو اللہ کے پاس ہے جس نے ہمیں پیدا کیا۔

جن بزرگ ہستیوں نے اس اسوۂ حسنہ کی پیروی کو اپنا شعار بنایا وہ بھی ہم قوموں یا فکروں سے کبھی کسی اجر کے روادار نہ ہوئے۔ انہوں نے جو کچھ کیا فرض سمجھ کر کیا۔ ان کا مقصد ایک تھا۔ اور وہ یہ کہ خدا کی رضا اور خوشنودی حاصل ہو۔ اس رضا و خوشنودی کے طلبگار اپنے کارناموں کی پاکیزہ دولت کو دنیوی صلوں کی تمنا سے آلودہ کرنے کا خیال بھی دل میں نہیں لا سکتے کاش ہم لوگ سمجھ سکیں اور اندازہ کر سکیں کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کا تعلق اسی حقانی گروہ سے ہے۔

یہی انسان کی عظمت و برتری کی حقیقی اساس ہے۔ افسوس کہ اسی مقدس گروہ کے افراد آہستہ آہستہ دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اور ان کی جگہ لینے والے پیدا نہ ہوئے شاہ صاحب اس وجہ سے بھی حد درجہ عزیز ہیں۔ کہ اس گروہ سے متعلق ہیں۔ اور اس وجہ سے بھی قابل احترام ہیں کہ جماعتی و قومی خدمات کے سلسلے میں صحیح اسلامی معیار کے آخری نمائندوں میں سے ہیں۔[1]

دولت فقر اور سعادتِ اطمینان

یہی لوگ ہیں جن کے کارناموں پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا۔ جس طرف ان کے قدم بڑھے۔ گراں قدر عملی جواہرات کے انبار فراہم ہو گئے خود ان پر نظر پڑی تو فقر و درویشی پر اس طرح مطمئن ملے کہ با اقتدار بادشاہ اپنے تختِ سلطنت پر بھی اس قدر مسرور و مطمئن نہ ہوں گے۔ سچ ہے۔

گر دولت ایں بود کہ بہ درویش دادہ اند
باید گریستن جم و دارا بہ تختِ خویش !

جو قلب مطمئن اللہ تعالیٰ نے شاہ صاحب کو عطا کیا تھا۔ وہ ہر جگہ نظر نہیں آ سکتا۔ اطمینان قلب دولت، اقتدار، فرمان روائی یا وسعتِ اموال پر منحصر نہیں۔ صرف اللہ کے ذکر اور اس کے فضل و عطا پر موقوف ہے۔ پھر سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے اس دور میں خدمت

1 روزنامہ آزاد امیر شریعت نمبر ص 9

اسلامیت و آزادی کا بارِ گراں دوشِ ہمت پر اٹھایا تھا۔ جب اخلاص و ایثار اتنے کمیاب نہ تھے۔ جتنے آج نظر آ رہے ہیں۔ یعنی ترکِ موالات یا لا تعاون کے دور میں اس تحریک میں جن جانبازوں نے حصہ لیا تھا۔ ان میں خاصی بڑی اکثریت مخلص اور ایثار کی ایسی مثالیں بہت کم تحریکیں پیش کر سکتی ہیں۔ شاہ صاحبؒ کو اس جماعت میں ممتاز درجہ حاصل تھا۔ اس سے ان کی عظمت کا اندازہ ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں صاحب دل بنایا تھا۔ اور دل ایسی نعمت ہے کہ ہزاروں جانیں بھی اس کی قیمت نہیں بن سکتیں۔ عرفی نے بالکل درست کہا تھا:۔

ہزار جانِ گرامی بہ نرخ جو نہ خرند
بہ عالمے کہ درد دل بہ کاری آید

آخر جان کی قدر و قیمت بھی تو دل کے ساتھ ہے دل نہ ہو تو جان سے کون سا قابل ذکر کام انجام پا سکتا ہے۔[1]

ان جیسا بیدار مغز، صاحب ایمان اسلام کا شیدائی پیدا نہیں ہو سکتا

شیخ حسام الدین لکھتے ہیں۔

بلکہ اس جگہ اس امر کا اعتراف کرنے میں مجھے کوئی عار نہیں کہ مجھے سیاست کے میدان میں لانے کے لئے ہر چند کہ ڈاکٹر سیف الدین کچلو کا بڑا حصہ تھا۔ لیکن سید عطاء اللہ بخاری کی خطابت کی کشش بھی دراصل اس کی بنیاد تھی۔

مجھے برسوں تک شاہ جی کی رفاقت کا فخر حاصل رہا ہے میں ہمیشہ اُن کی شخصیت کا بڑے غور سے مطالعہ کرتا رہا۔ اور ہر مرتبہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ اُن جیسا بیدار مغز، صاحب ایمان عالم دین، خطیبِ خوش گفتار اور اسلام کا شیدائی پھر پیدا نہیں ہو سکتا۔

ان کی عالی ظرفی کا اندازہ کیجئے کہ میرا کئی مرتبہ سیاسی مسائل پر اُن سے اختلاف بھی ہوا۔ بات کے مختلف پہلوؤں پر گرما گرم بحثیں بھی ہوئیں۔ مگر...... اس قسم کے حالات ساون کے بادلوں کی طرح گزر گئے۔ شاہ جی کے مزاج اور میرے ساتھ برتاؤ میں کبھی فرق نہ

1 روزنامہ آزاد امیر شریعت نمبر ص 32

آیا۔ وہ اپنے طرزِ عمل سے، ایک مجھی کو کیا بلکہ ہر دولت دشمن کو اپنا گرویدہ بنا لینے کا کچھ ایسا ڈھنگ جانتے تھے کہ اس دور کے لوگوں میں وہ بالکل ناپید ہے بلکہ آئندہ بھی اس قسم کی صفات کی جھلک کسی انسان میں مشکل سے دیکھنے میں آئیں گی۔ مجلس میں انتخابات کے موقعہ پر وہ کہا کرتے تھے کہ:۔

"بھائی! انتخاب ووٹوں کی اساس پر نہ کیا کرو۔ بلکہ مسائل اور ضروریات کی روشنی میں ذمہ داریاں سنبھال لیا کرو۔"

چنانچہ مجلس احرار کے زمانے میں انہوں نے احرار زُعما کے اندر ایک ایسی روح پھونک دی تھی۔ کہ وہ کام اور خدمتِ قوم کی لگن میں جماعتی انتخابات کی سطح سے بلند و بالا رہنے کے عادی ہو گئے تھے۔ چنانچہ اسی نظریئے کے تحت 1931ء میں مجھے مجلس احرار کا صدر بنایا گیا۔ حالانکہ میں)(جونیئر موسٹ) تھا۔ لیکن وقت کی ضرورت کے پیش نظر ہم میں اختلافات کو کوئی گنجائش ہی نہ تھی میں مسلسل آٹھ برس تک صدر رہا۔ پھر جب پاکستان بنا تو۔ ماسٹر تاج الدین انصاری نے یہ ذمہ داری سنبھال لی۔

مجلس احرار کی صدارت کے زمانے میں شاہ جی نے ہمیشہ سیاسی۔ مذہبی، دینی اور ملی مسائل کو حل کرنے میں درپردہ میری ایسی رہنمائی کی ... کہ اُن کرم فرمائیوں کے سلسلے میں شاہ جی کی روح کو میں جس قدر خراجِ تحسین ادا کروں کم ہے۔ میں نے شاہ جی کے ساتھ اپنی سیاسی زندگی میں کئی مرتبہ قید و بند کے مراحل بھی طے کئے۔ لاہور، پنڈی اور ملتان کی جیلوں میں بہت سے لیل و نہار ہم نے ایک ساتھ بسر کئے...... جیل کی دُنیا میں بھی میں نے شاہ جی کے مزاج کی اُن خوبیوں کو پژمردہ نہیں دیکھا۔ جو ان کی شخصیت کا ایک حصہ تھیں۔

تکالیف پر مسکراہٹیں نچھاور کرنا تو گویا اُن کا ایک مشغلہ بن گیا تھا۔ اور بے خوف اتنے کہ فرائض کی بجا آوری کے لئے نتائج کی پروا کئے بغیر ہر مقام پر اور ماحول میں دشمنوں سے ٹکرانے کے لئے ہمہ وقت تیار رہا کرتے تھے۔ اور خاص طور پر عشق رسول ﷺ کے معاملے میں تو ان کے جذبات کی مثال اس دنیا میں ملنا ہی ناممکن ہے۔

پیری مریدی میں شاہانہ زندگی بسر کر سکتے تھے

اپنوں، پرائیوں میں میں نے شاہ جی کا جو احترام دیکھا اُس کے پیش نظر کہہ سکتا ہوں کہ اگر سیاست کی وادیوں میں قدم نہ ہی رکھتے تو پیری مریدی کے میدان میں وہ بڑی شاہانہ زندگی بسر کر سکتے تھے۔ اور دنیاوی آسائشیں اور راحتیں اُن کا اوڑھنا بچھونا بن سکتی تھیں۔ لیکن انہوں نے فقر و درویشی کا ایسا شعار اختیار کیا جس پر دنیاوی تکلیفوں کے باوجود وہ زندگی بھر فخر کرتے رہے۔

صاف ستھرا علمی و ادبی ذوق

شاہ جی کی شخصیت کو اللہ تعالیٰ نے جہاں اور بے شمار صفات سے متصف کیا تھا۔ وہاں ایک صاف، ستھرے علمی و ادبی ذوق سے بھی اُن کے مزاج کی آراستگی کی تھی۔ نہ صرف وہ جملوں کی پیوستگی کو خوب سمجھتے تھے۔ بلکہ اشعار کی برجستگی سے بھی کماحقہ آشنا تھے۔ اس سلسلے میں ایک واقعہ خود شاہ جی نے مجھے سنایا تھا کہ سائمن کمیشن کے سلسلے میں الٰہ آباد میں ایک عظیم الشان اجلاس منعقد ہوا۔ پنڈت موتی لال نہرو نے شاہ جی کو اس اجلاس میں شرکت کے لئے بطور خاص بلوایا اور اپنے ہاں ٹھہرایا۔ رات کو جلسے میں، بڑے بڑے راہنماؤں نے دھواں دار تقریریں کیں۔ پنڈت موتی لال نہرو نے سب مقررین کو اس لئے پہلے وقت دیا کہ وہ جانتے تھے کہ شاہ جی کی تقریر کی حدود تو سپیدۂ سحر سے جا ملتی ہیں۔ اس لئے جب سب مقرر بول چکے تو شاہ جی کا نام پکارا گیا۔ اتنے میں سائمن کمیشن کے خلاف ایک احتجاجی جلوس بھی جلسہ گاہ میں آ گیا۔ لوگوں نے سائمن کمیشن کی ارتھی کندھوں پر اٹھا رکھی تھی۔ جسے دیکھتے ہی شاہ جی کو تقریر کا سرآغاز ہاتھ آ گیا۔ انہوں نے حاضرین کو مخاطب کیا۔ اور ارتھی کی طرف اشارہ کر کے اپنے مخصوص لب و لہجے میں بولے

ہوئے تم جو مر کے رسوا ہوئے کیوں نہ غرقِ دریا
نہ کہیں جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

اُدھر الفاظ شاہ جی کے ہونٹوں سے جدا ہوئے اُدھر موتی لال نہرو کرسی صدارت سے اُچھل پڑے اور سامعین میں بھی بخاری زندہ باد کا غلغلہ بلند ہونے لگا۔ بس پھر کیا تھا۔ اسی شعر کی اساس پر انہوں نے خطابت کے وہ وہ جوہر دکھائے کہ مجمع لوٹ پوٹ گیا۔ غالب کے اس ایک شعر نے وہ رنگ دکھایا کہ ایک نہایت مشکل مضمون کی باریکیاں حاضرین پر واضح ہوگئیں۔ وہ سائمن کمیشن کے بارے میں شاہ جی کے خیالات کو چند ہی لفظوں میں پوری طرح سمجھ گئے۔ وہ اپنی تقریر کے کسی ایسے موڑ پر برجستہ شعر استعمال کیا کرتے کہ محسوس ہوتا جیسے شعر اسی موقع کے لئے کہا گیا ہے۔ اُنہیں اُردو۔ فارسی عربی اور پنجابی کے ان گنت اشعار ازبر تھے۔ خطابت میں زبان اتنی فصیح و بلیغ ہوا کرتی کہ نثر پر بھی شاعری کا گمان ہوتا۔ بذلہ سنج اور خوش گفتار ایسے کہ محض الفاظ کی لوٹ پلٹ گفتگو میں طنز و مزاح کے تیور اور نشریت کا اثر پیدا کرنا ان کے بائیں ہاتھ کا کام تھا۔

مجسمۂ اخلاق

اوصافِ حمیدہ اخلاق عظیمہ کا مجسمہ تھے اپنی شخصیت کو ابھارنے کا خیال تک نہ لاتے تھے۔ ہمیشہ دوسروں کے محاسن کا بڑی فراخ دلی سے اعتراف کرتے۔ خود بینی سے احتراز فرماتے۔ اکثر کہا کرتے ”میں تو گندگی کا ڈھیر ہوں۔ اللہ میاں نے سفید چادر ڈال کر اوپر عطاء اللہ لکھ دیا ہے۔ ارے بھائی ہم دوسروں کے عیب کیا دیکھیں ہمیں تو اپنے عیبوں سے فرصت نہیں ملتی۔

ہم نے مجنوں پہ لڑکپن میں اسد
سنگ اٹھایا تھا کہ سر یاد آیا

شاہ جیؒ کی خطیبانہ خصوصیات

جن لوگوں نے شاہ صاحبؒ کی تقریروں اور خطبوں سے براہِ راست استفادہ نہیں کیا، ان کے سامنے ان کے خطیبانہ کمالات کا نقشہ کھینچنا مشکل ہے ہاں اگر دریا کی روانی کا کوئی تصور آپ کے ذہن میں پایا جاتا ہے۔ پھولوں کی نزاکت اور مہک سے آپ آشنا ہیں، آگ کے شعلوں کو آپ نے دیکھا ہے، اور کسی ایسے ذاکر کو سنا ہے جو نغموں کے ساتھ ساتھ اثر سحر اور کیف و وجد کی کیفیات کو بھی سامعین کے دلوں میں اتروا سکتا ہو۔ تو آپ کو شاہ صاحب کی جامعیت تقریر کا کچھ کچھ اندازہ ہو سکے گا۔

مگر ٹھہریئے! ابھی نقشہ کے تمام رُخ آپ کے سامنے نہیں آپائے۔ شاہ صاحبؒ کی تقریروں میں شیر کی گرج، شاعر کے احساسات اور صوفی و عارف کے اخلاص و سرمستیوں کو بھی شامل کیجئے جب کہیں جاکر ان کی خطیبانہ خصوصیات فہم و فکر کی گرفت میں آسکیں گی۔ شروع سے زندگی کا جو نقشہ انہوں نے تجویز کیا اس سے منحرف ہوئے؟ اور جو خیالات و تصورات کو انہوں نے اپنایا۔ ان کی پوری پوری قیمت ادا کی یا نہیں؟ اس سے بھی زیادہ جو چیز ان کی شخصیت کو نکھارنے والی ہے وہ ان کی بے نظیر جرأت و بے باکی ہے۔

سوال یہ ہے کہ:۔ جس جگرداری کے ساتھ انہوں نے انگریز سے ٹکر لی ہے، جس بہادری اور حوصلہ کے ساتھ انہوں نے قید و بند کی سختیوں کو جھیلا ہے اس کوئی مثال ان کے حریفوں میں تلاش کی جاسکتی ہے۔؟

شاہ جیؒ کی عظمت کا راز ان کی عزیمت میں ہے ان کے ایثار میں ہے، ان کی درویشی وفقر میں ہے، ان کے غنا اور بے نیازی میں ہے۔ ملک سے وفا شعاری میں ہے۔ اور راہ ورسم دوستی کی استواریوں میں ہے۔ شاہ جی اپنی ان خداداد قابلیتوں کے بل بوتے پر اگر پیری مریدی کا کاروبار اختیار کرتے تو لاکھوں ہاتھ بیعت کے لئے آگے بڑھتے اور اگر اپنی اس محبوبیت وشخصیت سے کوئی مالی فائدہ اٹھانا چاہتے تو سیم وزر کی کانیں ان کا خیر مقدم کرتیں۔

دنیا چاہتی ہے:۔ شاہ صاحبؒ نے یہ دونوں کام نہیں کئے کیا یہی ایک چیز ان کی عظمت کے لئے کافی نہیں؟ ایک اور پہلو سے ان کی زندگی کا جائزہ لیجئے۔ ہم اس بات کے قائل نہیں ہیں کہ:۔ شاہ صاحب نے یہ دونوں کام نہیں کئے کیا یہی ایک چیز ان کی عظمت کے لئے کافی نہیں؟ ایک اور پہلو سے ان کی زندگی کا جائزہ لیجئے۔

ہم اس بات کے قائل نہیں ہیں کہ:۔ آزادی وحریت کی روشنی کسی ایک ہی دروازے سے داخل ہوتی ہے۔ یا تخت و اورنگ کی بزم آرائیاں تنہا کسی ایک ہی شخص، یا جماعت کی کوششوں کی رہین منت ہوتی ہیں۔ روشنی کئی دروازوں سے صحن تک آتی ہے اور تخت واورنگ کی بزم آرائیوں کے پیچھے کئی تاریخی عوامل ہوتے ہیں جو کارفرما ہوتے ہیں۔ اگر واقعات عالم وتاریخ کا یہ تجزیہ صحیح ہے تو پھر حصول پاکستان کی کامرانیوں کا انتساب ان تمام تحریکوں اور شخصیتوں کی طرف ہوگا جنہوں نے براہِ راست یا بالواسطہ۔ انگریزی استعمار کو ختم کرنے کی کوششیں ہیں۔ یا ہندو کی اجارہ دارانہ ذہنیت پر کاری ضرب لگائی ہے۔ ترتیب اشیاء کو اگر اس انداز سے دیکھئے تو حصول پاکستان کے ضمن میں سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ کا حصہ کسی طرح بھی کم اہم نظر نہیں آئے گا، اس لئے کہ:۔ انہوں نے اس وقت انگریز کے قلعہ اقتدار میں شگاف ڈالے۔ جب اس کے خلاف لب کشائی کی جرات کرنا آسان نہیں تھا۔ اس وقت سلطان جابر کے سامنے آزادی حریت کا کلمۂ حق بلند کیا۔ جب اس کے طوق وسلاسل کی گراں قیمت ادا کرنا لازمی تھا۔

پاکیزہ نورانی صورت، نورانی سیرت کی ترجمان

شاہ صاحب کی پاکیزہ نورانی صورت ان کی پاکیزہ سیرت کی ترجمان تھی...... ان کا شگفتہ چہرہ ان کے کھلے ہوئے اور کھلے دل کا آئینہ تھا۔ ان کی رسیلی آواز، چمکدار آنکھوں سے ان کی طباعی اور ذہانت کا پردہ فاش ہوتا تھا اور ان کے بشرہ کی صفائی ان کے اخلاق کی صفائی اور طبیعت کی ستھرائی کا نشان تھی۔ جس کا ظہور ان کے مجلسی کام اور اجتماعی بیان بلکہ ان کی ایک ایک ادا اور ہیئت کذائی سے ہوتا تھا۔

مرحوم کے چھوٹے چھوٹے فقرے طباعی اور ذہانت کے ساتھ بہت سی حقیقتیں اور دل کی صداقتیں اپنے اندر لئے ہوئے ہوتے تھے۔ جن سے فہیم انسان دور تک پہنچ جاتا تھا۔ ان کی بے نظیر خطابت جہاں اسلامی مقاصد کی ترجمان تھا اسلامی مدافعت کے لئے مضبوط ترین سپر بھی تھی۔ جماعت احرار کے سلسلہ سے انہوں نے قادیانیت کو بیخ وبُن سے اکھاڑ دینے کی مساعی انجام دیں وہ اپنی مثال آپ ہی تھیں۔ جماعت احرار کی قیادت کے زمانہ میں عطاء اللہ کے ہاتھ میں چمکدار تبر اور منہ میں دو دھاری زبان اور باطن میں جرار قلب تھا جس نے جماعت احرار کی قیادت کرتے ہوئے پنجاب سے قادیانیت کا جنازہ نکال دیا جو پھر نہ اُبھر سکی، قادیانیت کا ابطال درحقیقت ختم نبوت کا اثبات تھا اور ختم نبوت عطاء اللہ کا ایمان اور ایمان کا بھی تخم تھا، جس سے ایمان کو نشوونما ملتا ہے اس لئے انہیں قادیانیت کو نیچا دکھانے اور اسے زیروزبر کردینے کا ایک خاص شغف تھا۔ باطل ازم اور بھی ہیں لیکن قادیانیت ہمیشہ ان کی تلوار کی نوک پر رہتی تھی۔ کیونکہ اس کی زد اسلام کی اصلی جڑ بنیاد (ختم نبوت) پر تھی۔

سیاسی لائن میں انگریزی قوت کو توڑنے اور ملک کو آزاد کرانے میں ان کی خدمات نہ صرف یہ کہ کسی لیڈر سے کم نہ تھیں بلکہ عام سیاسی ایجی ٹیشنوں اور مقاومت مجہول کے اقدامات میں روح کا درجہ رکھتی ہیں۔ عطاء اللہ نے اپنی جوشیلی اور ہوشیلی تقریروں سے لاکھوں کے مجمعوں کو ہلا ہلا دیا اور برطانوی اقتدار کے ایوانوں میں زلزلے ڈال ڈال دیئے۔ عوام کے ٹھنڈے قلوب ان کی تقریروں سے آتشیں بن کر لوٹتے تھے اور ان کی امروہہ والی تقریر جو جمعیۃ

العلماء کے پلیٹ فارم پر ہوئی آج تک ضرب المثل کے طور پر یاد کی جاتی ہے جس نے جنگِ آزادی کا ایک نیا موڑ پیدا کیا۔ پھر اردو پارک دہلی کی آتش فشاں تقریریں آج تک اس میدان میں گونج رہی ہیں جہاں مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا شوکت علی مرحوم آرام فرما ہیں، اس وقت یہ لوگ بخاری کی تقریروں سے جذباتی روح پیدا کرتے تھے اور آج ان کی تقریروں کی گونج سے جو انہیں کے قیام گاہ پر ہمہ وقت موجزن ہیں عرفانی روح لے رہے ہیں۔

مولانا محمد علی مرحوم کراچی جیل میں محبوس تھے اور کراچی میں جمعیۃ العلماء کا اجلاس مولانا آزاد صدارت میں ہوا اس وقت جمعیۃ کی مجلس منتظمین میں حضرت شاہ جی کا پہلا چلبلا پن، تیزی طبع، کنوسینگ کے لئے ادھر سے اُدھر اور اُدھر سے ادھر قلبی جذبات کے ساتھ دوڑ دھوپ کا نقشہ گویا آج تک آنکھوں میں ہے۔ اس وقت وہ خلاف معمول ''کھدر'' کا پتلون پہنے ہوئے تھے جو اس وقت کی لیڈرانہ فضا میں تو کھپ رہا تھا مگر شاہ صاحب پر اوپرا معلوم ہوتا تھا اور غالباً بعد میں انہیں بھی اس کا اوپرا پن محسوس ہوا تو پھر کبھی ان پر دیکھنے میں نہیں آیا شاید یہ بار اس پتلون کے لئے پہلی بار ہی تھی اور آخری بار بھی، پھر ہمیشہ انہیں لنگی یا شلوار ہی میں دیکھا گیا اور وہی انہیں زیب بھی دیتی تھی۔

انقلاب سے پہلے جالندھر میں مدرسہ خیر المدارس کے ایک جلسہ میں میں نے تقریر کرتے ہوئے قطبی کی کوئی مثال پیش کی تھی تو مجھے یاد ہے کہ شاہ صاحب نے قطبی سے قطبیت کے مقام کا ذکر چھیڑ کر اقطابِ امت کا تذکرہ شروع کیا اور دریا کی طرح تقریر رواں ہوگئی۔ ان کی تقریروں میں بارہا ایسا ہوا کہ وہ عشاء کی نماز کے بعد خطابت کے اسٹیج پر کھڑے ہوئے خود بھی تقریر میں محو ہو گئے اور سامعین کو بھی از خود رفتہ کر دیا یعنی عطاء اللہ شاہ بخاری تو اپنے اندر گم ہو گئے اور سامعین ان کی تقریر میں گم ہو گئے، تا آنکہ اس گم گشتگی کو صبح کی اذانوں نے چونکایا کہ رات ختم ہو چکی ہے اور صبح صادق نمودار ہو گئی ہے، نہ سامعین کو رات کی خبر ہوئی، کہ کہاں گئی نہ منتظمین جلسہ کو پتہ چلا کہ وقت کہاں سے کہاں پہنچا اور خطیب کے ہوش میں رہنے کے تو کوئی معنی ہی نہ تھے۔

حسن صورت، حسن صوت، حسن طبیعت

حسن صورت کے ساتھ عطاء اللہ کو خدا نے حسنِ صوت کی دولت بھی عطا فرمائی تھی وہ جب قرآن حکیم کی آیتیں تلاوت کرتے تو ان کے نغمہ قرآنی سے قلوب کھنچ کر گویا باہر آجاتے تھے آواز گونج دار ہونے کے ساتھ بلند بھی تھی اس لئے لاؤڈ سپیکر نہ ہونے کی صورت میں بھی ہجوم و اجتماع کی آخری صفیں صف اوّل ہی کی طرح لذت سماع سے بہرہ یاب ہوتی تھیں۔ اثناء تقریر میں موقعہ بموقعہ اشعار کا ترنم باغ و بہار ہوتا تھا۔ موزون صورت اور موزوں صوت کے ساتھ طبیعت کے غیر موزوں ہونے کے کوئی معنی نہ تھے طبیعت بھی اتنی ہی حسین تھی جتنی صورت و سیرت اور صوت ممدوح موزونیت طبع سے کبھی کبھی شاعری بھی کرتے تھے۔ بالخصوص فارسی کا کلام دلکش ہوتا تھا جس کا مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔ سید عطاء اللہ ان بے علم خطباء میں سے نہ تھے جن کی خطابت میں علم نہ ہو، یا محض لفاظی ہی ان کی خطابت کا مادہ ہو بلکہ باضابطہ درس نظامی پر مشکوٰۃ شریف تک عبور کئے ہوئے تھے۔ تعلیم و تعلم کے کوچہ سے نا آشنا نہ تھے۔ قدرت کو ان سے خطابت کا اور خطابت کے راستہ سے اسلام کا کام لینا تھا جو تعلیم و تعلم کے راستہ سے نہیں ہو سکتا تھا...... اگر وہ ادھر لگ جاتے تو اس میں لگ جانے کی بھی ان میں صلاحیتیں تھیں۔ مگر دین کی خدمت تعلیم و تعلم میں منحصر نہیں جس راہ سے ان سے کام لیا جانا طے شدہ تھا وہ خطابت کی راہ تھی تو اس کا ان میں میلان پیدا کر دیا گیا تاہم علمی قوتیں بھی ان میں موجود تھیں اور موجزن رہتی تھیں۔ اس لئے وہ علم کے کوچے سے نابلد نہ تھے۔ قرآن کریم کے مضامین پر بہت خاصا عبور تھا اور اس کے حقائق واشگاف کرنے کا خاص سلیقہ اور ملکہ تھا جس نے من بھر علم کو وہ من کر کے دکھلا دیا تھا۔ بہر حال سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، عالم، عارف، خطیب، شاعر، زعیم، قائدہ اور درویش صفت انسان تھے جن میں قدرت نے بہت سی خوبیاں ودیعت کی تھیں، وہ دنیا سے کیا گئے کہ بہت سی خوبیاں رخصت ہو گئیں۔

ایک عہد ایک ادارہ، ایک انجمن

آغا شورش کشمیریؒ لکھتے ہیں۔

فی الحقیقت وہ ایک عہد، ایک ادارہ، ایک انجمن، اور ایک تاریخ تھے۔ گفتگو طرازی میں ان کا مثیل ملنا مشکل ہے، وہ خاص صحبتوں میں بالکل ایک ادیب، ایک فقیر ایک شاعر، ایک درویش، ایک متکلم، ایک صوفی، ایک نقاد، ایک عالم اور ایک دوست ہوتے تھے۔ ان میں سے جس تار کو بھی چھیڑ لو، وہی نغمے پھوٹنے لگتے...... پھر گلفشانیِ گفتار، بہار کی طرح پھیلتی چلی جاتی تھی۔ ایک نقص یہ ضرور تھا، کہ اپنی گفت گو لکھنے نہیں دیتے تھے۔ حکمتوں اور بذلہ سنجیوں میں تو وہ اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا ارشاد تھا، کہ...... شاہ جی کی باتیں عطاء الٰہی ہوتی ہیں۔

1 شاہ جیؒ کی ساری زندگی سیاسیات کے چکر میں بسر ہوئی، گو عمر کا غالب حصہ دین ہی کی خدمت میں گذارا، مگر کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ سیاسیات سے دستبردار ہونے کی خواہش کے باوجود چودہ اگست 1947ء تک اپنے آپ کو سیاسیات سے الگ نہ کر سکے، لیکن شہید گنج کے انہدام کے بعد اُن کا یہ عقیدہ پختہ ہو چکا تھا، کہ سیاسیات کا مطلب فتنہ خیزی، فتنہ پروری اور فتنہ انگیزی ہے...... فرماتے، سارے قرآن میں، پالیٹکس کے مفہوم میں سیاست کا لفظ نہیں؟ اس کے معنی ہی مکر کے ہیں۔ اور فرنگی مقامروں کی ایجاد ہے۔ جس کا مطلب ہی فریب دہی ہے...... سیاسیں کے وعدے پورا ہونے کے لئے نہیں کئے جاتے، بلکہ ٹالنے کے لئے

کئے جاتے ہیں۔

شہادت حسینؓ پر کبھی تقریر نہیں کی

2 حضرت امام حسینؓ کی شہادت پر کبھی تقریر نہیں فرمائی۔ اُن جیسا لسان جو خطابت کے سحر سے وقت کو گوش بر آواز کر لیتا تھا سانحہ کربلا پر بولنے سے طرح دیتا رہا۔ کئی دفعہ دوستوں نے اصرار کیا، کہ عاشورہ کے دنوں میں سانحہ کربلا پر تقریر فرمایئے، انکار ہی کرتے رہے۔ ایک دن میں نے سبب پوچھا، تو کہا...... کس طرح بیان کروں کہ نانا کا کلمہ پڑھنے والوں کے ہاتھوں نواسوں پر کیا بیتی؟ مجھ میں حوصلہ نہیں کہ اس سانحہ کو بیان کر سکوں...... اپنے اندر طاقت نہیں پاتا البتہ اپنے حال پر غور کر کے دل کو تسلی دے لیتا ہوں، کہ مسلمانوں کی "پرانی سنت" (عادت) ہے۔

3 جن دنوں بعض سیاسین کی بدولت مدح صحابہ اور تبرا ایجی ٹیشن کا زور بندھا ہوا تھا۔ شاہ جیؒ نے دہلی دروازہ کے باہر ایک عظیم الشان جلسہ کو خطاب کیا، اور فرمایا قدح صحابہ کرنے والو، خدا کے خوف سے ڈرو۔ اتنے میں کسی نے دور کونے سے آواز دی۔

"شاہ جی! خدا کا خوف کریں۔ سید ہو کر خلافت کے غاصبوں کی (معاذ اللہ) مدح کرتے ہو۔"

بس یہ ایک جملہ بخاری کو جلال پر لے گیا۔ فرمایا کیا کہتے ہو؟ میں علی کا بیٹا ہوں، اور صدیق، عمر، عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی مدح کرتا ہوں، پہلے بھی کرتا رہا ہوں، اور آئندہ بھی کرتا رہوں گا تم کون ہو؟ ہائے وہ لوگ جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں جگہ ملی ہو تم انہیں گالی دیتے ہو۔ ظالمو! حشر کے دن آقا کو کیا جواب دو گے؟ پھر اس کے بعد خلفائے راشدین کے فضائل و مناقب پر وہ تقریر کی کہ جیسے شہپر جبرئیل ان کی خطابت کا ہالہ کئے ہوئے تھے۔

4 کسی شیعہ دوست نے سوال کیا۔ "علیؓ اور عمرؓ میں کیا فرق ہے فرمایا، بڑا فرق ہے، علیؓ مرید تھے، عمرؓ مراد حضورؐ نے خود ان کی آرزو کی، اور اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگی تھی میں علیؓ کا بیٹا ہوں۔ نفس (جی) میرا بھی چاہتا ہے کہ سب کچھ انہیں کی جھولی میں ڈال دوں، مگر عمرؓ چھوڑتے نہیں، وہ خود منواتے ہیں، عمرؓ کو نکال دو، اور سوچو کہ تاریخ

اسلام میں رہ کیا جاتا ہے؟

5۔ درگاہ امام ناصر جالندھر کے جلسے میں کسی نے اس وقت کے اختلافی مسئلے زیارت قبور کا مسئلہ چھیڑ دیا، مخالفوں نے شاہ جی کے بارے میں مشہور کر رکھا تھا کہ وہابی ہیں سوال کیا گیا، کہ آپ کا زیارت قبور کے بارے میں کیا خیال ہے، فرمایا۔

اپنے اپنے ظرف اور ذہن کی بات ہے۔ کچھ لوگ انگور نعمت خداوندی سمجھ کر کھاتے ہیں، کچھ اس میں شراب نکالتے، اور عقل کی بازی بدلتے ہیں...... میں بھی اس مزار کی زیارت کر کے آیا ہوں، اور تم بھی زیارت کرتے ہو، میں خدا کے فضل وکرم سے کچھ لے کر آیا ہوں، اور تم ایمان میں سے کچھ دے کر آتے ہو۔ ع

سبو اپنا اپنا ہے جام اپنا اپنا

سیرت کا موضوع نازک

6۔ سیرت کے ایک جلسہ میں فرمایا، یہ بڑا نازک مضمون ہے سیاسی تقریر ہو، ایک آدھ جملہ نیچے اوپر یا اِدھر اُدھر ہو جائے، تو ڈر نہیں لگتا، زیادہ سے زیادہ قید ہو جاتی ہے۔ سال، دو سال پانچ سال، لیکن سیرت یا حدیث کے مضمون پر بولتے ہوئے ایک آدھ جملہ بھی کم وبیش ہو جائے، تو ایمان کا ضیاع ہے، اور دوزخ کی آگ، اس میدان میں بخاری بزدل ہے جہنم کے قید خانے کی تاب اس میں نہیں ہے......

7۔ حضور ﷺ کی بشریت کے منکرین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

"بھائی لوگو! آپ کے کبوتروں کی بھی نسل ہو، اور بٹیروں کی بھی...... لیکن ایک ہم سید ہی ایسے ہیں، کہ جن کی نسل نہیں، حضور ﷺ کو تم بشر نہیں مانتے ہو، تو پھر ہم کس کی اولاد ہوئے؟

8۔ فرمایا۔ (بحوالہ مولانا قاری محمد طیبؒ) علماء اسلام کی پولیس ہیں، ان کا فرض ہے کہ قانون کا احترام کرائیں۔ اہل حال بزرگوں کو جو کچھ کہنا ہے، اپنے تک محدود رکھیں۔ اگر وہ کھلم کھلا قانون اسلام کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوں گے، تو ہم انہیں پکڑ لیں گے، خواہ عدالت

میں چھوٹ ہی جائیں۔

9۔ کسی نے سوال کیا...... شاہ جیؒ یہ مردے سنتے ہیں کہ نہیں، فرمایا، "سنتے ہوں گے جن کی سنتے ہوں گے، ہماری تو زندے بھی نہیں سنتے ہیں۔"

اس نے دوسری مرتبہ پوچھا آپ نے فرمایا جب ہم مریں گے تو پتہ چل جائے گا اگر سن لیں گے تو اور بھی سنتے ہوں گے۔ اس کی پھر بھی تسلی نہ ہوئی اس نے چوتھی مرتبہ مذکورہ بالا سوال دہرایا تو آپ نے فرمایا مردے تین قسم پر (1) جو ہر وقت باہر جگہ سے، ہر حال میں سنتے ہیں بعض وہ ہیں۔ جو کسی وقت کسی حالت میں، کسی جگہ سے نہیں سنتے۔ تیسرے وہ ہیں جو کبھی کبھی سن لیتے ہیں اور کبھی نہیں سنتے۔ جب اس نے وضاحت طلب کی تو فرمایا۔ کہ بریلویوں کے مردے ہر وقت، ہر حالت میں، ہر جگہ سے سنتے ہیں۔ غیر مقلدوں کے کسی وقت، کسی حالت میں، کسی جگہ سے نہیں سنتے، دیوبندیوں کے کبھی کبھی سن لیتے ہیں اور کبھی نہیں سنتے۔ (عجیب قسم کی تعریض ہے)

حاضرین ہنس پڑے مسئلہ ختم ہو گیا۔

10۔ موری دروازے کے باہر کندن شاہ کا تکیہ ہے جسے عام لوگ گھدو شاہ کہتے ہیں، اس سے پیوست کبھی ایک باغ تھا، جہاں کانگریس کے جلسے ہوتے تھے، سائمن کمیشن کے زمانے میں شاہ جی نے یہاں ایک تقریر کی...... سرکاری لوگوں نے اس تکئے کے چرسیوں، بھنگیوں اور سلفہ بازوں کو رنگ میں بھنگ ڈالنے کے لئے اُکسایا، وہ سلفہ کا کش کھینچ کر یا علی مدد کے نعرے لگانے لگے...... شاہ جیؒ نے کروٹ بدلتے ہوئے کہا۔

او چرسیو! یہ غلاظت پی کر میرے باپ علی ؓ کا نعرہ کیوں لگاتے ہو؟ کیا تمہارے باپ دادا نہیں ہیں......

(کیا بات کس شگفتگی سے کہی ہے۔)

11۔ ایک وکیل نے رمضان کے دنوں میں شاہ جی سے بزعم خویش مذاق کرتے ہوئے کہا حضرت علماء تعبیر وتاویل میں ید طولیٰ رکھتے ہیں، کوئی ایسا نسخہ تجویز فرمائیے کہ آدمی کھاتا پیتا

رہے، اور روزہ بھی نہ ٹوٹے...... فرمایا سہل ہے، قلم و کاغذ لے کر لکھو!

"ایسا مرد چاہئے، جو اس وکیل صاحب کو صبح صادق سے مغرب تک جوتے مارتا جائے، یہ جوتے کھاتے جائیں اور غصے کو پیتے جائیں اسی طرح کھاتے جائیں اور پیتے جائیں۔"

فرمایا...... جاؤ اس طرح کھاتے پیتے رہو، روزہ کبھی نہ ٹوٹے گا......

12۔ اسلامیہ کالج کے طلبہ نے کہا۔ شاہ جی، کالج میں داڑھی رکھ کر جانا مشکل ہے فرمایا "ہاں بھائی اسلامیہ کالج میں مشکل ہے خالصہ (سکھوں کا) کالج میں آسان ہے۔"

مسلم کانفرنس کے ٹوڈیوں کا زمانہ تھا کسی تحریک میں لوگ جیل جا رہے تھے۔ شاہ جی، مولانا ظفر علی خاں کی صدارت میں تقریر کر رہے تھے۔ "زمیندار" کی ضبطی پر چندہ کی فراہمی کا ذکر آ گیا۔ ایک شخص نے دور سے کہا یہ چندہ کھا جاتے ہیں۔"

فرمایا، بھائی چندہ ہی کھاتے ہیں، سور تو نہیں کھاتے، اور مجمع زعفران ہو گیا...... پھر فرمایا۔

"ان تنظیموں کو چندہ دو، یہ لوگ قربانی کے بکرے ہیں۔ کھائیں گے تو جیل جائیں گے، پھانسی پر چڑھیں گے۔ قربانی کے بکروں کو بھوکا مارنا چاہتے ہو"......

کسی نے کہا، شاہ جی مجلس کے بعض لوگ اب لیگ میں چلے گئے ہیں، یعنی اس سے تعاون فرما رہے ہیں۔ فرمایا، ہاں بھائی، کچھ حسینؓ کے پیرو کار تھے۔ کربلا میں ذبح ہو گئے کچھ حسنؓ کے پیرو کار ہیں، انہوں نے صلح و آشتی کی راہ اختیار کی، دونوں کے اسوۂ حسنہ کی پیروی ہو گئی پاکستان بن جانے کے فوراً بعد راولپنڈی میں کسی دینی جماعت کا ایک جلسہ تھا۔ شاہ جیؒ بھی مدعو تھے۔ راجہ غضنفر علی خاں تب وزیر تھے، اور جلسہ کے صدر انہوں نے شاہ جی کو دعوت تقریر دیتے ہوئے کہا کہ:۔

شاہ جیؒ جس لیگ کے مخالف تھے، اسی لیگ نے انہیں پناہ دی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ طنزیہ جملہ تھا، شاہ جی نے اٹھتے ہی جواب دیا...... ہاں بھائی، یہ پناہ آج سے نہیں مل رہی۔ اس کی بڑی لمبی تاریخ ہے، میرے ابا کو بھی پٹنے کے بعد تمہارے ابا کے گھر میں پناہ ملی تھی۔

اور مجمع پر یکا یک سناٹا چھا گیا۔ فرمایا، ہمارے ہاں نوجوانوں کا عجیب مزاج ہو گیا ہے، بلکہ فطرت...... جو لڑکا میٹرک میں فیل ہوتا ہے۔ باٹا شو کمپنی میں سیلز مین ہو جاتا ہے یا سی آئی، ڈی کے ملائکہ، مقدسین کا انفارمر بن کرناپا پھرتا ہے۔ ختم نبوت کی تحریک کے دنوں میں سندھ کی کسی جیل میں محبوس تھے، ایک بہت بڑا سرکاری افسر ملنے کے لئے گیا باتوں باتوں میں کہنے لگا...... شاہ جی، اب اسلامی حکومت ہے، پہلے جیل جاتے تھے، تو لوگ قدر کرتے تھے، اب تو وہ دن نہیں رہے، لوگ بھول جائیں گے...... چھوڑیئے اس قضیہ کو، باہر آ کر کوئی اور کام کیجئے۔ فرمایا ٹھیک ہے بھائی، لیکن میں کبھی لوگوں کے لئے جیل نہیں گیا۔ میں تو اسلام اور آزادی کے لئے جیل جاتا ہوں۔ رہا اسلامی حکومت کا سوال تو مجھے تم سے اتفاق ہے۔ مگر یہ نہ بھولو، کہ اسلامی حکومتوں میں کچھ لوگ جیل میں رہا کرتے ہیں اور کچھ لوگ تخت پر کچھ گوالیار کے قلعہ میں، کچھ دہلی کے قلعہ میں۔

کسی نے ایک بڑی گدی کے سالانہ عرس میں سوال کیا، مزاروں کے بارے میں کیا رائے ہے، فرمایا...... میں اس سوال کی بنیاد کو سمجھتا ہوں۔ بہر حال ایک مزار اقدس میرے آقا، میرے ہادی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ طیبہ میں بن چکا ہے، اب دوسرا مزار میرے نزدیک شرک فی النبوۃ ہے۔[1]

مجموعہ محاسن

مولانا تاج محمودؒ لکھتے ہیں۔

شاہ جی کی ذاتِ گرامی بے شمار محاسن کا مجموعہ تھی۔ وہ نظر بہ ظاہر ایک انسان تھے۔ لیکن حقیقت میں قدرت نے انہیں کئی انسانوں کے کمالات و اوصاف سے نوازا تھا۔ وہ عشق رسول ﷺ میں ڈوبے ہوئے عالم۔ بے مثال مفسر قرآن۔ فصیح اللسان مبلغ اسلام۔ بڑے دل گردے کے مجاہد۔ ہمہ تن ایثار۔ سراپا اخلاص۔ وجیہہ صورت۔ مضبوط ڈیل ڈول۔ سرفروش غازی۔ سحر طراز مقرر۔ انقلاب انگیز خطیب۔ پرسوز قاری۔ باخدا مرد مومن اور سب سے بڑھ

1. چٹان سالنامہ ص 71

کر یہ کہ وہ ایک عظیم انسان تھے۔

ان کے خیالات میں آسمانوں کی بلندی۔ عقائد میں پہاڑوں کی پختگی۔ زبان میں دریاؤں کی روانی۔ جلال میں تلواروں کی کاٹ اور جمال میں صبا کی لطافت پائی جاتی تھی۔ وہ نبی نہ تھے بلکہ ان کی زندگی حضور سرور کائنات ﷺ کے اس ارشاد کی شہادت و اشاعت میں گزری کہ:۔

اَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّینَ لَانَبِیَّ بَعْدِیْ o

لیکن شکل وصورت سے لے کر نشست و برخاست تک ہر بات میں پیغمبرانہ انداز رکھتے تھے۔ اُن کے جس کمال اور جس خصوصیت پر غور کیا جائے۔ حافظ شیرازی کا یہ شعر یاد آجاتا ہے ؎

زفرق تا بقدم ہر جا کہ مے نگرم
کرشمہ دامنِ دل مے کشد کہ جا اینجا است

ہم نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا نہیں ان کے حالات سیرت و تاریخ کی کتابوں میں پڑھے ہیں۔ شاہ جی کی زندگی عبادت و ریاضت سے لے کر لطافت و ظرافت تک انہیں اکابر کی زندگیوں کا عکس جمیل تھیں...... اگر چہ فیاضِ ازل نے بڑی فیاضی سے انہیں بے شمار ملکات وصفات ودیعت فرمائے تھے لیکن ان کمالات میں جو چیز سب سے نمایاں تھی اور جس کی بدولت شاہ جی آسمان شہرت پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے وہ ان کی خطابت تھی معلوم ہوتا ہے کہ حسب ونسب کی شرافت ونجابت سے لے کر آواز کی سحر طرازی اور الفاظ کی فصاحت و بلاغت تک کی تمام نعمتیں انہیں خطابت کے لئے عطا کی گئی تھیں۔ لاکھوں کے مجمع میں جب تشریف لاتے تو لوگوں کی گردنیں اٹھنے لگتیں۔ دلوں کی دھڑکنیں تیز ہو جاتیں۔ مجمع سے منظم اور غیر منظم نعرے بلند ہونے شروع ہوتے۔ ایک ہی وقت میں ایک گوشہ اللہ اکبر پکار رہا ہوتا۔ دوسرا زندہ باد کے نعروں سے آسمان سر پر اٹھا لیتا غرض مجمع میں ایک غلغلہ بپا ہو جاتا۔ بیٹھ جائیے۔ بیٹھ جائیے، سٹیج پر تشریف لا رہے ہیں۔ آپ انہیں بخوبی دیکھ سکیں گے۔ ذرا بیٹھ

جائیے۔ لیکن کون سنتا آدھے کھڑے آدھے بیٹھے ہیں۔ کھڑے ہونے والے بیٹھ رہے ہیں اور بیٹھے ہوئے کھڑے ہو رہے ہیں۔ ایک عجیب وارفتگی اور شوق معلوم ہوتا۔ شاہ جی بڑے عجیب وغریب انداز سے آتے، پنڈال نعرۂ تکبیر سے گونج اٹھتا اور جب وہ اسٹیج پر پہنچ کر ستاروں میں چاند کی طرح بیٹھ جاتے تو لوگوں کا شور وغل اور جلسے کی افراتفری سکون وسکوت میں بدل جاتی، ہُو کا عالم طاری ہو جاتا۔ اب شاہ جی مجمع کے سامنے آتے تھوڑی دیر کھڑے رہتے کچھ پڑھ کر دائیں ہاتھ کی انگلیوں اور ہتھیلی پھونکتے ہاتھ منہ پر پھیر لیتے۔ میرا زندگی بھر یقین رہا کہ جب شاہ جی مجمع کے سامنے کچھ پھونکتے تھے تو آپ کے دل کا تعلق کسی اور ہی جگہ ہو جاتا تھا ؏

سیماب لفظ لفظ اترتا ہے عرش سے

ایک دفعہ سامنے پھر دائیں بائیں غور سے مجمع کو دیکھتے۔ پھر خطبہ کی آیات[1]

حجازی لے میں قرآن پڑھنا

اور درود پاک حجازی لے میں پڑھتے۔ عوام کے دل ودماغ مسحور ہو جاتے عناصر پر سکتہ طاری ہو جاتا۔ ایسا محسوس ہوتا کہ عالم ارواح اور عالم ملکوت بھی شاہ جی کی آواز پر متوجہ ہو گئے۔ تقریر شروع ہوتی، منہ سے پھول جھڑنے لگتے۔ ہاتھ اٹھاتے ہلاتے تو محسوس ہوتا کہ عوام پر جادو کر رہے ہیں۔ آیات واحادیث کا ایک ذخیرہ اور ان کی ایسی اچھوتی تشریح وتفسیر کرتے کہ عقل دنگ رہ جاتی۔ عربی فارسی اردو پنجابی کے شعر ایسے برمحل پڑھتے گویا انگشتری میں نگینے جڑ رہے ہیں۔ لطائف وظرائف بیان کرتے تو مجمع کشت زعفران بن جاتا۔ کبھی ہنسا دیتے کبھی رلا دیتے۔ رات ڈھل جاتی، سحر قریب ہو جاتی اور وہ پڑھ رہے ہوتے ؎

نہ ہر کہ چہرہ برا فروخت دلبری داند
نہ ہر کہ آئینہ ساز و سکندری داند
ہزار نکتۂ باریک تر ز مو اینجاست

---

1 چٹان لاہور سالنامہ 1962ء ص 27

نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

نہ کسی کو سردی گرمی کا احساس رہتا۔ نہ کسی کو نیند و آرام کا خیال۔ اگر کسی کو کوئی فکر دامن گیر ہوتی تو صرف یہ کہ کہیں رات ختم ہونے کے ساتھ ہی شاہ جی کی تقریر بھی ختم نہ ہو جائے۔ اکثر ایسا بھی ہوا کہ شاہ جی کی تقریر میں صبح کی اذان ہوئی اور شاہ جی چونک کر موذن کو پکار اٹھے

تری آواز مکے اور مدینے

تب تقریر ختم کر دیتے۔ لوگ اصرار کرتے شاہ جی کچھ اور فرمائیں "بھائی رات ختم ہوگئی" اور شاہ جی عموماً اس شعر پر ختم کر دیتے

وسعتِ دل ہے بہت، وسعتِ صحرا کم ہے
اس لئے مجھ کو تڑپنے کی تمنا کم ہے [1]

دل و دماغ مسخر کر لیتے

شاہ جیؒ کی تقریریں لوگوں کے دل و دماغ کو کیونکر مسخر کر لیا کرتی تھیں یہ ایک لمبی داستان ہے جس کی یہاں گنجائش نہیں۔ انہوں نے اپنی خطابت سے بڑے بڑے طوفانوں کو روکا۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے معرکے سر کئے۔ صرف چند واقعات عرض کرتا ہوں جن سے اندازہ ہوگا کہ وہ کس طرح لوگوں کے دلوں پر قبضہ کر لیا کرتے تھے۔

خان غلام محمد خاں لونڈ خور نے سنایا کہ میں نے نہ تو شاہ جیؒ کو دیکھا ہوا تھا اور نہ ان کا خاص معتقد تھا میرا سیاسی مسلک بھی ان سے جدا تھا۔ ایک دفعہ عشاء کے وقت دلی دروازہ کے باہر سے گزرا تو شاہ جیؒ تقریر کر رہے تھے۔ میں بڑے ضروری کام میں تھا۔ اس خیال سے رُک گیا کہ جس مقرر کی اتنی شہرت ہے اُسے پانچ منٹ سن لوں۔ میری عادت یہ ہے کہ میں جلسہ میں ایک جگہ بیٹھ نہیں سکتا۔ خود اپنے جلسے بھی گھوم پھر کر دیکھتا اور سنتا ہوں۔ میں پانچ منٹ تک شاہ جیؒ کی تقریر سنتا رہا پھر سوچا تھوڑی دیر اور سن لوں۔ ان کا سحر تھا کہ کھڑے کھڑے بیٹھ گیا۔

1 چٹان لاہور ص 27

بیٹھے بیٹھے تھک گیا تو لیٹ گیا اور لیٹے لیٹے ساری رات تقریر سنتا رہا اور ایسے حواس گم ہوئے کہ اپنا کام ہی بھول گیا۔ یہاں تک کہ صبح کی اذان بلند ہوئی شاہ جیؒ نے تقریر کے خاتمے کا اعلان کیا تو مجھے خیال آیا کہ اوہو! ساری رات ختم ہوگئی یہ شخص تقریر نہیں کر رہا بلکہ جادو کر رہا تھا۔ [1]

قتل کے لئے آنے والا گر کر تڑپنے لگا

حاجی قائم دین لائل پور میں کپڑے کے بہت بڑے تاجر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں دین و دنیا دونوں بڑی فیاضی سے عطا کی ہیں۔ شاہ جی کے مخلص دوستوں میں سے تھے۔ تقسیم سے قبل آگرہ میں تھے انہوں نے واقعہ سنایا کہ ایک دفعہ شاہ جیؒ آگرہ میں مارکیٹ کی چھت پر منعقدہ جلسہ میں تقریر کر رہے تھے۔ حجازی لے میں قرآن مجید کی آیات پڑھیں تو ایک نوجوان تڑپ کر چھت کے کنارے کی دیوار سے چھت پر آن گرا، مرنے سے تو بچ گیا لیکن وجد اور جذب کی حالت میں ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگا۔ لوگوں نے اٹھایا تو اس کے چھرا بر آمد ہوا، اسے شاہ جی کے پاس لایا گیا۔ شاہ جی نے اپنا لعاب دہن اس کے منہ میں ڈالا کچھ پڑھ کر پھونکا اور محبت نے پاس بٹھالیا جب اسے ہوش آیا تو اس نے انکشاف کیا کہ مجھے تو شاہ جی کے قتل کے لئے بھیجا گیا تھا لیکن شاہ جی کا خطبہ اور قرآن مجید سن کر میں بے تاب اور بے ہوش ہو کر گر پڑا پھر اس کے بعد مجھے کچھ ہوش نہیں۔

ایک دفعہ شاہ جیؒ علی گڑھ کے کسی جلسہ میں تقریر کرنے تشریف لے گئے۔ کالج کے طلبہ نے تقریر سننے سے انکار کر دیا۔ ایسا ہنگامہ بپا کیا کہ تقریر کرنا محال ہو گیا۔ شاہ جیؒ نے دیکھا کہ بچے برافروختہ ہیں۔ کوئی اور نصیحت کارگر نہیں ہوتی تو فرمایا اچھا بیٹا قرآن مجید کا ایک رکوع پڑھ دیتا ہوں اور جلسہ تمہارے احترام میں ختم کرنے کا اعلان کرتا ہوں۔ طلبہ خاموش بیٹھ گئے شاہ جی نے انتہائی دلسوزی سے نیم خورد آواز میں قرآن مجید پڑھنا شروع کیا۔ چشم و گوش اور در و دیوار جھوم گئے۔ تلاوت ختم ہوئی تو فرمایا بیٹا کیا خیال ہے اس کا ترجمہ بھی کروں۔ آواز آئی ضرور ترجمہ بھی کر دیجئے۔ اب ترجمہ شروع ہوا پھر ترجمے کے بعد تفسیر و

1 الفراز ص 27

تشریح کا سلسلہ دراز ہوتا چلا گیا، یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔ شاہ جی نے تقریر ختم کی طلبہ نے شور مچایا، شاہ جیؒ خدا کے لئے کچھ اور بیان کیجئے۔ فرمایا بیٹا کبھی پھر آؤں گا تو تقریر سناؤں گا۔[1]

ان کی خطابت میں تمام مسائل زیر بحث آتے

شاہ جی ایک صاحب طرز خطیب تھے ان کی خطابت میں سیاست مذہب معاش اور معاشرت بھی ہر قسم کے مسائل زیر بحث آتے۔ لیکن اُن کی خطابت کا مرکزی نقطہ جس کے گرد نہ صرف ان کی خطابت بلکہ ان کی پوری زندگی گردش کرتی تھی وہ عشق رسول تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ شاہ جی کے کل محاسن ان کی خطابت کے لئے تھے اور ان کی خطابت عشق رسول کے لئے تھی۔ انہی کی ایک نعت شریف کا مطلع اور مقطع ہے

سُبْحَانَ مَنْ یَّرٰی چہ شانِ محمد است
لولاک ذرۂ زجہانِ محمد است
سر قضا و قدر ہمین است اے ندیم
پیکانِ امر حق زکمانِ محمد است

حضور سرورِ کائنات ﷺ کے فضائل کو عشق و محبت میں ڈوب ڈوب کر بیان کرتے۔ حضور ﷺ کے لئے الفاظ و القاب کا انتخاب خاص اہتمام سے کرتے تھے۔ اگر کوئی معیاری نعت آپ کے سامنے پڑھی جاتی تو اس کے الفاظ و آواز پر سر دھنتے۔ ایک دفعہ لاہور میں ایک رضا کار نے نعت پڑھی سبحان اللہ سبحان اللہ پڑھتے ہوئے جھومنے لگے میری آنکھوں میں ابھی تک وہ نقشہ ہے۔ شاہ جی جذب و مستی کے عالم میں جھوم رہے تھے حتیٰ کہ ان کے گھنگھریالے بالوں پر بھی اسی جذب و مستی سے "وجد" کی حالت طاری تھی۔ ایک شعر پر جس میں سرورِ عالم ﷺ کے فقر و فاقہ اور سیدۃ النساء کی روائے مبارکہ کی کہنگی کا ذکر تھا کھڑے ہوگئے، اور کھڑے کھڑے جھومتے رہے۔ جب وہ کیفیت ختم ہوئی تو فرمایا، کہ سید دو عالم ﷺ کے ذکر مبارک پر قیام کرنے کا مقام تھا۔

---

1. ایضاً ص 27

مردِ مومن و مجاہد کی زندہ تصویر

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ۔ ناظم جمعیۃ العلماء ہند دہلی لکھتے ہیں۔

اُن کی شخصیت اس دور کی ایک عظیم اور باکمال شخصیت تھی۔ خدا تعالیٰ نے اُن کو مخصوص و ممتاز صلاحیتوں سے نوازا تھا وہ انتہا درجہ سادگی پسند، قناعت گزین اور توکل شعار انسان تھے۔ ان کی طبیعت حد درجہ بے لوث و بے غرض واقع ہوئی تھی۔ اپنے رہن سہن۔ وضع قطع، بول چال۔ میل جول اور ہر ادا میں وہ سادگی کا پیکر اور "مردِ مومن و مجاہد" کی زندہ تصویر تھے۔ شاہ صاحبؒ بجا طور پر اس صدی کے اُن علماء حق میں شمار کئے جائیں گے جنہوں نے اپنے فکر و عمل کی تمام صلاحتیں انسانی سماج کی بے لوث و بے خوف خدمت کے لئے وقت کیں اور اُن کی پوری زندگی جہاد و عمل کا ایک نمونہ بنی۔

شاہ صاحبؒ کو دین و ملت سے وہ شغف تھا جو مردِ مومن کا شعار ہے۔ خدا تعالیٰ نے اُن کو خطاب و بیان کی بے مثال صلاحیت بخشی تھی اور ساتھ ہی دل بھی وہ عطا فرمایا تھا جو سعی و عمل کے جذبات اور حق پسندی و حق گوئی کی سدا بہار امنگوں سے معمور تھا۔ اُن کی یہ مخصوص صلاحتیں سرتاسر خداداد صلاحتیں تھیں جن میں کسب و تصنع کو کوئی دخل نہ تھا۔ زہے سعادت! کہ شاہ صاحبؒ نے اپنی یہ تمام صلاحتیں خدمتِ دین و ملت اور خیر خواہی وطن کی راہ میں صرف کیں اور یہی اُن کی شخصیت و کردار کا نشانِ امتیاز ہے۔[1]

---

1. چٹان لاہور ص 32

خدا ساز مقرر و خطیب

ملک کی زندگی میں شاہ صاحبؒ ایک سحر آفرین خطیب اور بے مثال مقرر کی حیثیت سے نمودار ہوئے اور بہت ہی جلد عوام و خواص کے دلوں پر چھا گئے۔ دنیا کی کسی بھی زبان میں اس شان کے خطیب کم بہت کم ہو سکتے ہیں کوئی دینی اور مذہبی عنوان ہو یا کوئی سیاسی اور سماجی موضوع وہ جس سلاست ان کی برجستگی اور بے تکلفی کے ساتھ گھنٹوں تقریر کرتے اور اپنے ہم یقین ہوتا تھا کہ وہ ایک پیدائشی اور خدا ساز مقرر اور خطیب ہیں۔

عشق رسول ﷺ کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا

سیرت پاک اور اسوۂ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُن کا خاص موضوع اور ذہنی شغف تھا اور نہ صرف وعظ و تبلیغ کی حد تک...... بلکہ شاہ صاحب اُن خوش نصیبوں میں تھے جن کو خدا تعالیٰ نے اسوۂ رسول کی سچی لگن اور عمل کی توفیق وسعادت سے بھی نوازا نہ تھا۔

''ختم نبوت'' کی راہ میں جب قادیانیت نے رخنے پیدا کرنے چاہے اور ایک گمراہ تحریک نے سر اٹھایا اس وقت حق پرستوں کی جو صفیں اس کے مقابلے پر سینہ سپر ہوئیں شاہ صاحبؒ ایک قائد کی حیثیت سے اُن میں پیش پیش تھے اور آخر تک پیش پیش رہے اس راہ میں اُن کو بڑے بڑے خطرات و مصائب کا سامنا ہوا۔ مگر عشق رسول کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا۔[1]

قائد تحریک آزادی و خلافت

پہلی جنگ عظیم کے بعد عالم اسلام کا سب سے بڑا اور اہم مسئلہ ''خلافت'' کا تھا۔ تحریکِ خلافت کی ہماہمی نے مسلمانانِ ہند میں جو بیداری اور جرأت عمل پیدا کی وہ خود ملک کی تحریکِ آزادی کے لئے ایک بڑی کمک ثابت ہوئی اور اُسی وقت سے آزادی کی تحریک نے اپنی ملک گیر اور مضطرب شکل اختیار کی۔ ناممکن تھا کہ شاہ صاحب جیسا اولوالعزم اور باعمل انسان اس تحریک کی صفِ قیادت سے پیچھے رہ جاتا۔

1۔ چٹان لاہور سالنامہ 1962ء ص 32

مجھے یاد ہے کہ 1920ء میں مولانا حسرت موہانی مرحوم نے دہلی میں ایک اہم سیاسی اجتماع بلایا تھا۔ اس اجتماع میں پہلی بار مجھے حضرت شاہ صاحبؒ سے ملاقات کی مسرت حاصل ہوئی تھی۔ اس کے بعد مسلسل پچیس سال پھر اس طرح گزرے کہ فکر و عمل کا ایک میدان تھا اور ایک ہی لگن۔ تحریک آزادی شبانہ روز سرگرمیوں کا محور تھی۔ اس طویل رفاقت اور شعور و جذبات کی ہم آہنگی نے دلوں میں خلوص و تعلق کی جو گرہیں لگائیں، آج جب کہ شاہ صاحبؒ دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں، اُن کا ذکر بھی دل پر شاق گزرتا ہے۔

نہیں آتی اگر ان کی یاد تو گھنٹوں نہیں آتی
مگر جب یاد آتے ہیں تو اکثر یاد آتے ہیں

برصغیر کی تاریخ میں یہ چوتھائی صدی سیاسی ہیجان و تلاطم کا ایک صبر آزما دور تھا جس میں چالیس کروڑ محکوموں اور غلاموں کی بے سروسامانی اُس عظیم الشان اور پُرغرور اقتدار سے برسرِ پیکار رہی جس کی حدود گرفت میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا۔

اس دور کی آزمائش اگرچہ بہت کٹھن اور ہمت شکن تھی۔ لیکن وطن کے قدم کار مردان ہمت کا جو قافلہ ہر خوف و خطر سے بے نیاز...... یہاں تک کہ خود اپنی عزت و آبرو اور جان و مال سے بے فکر ہو کر اس عہد کے ساتھ اپنے گھروں سے نکلا تھا کہ......

یا تن رسید بجاناں یا جان زتن برآید

اُس کا عزم و ثبات بھی ناقابلِ تسخیر تھا اور بالآخر وہی کامیاب ہوا مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اسی قافلہ کے ایک سالار اور انہی مردانِ ہمت کی صفِ اوّل میں تھے۔

آزادی وطن کی خاطر انہوں نے جس تندہی کے ساتھ کام کیا۔ ملک کے ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ تک کی خاک چھانی اور خندہ پیشانی کے ساتھ قدم قدم پر خطرات کا مقابلہ کیا۔ پامردی کے ساتھ ہر تعاقب اور قید و بند کی صعوبتوں کو برداشت کیا۔ اور اس پورے دور میں جو قائدانہ اور مجاہدانہ کردار پیش کیا وہ تاریخ آزادیِ وطن کا ایک سنہرا ورق ہے جو ہمیشہ قدر و اعجاب کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔ اور مکمل آزادی کی فضاؤں میں سانس لینے والی آئندہ نسلیں

اس احسان سے گرانبار رہیں گی۔

حق یہ ہے کہ شاہ صاحبؒ کی شخصیت۔ اُن کا جوش عمل، اُن کی قربانیاں اور سب سے بڑھ کر اُن کی ساحرانہ خطابت، تحریک آزادی وطن اُس کی پرورش اور ترقی کے لئے ایک بڑی مدد اور بیش قیمت اثاثہ تھی جس کے بغیر اس عظیم تحریک کی کامیابی اور اس کا نشوونما بروقت مکمل نہ ہوتا۔

قَدَّسَ اللّٰہُ سِرُّہٗ وَاَسْکَنَہٗ فَسِیحَ جَنَّاتِہٖ [1]



1 چٹان لاہور سالنامہ ص 32

اقبالؒ و بخاریؒ

آغا شورش کشمیریؒ لکھتے ہیں۔

کہ شاہ جیؒ ایک مرتبہ علامہ اقبالؒ کے ہاں تشریف لے گئے اثنائے گفتگو میں فرمایا۔

"ٹھیک ہے مرشد! میں نے تو کبھی اپنی کتابوں کی گرد بھی نہیں جھاڑی ہے۔" [1]

"او شاہ جیؒ تساں تے دلاں دماغاں دیاں مٹی جھاڑ دے او۔"

(شاہ جی! آپ تو دلوں اور دماغوں کی گرد جھاڑتے ہیں)

شاہ جی نے یہ بیان کیا: تو ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، فرمایا ہائے کیا انسان تھا، جدید دانش اور قدیم حکمت کا نقطۂ معراج، چونکہ میاں ﷺ سے محبت کرتے تھے، اس لئے اللہ نے ان پر علم و دانش اور فکر و نظر کی سبھی راہیں کھول دی تھیں۔ وہ میدان کا کھلاڑی نہیں تھا لیکن علم اس کا خانہ زاد تھا۔

آج جو پشینی وفادار شاہ جیؒ نے فرمایا۔ اس کا نام لے لے کر اُس کے ہمنشینوں کی فہرست میں اپنا نام لکھوا رہے ہیں، کسی علمی مسئلے پر اقبالؒ نے کبھی ان سے مخاطبت کی؟ کبھی ان سے کوئی دینی سوال کیا، کبھی ملی امور پر ان سے از خود گفت گو کی، کبھی مسلمانوں کے مستقبل کا سوال ان سے زیر بحث لاتے رہے؟ ان کے ساتھ تو ان کے زیادہ سے زیادہ لاغر قسم کے مجلسی روابط تھے۔ شاہ جی نے کہا یہی وہ لوگ، جو اقبالؒ کی راہ میں ہمیشہ مزاحم ہوتے رہے انہی لوگوں

1 شاہ جیؒ علامہ اقبالؒ کو مرشد کے نام سے پکارتے

نے اقبال کے خلاف مخبریاں کی تھیں اور انہیں کسی منصب پر فائز نہیں ہونے دیتے تھے۔ اقبال نے مجھ سے آنکھوں میں آنسو لا کر کہا تھا۔

شاہ صاحب، ان خاندانوں کی سیاہ دلی کی حد ہوگئی، خوف خدا سے بھی عاری ہو چکے ہیں۔ میرے بارے میں ہائیکورٹ کے چیف جسٹس اور گورنر صوبہ کو عرضداشت بھجوائی ہے، جس میں مجھے ایک ایسے ذوق سے متہم کیا ہے، جس کا تصور بھی شرافت کو مرجھا دینے کے لئے کافی ہے۔

شاہ جیؒ نے بتایا، یہ بیان کرتے ہی اُن کا بدن کانپنے لگا کہ انسان مخالفت اور مخاصمت میں کس حد تک سنگدل، سیہ رو، اور گندہ ضمیر ہو جاتا ہے۔ شاہ جی کی روایت ہے، کہ فرنگ دشمنی سے ان کے خون کا قطرہ قطرہ انگاروں میں ڈھلا ہوا تھا، وہ یورپی تہذیب، یورپی دانش، یورپی سیاست اور یورپی سج دھج کے سخت دشمن تھے۔ کہا کرتے تھے کہ ہمارا مغرب زدہ طبقہ اپنے خصائص کھو چکا ہے، اس کے اندر مشرق کی رُوح بالکل نہیں رہی۔ یہی وجہ ہے کہ قوم کی خودی اپنی قیمت کھو بیٹھی ہے۔ لوگ علم کی سنجیدگی سے ہاتھ اُٹھا کر نٹوں کا تماشا دیکھنے میں غلطاں ہیں۔ کاسہ لیس خاندانوں کا ذکر بڑی حقارت سے کرتے، یہ طنطنہ میں نے صرف انہی میں دیکھا، کہ جن سے نفرت کرتے، انہیں اپنے گھر میں بھی گھسنے نہیں دیتے تھے، اور اگر کوئی کسی بہانے چلا آتا، تو اسے دھتکار کر نکال دیتے، ورنہ منہ نہیں لگاتے تھے؟

ایک دفعہ فرمایا، شاہ جی میں مطمئن ہوں کہ میرا کلام لوگوں کے رگ و پے میں اُتر رہا ہے۔ لیکن ابھی کاروان تیار ہو رہا ہے ابھی کاروان بنا نہیں ...... سفر راستہ اور منزل تو دور کی چیزیں ہیں۔ جب تک مشرق، مغرب کی ذہانت کو للکارے گا نہیں، اس وقت تک مشرق کی عظمت کا سورج نہ کبھی اُبھر سکتا ہے۔ اور نہ اس کے نصف النہار پر پہنچنے کا سوال ہی زیر غور آ سکتا ہے۔

شاہ جی یہ عموماً فرماتے:ـ "کاش اقبال آج زندہ ہوتے، ان کا دماغ ایک عظیم الشان تنہائی کا عظیم الشان کتب خانہ تھا۔ جب کبھی ان کی ہم نشینی کا موقع ملتا معلوم ہوتا تھا کہ لالہ زار کھل گیا ہے۔



شاہ جیؒ کی معرکہ آرائیاں

توہین رسالت ﷺ کے خلاف احتجاج سے بھرا ہوا ایک ہجوم بے پناہ شاہ محمد غوثؒ والی سڑک اور باغات میں جمع ہو گیا۔ گویا ایک تقاضا عام تھا کہ احرار اس احتجاج کو عملی شکل دینے میں قوم کی رہنمائی کریں۔ اس صورت حال میں مجلس احرار کے دفتر کی بالائی منزل پر احرار کے بڑے بڑے رہنما سراسیمگی اور پریشانی کے عالم میں جمع ہوئے اور مسلمانوں کے جذبات کو کم کرنے اور منظم کرنے کے وسائل پر غور کرنے لگے۔ اس موقعہ پر میری یاد کے مطابق منجملہ دیگر اصحاب کے چوہدری افضل حق، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ، مولانا مظہر علی اظہر، مولانا داؤد غزنوی، شیخ حسام الدین، مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ اور مولانا غلام غوث ہزارویؒ اور سب سے اہم اور ممتاز سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ موجود تھے۔ بحث کے جو نقاط تھے وہ یہ تھے۔

اوّل:- کہ توہین رسول ﷺ کے مسئلہ کو عدالت میں لایا جائے۔

دوم:- آریہ سماجیوں کی سرکوبی کے لئے حکومت کے خلاف سول نافرمانی کی جائے۔

یہ بحث بڑے معرکے کی بحث تھی۔ ایک طرف وضع کا احتیاط کا اندازہ تھا اور دوسری طرف جرات غازیانہ کا مظاہرہ تھا۔ اندرون خانہ اس بحث میں ہر قسم کی باتیں ہوئیں اور یہ خصوصیت احرار میں ہی دیکھی گئی تھی کہ سخت سے سخت بحث کے باوجود احرار برادری کا احساس کبھی کمزور نہیں ہوتا تھا۔

امیر شریعت کی اہل لاہور کو یقین دہانی

شاہ محمد غوث والی سڑک پر ہجوم اور زیادہ ہوتا گیا اور اب شاید مخالفوں کے لوگ بھی ہجوم میں شامل ہو گئے تھے اور نعروں کا انداز کچھ ایسا تھا کہ گویا اگر کوئی جلد فیصلہ نہ ہوا تو دفتر احرار اور راہنمایان احرار کی بھی خیر نہیں۔

اسی شوروشغب کے عالم میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے بالکونی سے اپنا چہرہ دکھایا اور کہا:۔

"اے باشندگان لاہور! معاملہ عزت رسول اللہ ﷺ کا ہے اور اس کے لئے ہماری جماعت ہر قسم کی قربانی دینے کو تیار ہے مگر میں دیکھتا ہوں کہ اس مقدس جہاد میں وہ لوگ شریک نہیں جن کو اپنے دعوے کے مطابق اب تک میدان میں آچکنا چاہیے تھا۔ ہم عزت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سر دھڑ کی بازی لگانے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ مگر جاؤ ان رہنماؤں کو بھی لے آؤ جو ہم سے الگ مسلک رکھتے ہیں تاکہ یہ جہاد آخری جہاد ہو اور اس میں پوری قوم شریک ہو۔

سول نافرمانی کی تحریک

سید عالی مقام کی اس تجویز سے دو اثر مرتب ہوئے۔ بعضوں نے کہا کہ جھوٹ کہہ رہے ہیں، بعضوں نے کہا۔ آخر کار احرار ہی قوم کے کام آئی، یہ خان بہادر، سر اور نواب اب کہیں نظر نہیں آتے۔

احرار کی میٹنگ پھر شروع ہوئی، شاطروں کی پہلی چال ذرا سی ناکام رہی، مگر شاطروں کی قوم جو چلے والی قوم ہوتی ہے۔ ہجوم پھر مشتعل کر دیا گیا۔ میٹنگ کے اندر اب بحث اس نکتے پر آکر رک گئی کہ عدالت میں چارہ جوئی اب بہانہ جوئی کے مترادف سمجھی جائے گی۔ اس لئے سول نافرمانی کے بغیر کوئی چارہ نہیں مگر سوال یہ پیدا ہوا کہ ایسی سول نافرمانی میں پوری قوم کو شریک کیوں نہ کیا جائے مگر اس کے لئے پھر التوا ضروری تھا۔ اس لئے یہاں بحث

بند ہو جاتی تھی۔

چودھری افضل حق کی رائے

چودھری افضل حق کا خیال تھا کہ سول نافرمانی کا مسئلہ طے شدہ ہے مگر شہر کے دوسرے رہنماؤں سے بھی اشتراک کی درخواست ضروری ہے تاکہ نقصان کی صورت میں یہی دوسرے رہنما قوم کو یہ کہہ کر نہ بھڑکائیں کہ دیکھا ہم عدالت کے ذریعے سارے مسائل حل کرا لیتے۔ یونہی مسلمانوں کا خون کرا دیا اور بات ٹھیک تھی مگر بڑا مسئلہ یہ تھا کہ باہر کے ہجوم کو کس طرح مطمئن کیا جائے۔ عالی مقام سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ بڑے راست پسند آدمی تھے۔ مگر سیاست میں باہر کے شاطروں کی ماریں کھا کھا کر یہ ضرور جاننے لگے تھے کہ شاطروں کے بچھائے ہوئے جال میں پھنسنا نہیں چاہیے۔ تاہم مسئلہ کے حل کی جو صورت بھی سامنے آتی وہ خطرناک اور نازک معلوم ہوتی تھی۔

امیر شریعت کا فیصلہ اور بحث کا خاتمہ

اب سہ پہر ہو چکی ہے اور چار بجا چاہتے ہیں اور ہجوم اور بھی بڑھتا جا رہا ہے، نعروں کی آوازیں اتنی بلند اور گونج دار ہوتی جا رہی ہیں کہ مجلسی بحث میں لوگ ایک دوسرے کمرے میں چلے گئے اور دو رکعت نماز پڑھی اور دیر تک سجدے میں رہے اور جب سجدے سے اٹھے تو ان کی آنکھیں اشکبار تھیں اور زبان پر یہ الفاظ:۔

"اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔"

کہتے ہوئے پھر مجلس میں داخل ہوئے اور فرمایا" آج ہمارا طریق کار صرف ایک ہی ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ شہر کے سرکاری رہنماؤں کو ان کے حال پر چھوڑ کر اور ہر مصلحت سے آنکھ بند کر کے ناموس رسول اللہ ﷺ کے لئے ہر وہ اقدام کیا جائے جس کی ضرورت ہو۔ یہ فرمانے کے بعد فرمایا۔ بس میری یہی رائے ہے۔ فقط۔"

جلسہ ہوگا اور ضرور ہوگا البتہ چودھری افضل حق کی تجویز پر یہ اتفاق ہوا کہ کھلی جگہ جلسہ کرنے کی بجائے وطن بلڈنگ کے احاطے میں جلسہ کیا جائے اور حکومت کے رویہ کے خلاف احتجاج کے علاوہ توہین رسول ﷺ کے مسئلہ پر مسلمان قوم کی کسی متحدہ روش کی تجویز پر غور کیا جائے۔

چودھری افضل حقؒ اور مجسٹریٹ کے درمیان گفتگو

احرار رضا کار اس فیصلہ کو لے کر ہجوم میں پھیل گئے اور اب لوگوں کا اجتماع وطن بلڈنگ میں ہوتا گیا۔ شام ہو چکی تھی۔ احرار رہنماؤں نے مسجد شاہ محمد غوث میں نماز ادا کی اور بعد از نماز معمولی سی مشاورت کے بعد جلسہ گاہ کا رُخ کیا۔ یہ رہنما احاطہ کے دروازے پر پہنچے ہی تھے کہ سٹی مجسٹریٹ نے احاطے کے اندر کے جلسہ کو بھی ممنوع قرار دے دیا۔ اس پر ان کے اور چودھری افضل حق کے درمیان دیر تک بحث مباحثہ ہوتا رہا۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ ہجوم سے بات کرنے کا موقع ضرور دیا جائے تا کہ لوگ پر امن طریقوں سے گھروں کو واپس چلے جائیں مگر مجسٹریٹ نے ضد کی۔

سول نافرمانی کا فیصلہ اور شاہ جیؒ کی تقریر

اس صورت حال کو دیکھ کر سید عالی مقام نے احرار رہنماؤں کو مشورہ دیا کہ اب حکومت سے ٹکراؤ ناگزیر ہو گیا ہے۔ چنانچہ سول نافرمانی کا فیصلہ کر لیا گیا اور بشرط ضرورت جلسہ شروع ہو گیا جس کی صدارت چودھری افضل حق ایم۔ ایل۔ اے نے کی۔

میں نے مرحوم سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی بیسیوں تقریریں سنی ہیں مگر اس رات کی تقریر کچھ ایسی تھی جس کا نقش کبھی مٹ نہ سکے گا۔ مگر تقریر سے زیادہ سید صاحب کی تدبیر کا بھی اسی روز قائل ہوا، احاطہ مختصر تھا اور ہجوم زیادہ۔ اور خطرہ یہ تھا کہ باہر کا ہجوم کوئی ایسی حرکت نہ کر بیٹھے جس سے پولیس کو فائرنگ کا بہانہ مل جائے۔ میں نے دیکھا کہ اکثر احرار رہنما (ہر چند کہ وہ بھی شعلہ بیان تھے) بے بسی کے عالم میں تھے۔ اس لئے صدر جلسہ نے اغراض اور صورت حال پر معمولی سی روشنی ڈالنے کے بعد فرمایا کہ آج ہماری باگ دوڑ سید عالی مقام کے ہاتھ میں

جلسہ عام کا اعلان اور دفعہ 144 کا نفاذ

حضرت سید صاحب کے اس نعرہ حق کے بعد بحث و استدلال کا چراغ گل ہو گیا اور ساری جماعت نے سید عالی مقام کی پیروی کرنے کا اعلان کیا اور فیصلہ ہوا کہ دہلی دروازے کے باہر جلسہ عام کی فوری منادی کرادی جائے۔ مہر علم دین (جن کی اسیری کی مدت مجری دانست میں بالاقساط پندرہ برس سے کم نہ ہوگی) کی آنکھیں چمک اٹھیں اور چہرہ غیرت دینی سے تمتما اٹھا۔ ڈھنڈورا پیٹنے والے اطراف شہر میں پھیل گئے۔

اب ہجوم شہر کی کوتوالی سے لے کر اکبری دروازے تک پھیل گیا اور احرار کے رضا کار باغ میں پلیٹ فارم جمانے میں مصروف ہو گئے۔ اب لوگ کوتوالی سے سرک سرک کر باغ میں پلیٹ فارم کے ارد گرد جمع ہونے لگے۔ اس اثناء میں شاطران شہر نے حکام سے مل کر ان پر اثر ڈالا کہ فرقہ وارانہ فساد کا سخت خطرہ ہے۔ جلسہ روکا جائے ورنہ بڑا خون خرابا ہوگا۔ احرار ابھی اپنے انتظامات درست کر ہی رہے تھے کہ پولیس ایک مسلح گارڈ (انگریز) کے سمیت اور شاید مسٹر فیبلوس سٹی مجسٹریٹ کی معیت میں دفتر احرار کے سامنے پہنچی اور اپنے خاص ایلچی کے ذریعے احرار رہنماؤں کو مطلع کیا کہ حکومت کے نزدیک مجوزہ جلسہ عام نقص امن کا باعث ہوگا۔ اس لئے جلسہ ممنوع قرار دیا جا چکا ہے اور اس تاریخ سے ایک ماہ تک کے لئے دفعہ 144 نافذ کی جاتی ہے۔

عزم امیر شریعتؒ

اب احرار رہنماؤں کو ایک نئی مشکل پیش آئی۔ موضوع یہ تھا کہ اگر اس حکم کے باوجود جلسہ کیا جائے تو فائرنگ کا ہونا یقینی ہے اور اس صورت میں نقصان جان کی ذمہ داری کا سوال ہے۔ ایک تجویز یہ ہوئی کہ سارے احرار لیڈر اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کر دیں۔ مگر سوال پیدا ہوا کہ ہجوم کی تسکین کے علاوہ اس سے اصل مسئلہ کا حل کس طرح نکلے گا۔

بڑا پیچیدہ مسئلہ تھا۔ مگر اب سید عالی مقام فیصلہ کر چکے تھے۔ انہوں نے فرمایا آج

ہے اس لئے آپ انہی کے احکام کی سماعت کیجئے۔ سید صاحب نے سب سے پہلے باہر کے ہجوم سے خطاب کیا "اے شمع رسالت کے پروانو! میں جانتا ہوں کہ آج تم شوق شہادت میں یہاں بے تابانہ آئے ہو، مگر حفاظت ناموس رسول ﷺ کی لڑائی تم سے نظم وضبط کا تقاضا کرتی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ شہر لاہور بلکہ مسلمانان ہندوستان کا بچہ بچہ اپنی اپنی باری سے قربانی پیش کرے، لہٰذا جو لوگ دروازے پر باہر کھڑے ہیں۔ دو دو چار چار کی ٹولیاں بنا کر اور بکھر کر اپنے اپنے گھروں کو واپس ہو جائیں۔ ان کی باری کل آئے گی اور جو لوگ احاطے کے اندر ہیں وہ پولیس یا فائرنگ کے خوف سے اپنی جگہ سے سرک نہ جائیں اور ایک نظم اور قاعدہ کے تحت اپنے آپ کو قربانی کے لئے پیش کر دیں۔"

شاہ جیؒ کی تقریر

دروازے پر غل ہوا، معلوم ہوا کہ شاطران شہر کے کچھ کارندے لوگوں کو سید صاحب کی تقریر کے خلاف مشتعل کر رہے تھے اور اس پر ملک لال دین اٹھے اور دروازے پر کھڑے ہو گئے اور باہر کے ہجوم کو سید صاحب کے اعلان سے باخبر کیا۔ ملک لال دین قیصر موقع پر گرفتار ہو گئے، مگر باہر کا ہجوم منتشر ہو گیا۔ اب سید صاحب کی تقریر شروع ہوئی۔ تقریر کیا تھی آنسوؤں اور شعلوں کا اجتماع تھا۔ جوش کی انتہا تھی اور آہ کراہ کی آوازیں ہر طرف سے سنائی دے رہی تھیں۔ مجھے سید صاحب کی تقریر کے الفاظ یاد نہیں رہے مگر ایک دو فقرے ابھی تک دماغ میں کھبے ہوئے ہیں۔

"اے مسلمانان لاہور آج جناب رسول ﷺ کی آبرو تمہارے شہر کے ہر دروازے پر دستک دے رہی ہے۔ اے امت رسول ﷺ آج ناموس محمدی کی حفاظت کا سوال درپیش ہے پارہ پارہ ہو گئی تھی، مگر توہین رسول ﷺ کے سانحہ سے آسمانوں کی بادشاہت متزلزل ہو رہی ہے۔"

تقریر سید صاحب کی تھی مگر اس روز سید صاحب اپنی معمولی کی تقریر کے موڈ میں نہ تھے اور یہ معلوم ہے کہ سید صاحب کی عام تقریروں میں ظرافت اور بذلہ کا عنصر اصل موضوع کے برابر ہوا کرتا تھا۔ مگر اس روز پانی اور آگ کی ترکیب سے یعنی سرد آہوں اور گرم آنسوؤں

کے ملاپ سے ان کی تقریر ڈھل رہی تھی یہ اور ہی طرح کی تقریر تھی۔

شاہ جیؒ کا پولیس سے خطاب

احاطے کے اندر تقریر ہو رہی تھی اور باہر پولیس کی جمعیت زیادہ سے زیادہ صف آرا ہوتی جاتی تھی۔ رات گزری جا رہی تھی اور پولیس والوں کا دل قابو سے باہر ہوا جا رہا تھا۔ آخر سید صاحب نے پولیس والوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا "اے پولیس والو! ہم یہاں صرف اظہار غم کے لئے جمع ہوئے ہیں تم کیا چاہتے ہو؟ اگر تم ہمیں گرفتار کرنا چاہتے ہو تو ہم حاضر ہیں اور اگر ہمارے ساتھ وہ سلوک مطلوب ہے جو ایک سید زادے کو وراثت میں ملا ہے تو ہمارے بیٹے اس کے لئے بھی حاضر ہیں۔" اس پر جلسہ میں شدید زور کی لہر اٹھی اور لوگوں نے کہا ہماری جانیں بھی حاضر ہیں شہر کا کوتوال زیرک آدمی تھا اس نے جلسہ گاہ کے قریب آ کر سید صاحب سے کہا کہ آپ جلسہ جاری رکھئے۔ دفعہ **144** صرف باغ کی حدود تک ہے۔ مگر اب پبلک کا جوش بہت بڑھ چکا تھا۔ سینکڑوں آدمی شہادت کے شوق میں بے تابانہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس پر چودھری افضل حق نے کہا (جو آئینی حدود کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے) صاحبو. وہ وقت بھی آنے والا ہے جب ہمیں تمہاری جانوں کی ضرورت ہوگی مگر ابھی وہ وقت آیا نہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ سب سے پہلے ہم اس قانون کے پرخچے اڑا دیں جو ہمیں توہین رسول ﷺ پر اظہار غم سے روکتا ہے۔ چنانچہ عام رسول نافرمانی کا اعلان ہو گیا۔

شاہ جیؒ کی گرفتاری

دس دس اور پھر پانچ پانچ آدمیوں کے دستے پلیٹ فارم کے پاس جاتے تھے اور سید صاحب کی قدم بوسی کر کے باغ کی طرف جا کر گرفتار ہو جاتے تھے۔ ہزاروں آدمی اس شب گرفتار ہوئے۔ میرے پاس میرا دوست مولوی خدا بخش کھڑا تھا۔ اس کا بھائی اور اس کے بھانجے سب گرفتار ہو چکے تھے۔ میں نے اس کو روک رکھا تھا کہ تمہارے لوگ جا چکے ہیں۔ تم سب لوگوں کے گھروں میں ایک مرد بھی اب باقی نہیں جو خبر گیری کرے۔ تمہارا جانا مناسب نہیں مگر وہ دیوانہ

وار اٹھا اور سید محترم کے قدموں میں جا گرا اور پھر پانچ آدمیوں کے ہمراہ باہر چلا گیا اور گورے کا ڈنڈا کھانے کے بعد گرفتار ہو گیا اور میں (اس وقت بھی صید لاغر کی طرح بے مصرف ہی رہا)

نے خون آنکھوں سے بہا تک نہ ہوا داغ
اے خون شدہ دل تو کسی کام نہ آیا!

جب سول نافرمانی کرنے والوں کی آخری ٹولی بھی چلی گئی تو احرار لیڈروں کی جماعت سید صاحب مرحوم کی سرکردگی میں باہر نکلی اور سید صاحب کے پر درد طریق سلام وصلوٰۃ کی گونج میں باغ کے قریب جا پہنچی اور وہیں گرفتار ہو گئی اور اس طرح یہ شب ختم ہو گئی اور میرے ذہن پر سید عالی مقام کا انمٹ نقش چھوڑ گئی۔

احرار۔ کے بڑے بڑے لیڈر تو گرفتار ہو گئے مگر سول نافرمانی اضلاع میں پھیل گئی اور آخر یہ اثر ہوا کہ آنحضرت ﷺ کے خلاف زبان کشائی کرنے والوں کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔ 1

جن کے جنوں پہ ناز تھا فصل بہار کو
وہ عاشقاں چاک گریباں نہیں رہے

خانقاہ سراجیہ کا نسخہ

سرسکندر والے کیس میں خانقاہ سراجیہ کندیاں والے حضرت مولانا احمد خاں صاحب کو جب اباجی نے دعاء کے لئے پیغام بھیجا تو انہوں نے وظیفہ پڑھنے کے لئے بتایا اور ساتھ فرمایا تھا "جے میں دل ہوندا تے میرا اک رات دا کم سی ہن شاہ نوں آکھو تن راتاں پڑھے تے ہوئے گا تماشا" پھر رپورٹر نے ہی جعلی تقریر کا بھانڈا برسر عدالت پھوڑ دیا۔ اباجی فرمایا کرتے تھے کہ میں بیٹھا پڑھ رہا تھا آنکھیں بند کیں تو تلوار چلتی دیکھی۔ 2

آتا قلندروں کو جس وقت جلال
شاہوں کے سروں سے تاج گر پڑتے ہیں

1 نقیب ختم نبوت امیر شریعتؒ نمبر حصہ دوم ص 361 تا 368 ☆ 2 نقیب ختم نبوت امیر شریعتؒ نمبر حصہ دوم ص 26

حضرت رائے پوری اور حضرت امیر شریعتؒ

گو حضرت امیر شریعتؒ، حضرت رائے پوریؒ مرید تھے مگر حضرت رائے پوریؒ ان کو اہم مقام دیتے تھے اور امیر شریعت کے ساتھ انہیں خصوصی محبت اور لگاؤ تھا۔ حضرت امیر شریعت فرمایا کرتے تھے کہ جدوجہد آزادی میں کئی ایسے مشکل مقام آئے جہاں زندگی اور موت میں بہت تھوڑا فاصلہ رہ جاتا تھا۔ مگر حضرت رائے پوری کی خاص روحانی توجہ سے وہ مرحلے آسانی سے طے ہو جاتے۔ شاہ صاحب کو جب کبھی فرصت ملتی تو وہ حضرت کی خدمت میں رائے پور تشریف لے جاتے اور ان کے فیضان نظر سے مستفید ہوتے رہتے۔

جب جب 1950ء میں حضرت رائے پوری بیماری کی حالت میں بغرض علاج لاہور تشریف لائے تو شاہ جی بھی ملتان سے لاہور پہنچ گئے اور شب و روز حضرت رائے پوری کی خدمت میں رہنے لگے۔ حضرت رائے پوری اکثر انہیں دعا کے لئے کہتے اور شاہ جی نظریں جھکا لیتے۔ میں ان دنوں لائل پور تعینات تھا۔ ایک دن قاضی جی (قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ) بھاگے بھاگے آئے، فرمانے لگے۔ لاہور چلنا ہے۔ حضرت رائے پوری کی حالت تشویشناک ہے۔ ہم بذریعہ کار لاہور پہنچے۔ حضرت کا قیام ڈیوس روڈ کے قریب اپنے عقیدت مند حاجی عبدالمتین کے ہاں تھا۔ ہم وہاں پہنچے۔ حضرت چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے اور مشتاقان دید کا ہجوم ارد گرد محو دعا تھا۔ اندر ایک کمرے میں شاہ جیؒ اور شیخ حسام الدینؒ بیٹھے گفتگو کر رہے تھے۔ ساتھ کے کمروں میں آغا شورش کاشمیریؒ، ماسٹر تاج الدین انصاریؒ، جناب عبدالوحید وزیر مغربی پاکستان، سابق جنرل حق نواز، مولانا احتشام الحق تھانویؒ، مولانا عبیداللہ انورؒ، مولانا غلام علی غوث ہزارویؒ، مولانا ابوالحسن علی ندویؒ، مولانا عزیز الرحمن لدھیانویؒ اور دہلی سے آئے ہوئے کچھ اور بزرگ بیٹھے ہوئے تھے۔

میں باہر صحن میں بیٹھا تھا اور حضرت رائے پوری بستر علالت پر تھے۔ سب لوگ بارگاہ رب العزت میں حضرت کی صحت کی دعا کر رہے تھے۔ حضرت نے آنکھیں بند کر رکھیں تھیں۔ میں نے ایک بار یہ شعر پڑھا:

خواجہ مَن نگہدار

آبروئے گدائے خویش

میری حیرانی کی حد نہ رہی۔ کہ حضرت نے آنکھیں کھول کر میری طرف مختصراً دیکھا اور پھر محوِ استراحت ہوگئے۔ قاضی جی نے دیکھا تو حیران ہوئے۔ مجھ سے پوچھنے لگے۔ میں نے عرض کیا کہ یہ شعر پڑھا تھا۔ فرمانے لگے کہ حضرت کا روحانی تصرف تھا۔ اب نہ پڑھنا۔ حضرت کو آرام کی ضرورت ہے۔ پھر میں اور قاضی صاحب۔ اندر شاہ جی کی خدمت میں جا بیٹھے۔ شاہ جی حضرت سے اپنے تعلق کے واقعات سنا رہے تھے۔ فرمانے لگے:۔

آپ کی تقریر نفلی عبادت کی ضرورت پوری کر دیتی ہے

آزادی برصغیر اور تحریک ختم نبوت کی مسلسل جدوجہد کے دوران انہوں نے محسوس کیا کہ جب وہ رات کے پچھلے پہر تہجد کے لئے اٹھتے ہیں یا اٹھنا چاہتے ہیں تو اکثر نیند کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ وہ اس سے ازحد پریشان تھے۔ انبالہ کی ایک ملاقات میں انہوں نے اپنی اس مشکل کا تذکرہ حضرت رائے پوری سے کیا تو انہوں نے پڑھنے کے لئے ایک وظیفہ بتا دیا۔ شاہ جی نے پڑھا تو اس کے بعد کیفیت یہ ہوگئی کہ نیند بالکل غائب ہوگئی۔ اور اشد ضرورت کے وقت بھی نیند نہ آتی تھی۔ رات گئے تقریر کے بعد جب قیام گاہ پر آتا تو بقیہ وقت کروٹیں بدل بدل کر گزر جاتا مگر تہجد ضرور ادا ہو جاتی۔ اس سے ازحد پریشانی رہی۔ کچھ دوائیاں بھی استعمال کیں مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ جماعتی کاموں میں بے پناہ مصروفیت کے سبب حضرت رائے پوریؒ سے جلد ملاقات نہ ہوسکی۔ آخر دو ماہ بعد سہارنپور میں ملاقات ہوئی تو میں نے اپنی مشکل کا ذکر کیا۔ فرمانے لگے کہ مجھے بھی اس کا بے حد فکر رہا۔ آپ (شاہ جی) کے اصرار پر وظیفہ بتا دیا تھا۔ وگرنہ اس کی ضرورت نہ تھی۔ حقیقتاً آپ کی جدوجہد اور تقریر ہی عبادت کا ایک ایسا ذریعہ ہے کہ کسی نفلی عبادت کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ آپ کی تقریر ہی عبادت نفلیہ کی ضرورت پوری کر دیتی ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ آپ تقریر کے بعد نماز فجر تک آرام کیا کریں۔ اس کے بعد نیند کی حالت معمول کے مطابق ہوگئی۔ میں سو بھی لیتا تھا۔ تہجد بھی ادا کر لیتا تھا اور

بروقت نماز فجر کے لئے تیار بھی ہو جاتا تھا۔ تھکاوٹ یا نیند کی کمی کا پھر کبھی احساس نہ ہوا۔[1]

شاہ جیؒ اور ٹوپی

ایک مرتبہ شاہ جیؒ بنگال کے ضلع دیناج پور کی جیل میں بھیجے گئے۔ وہاں اندرون جیل مولانا عبداللہ الباقی اور دیگر علماء اور رہنمایان بنگال پہلے سے موجود تھے۔ شاہ جی کے سر پر مراد آبادی ٹوپی تھی۔ ان لوگوں نے بھی دیکھا دیکھی مراد آبادی ٹوپیاں استعمال کرنا شروع کر دیں۔

جیل کے انگریز افسروں کو یہ ٹوپیاں سخت ناگوار تھیں اور سب سیاسی قیدیوں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ انگریزوں کو یہ ناگوار ہیں تو ہم ان کا استعمال ہرگز ترک نہ کریں گے۔

ایک دن سپرنٹنڈنٹ جیل اور مسٹر سیمسن (Simpson) انسپکٹر جیل خانہ جات معائنہ کے لئے آئے اور تمام سیاسی قیدیوں کو مخاطب کر کے کہنے لگے۔

یہ گاندھی کیپ ہیں، انہیں آپ لوگ نہ پہنا کریں۔

شاہ جی آگے بڑھ کر فرمایا:

یہ گاندھی کیپ نہیں بلکہ مراد آبادی کیپ ہیں۔

مگر گاندھی کیپ کے متعلق اصرار جاری رہا۔ شاہ جی نے غصہ میں فرمایا تو پھر یہ قمیض بھی گاندھی ہے اور یہ پاجامہ بھی۔

اس پر سمپسن بہت چڑا۔ اس نے سپرنٹنڈنٹ جیل کو حکم دیا کہ:۔

ان سب کی ٹوپیاں اتروالو۔

یہ حکم سنتے ہی اکثر اصحاب نے ٹوپیاں خود بخود اتار کر جیل کے حوالے کر دیں۔

سپرنٹنڈنٹ جیل شاہ جی کی طرف بڑھا اور کہا کہ:

آپ بھی ٹوپی اتار دیں۔

شاہ جی نے فرمایا: سر اترنے سے پہلے یہ ٹوپی نہیں اتر سکتی۔ پہلے سر اتارو پھر ٹوپی

1۔ ماہنامہ ''نقیب ختم نبوت'' امیر شریعت نمبر، حصہ دوم، ص 188۔187

اتار لینا۔ شاہ جی نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر میری ٹوپی پر اس نے ہاتھ ڈالا تو دونوں افسروں کو گرا کر آج میں سمپسن کا خون پیوں گا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اس وقت میرے سامنے بہادر شاہ ظفر کے بیٹوں کا خون تھا اور میری صحت بھی ماشاء اللہ بہت اچھی تھی۔ جب سپرنٹنڈنٹ جیل نے شاہ جی کی طرف ہاتھ بڑھایا تو آپ نے اس کی کلائی پکڑ لی اس پر کچھ اس قسم کی ہیبت طاری ہوئی کہ چوٹی سے لے کر ایڑی تک وہ پسینہ میں لت پت ہو گیا اور وہ پیچھے ہٹنے لگا۔ شاہ جی نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا اور وہ دونوں افسر بڑبڑاتے ہوئے احاطے سے باہر چلے گئے۔

اس کے بعد ادھر تمام رفقاء جیل سمجھے کہ شاہ جی پر بڑی مصیبت کا پہاڑ ٹوٹے گا اور جب سمپسن دفتر پہنچا ابھی آرام سے بیٹھا بھی نہ تھا کہ دو پستولوں سے مسلح ٹیررسٹ جوان آئے اور انہوں نے سمپسن کو للکار کر کہا:۔

تیار ہو جاؤ مسٹر سمپسن (Resdy mr. Simpson) پھر بیک دونوں نے فائر کئے چشم زدن میں سمپسن خاک کا ڈھیر تھا۔ کچھ وقفہ کے بعد جب شاہ جیؒ اور ان کے رفقاء کو اطلاع ملی تو شاہ جیؒ نے مارے خوشی کے زور سے کہا۔ وہ مارا۔ ان کی اس گرج پر رفقاء گھبرا گئے کہ کہیں اس سازش میں ہم پر مقدمہ نہ قائم ہو جائے۔ شاہ جی نے فرمایا:۔ ظالم دشمن مارا ہے۔ اب بھی خوشی نہ منائیں۔ 1

عشق رسول ﷺ

شاہ صاحب کو رسول اکرم ﷺ سے حد درجہ عشق تھا جو بات بات میں زبان پر آتا تھا۔

چنانچہ ایک موقعہ پر فرمایا:۔

”خدا کی عبادت، رسول کی اطاعت، انگریز کی بغاوت، یہ میرا ایمان ہے اور رہے گا۔ خدا معبود ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ محبوب اور انگریز مغضوب۔ خدا کو جو جی میں آئے کہو اس کا محاسبہ وہ خود کرے گا۔ مگر محمد ﷺ کے متعلق سوچ لینا یہ معاملہ عقل و خرد کا نہیں، عشق کا ہے۔ عشق

1۔ شاہ جیؒ کے علمی و تقریری جواہر پارے ص 340 تا ص 242 از اعجاز احمد سنگھانوی

پر زور نہیں ہوتا اور نہ اپنے پر اختیار۔ پھر یہ نہیں سوچا جائے گا کہ قانون کیا کہتا ہے اور زمانہ کیا چاہتا ہے۔ پھر جو ہونا ہوگا ہو جائے گا۔ جو ہوگا وہ دیکھا جائے گا۔ 1

اور جج لاجواب ہو گیا

حضرت عبدالقادر رائے پوریؒ نے قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ سے پوچھا کہ تحقیقاتی عدالت میں حضرت شاہ صاحب (سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ) نے مرزائیوں کے بارے میں کیا بیان دیا تھا۔ قاضی صاحب نے جواباً عرض کیا کہ جب چیف جسٹس مسٹر محمد منیر نے شاہ صاحبؒ سے پوچھا کہ کیا آپ مرزا غلام احمد کو کافر کہتے ہیں؟ تو شاہ صاحب نے فرمایا کہ جب مجھ پر لدھا رام والا مقدمہ چلایا گیا تھا اور لدھا رام کے بیان پر مجھے بری کر دیا گیا تھا تو آخری پیشی پر سرکاری وکیل نے یہ سوال بھی اٹھایا تھا کہ یہ مرزا کو کافر کہہ کر منافرت پھیلاتے ہیں۔ اس پر انگریز چیف جسٹس مسٹر ینگ نے مجھ سے پوچھا تھا کہ کیا آپ مرزا غلام احمد کو کافر کہتے ہیں تو میں نے کہا تھا ہاں۔ میں ایک دفعہ نہیں کروڑوں دفعہ اسے کافر کہا ہے۔ اب بھی کہتا ہوں اور مرتے دم تک کہتا رہوں گا۔ یہ تو میرا دین و ایمان ہے۔ اس پر مسٹر ینگ نے سرکاری وکیل سے کہا تھا کہ لو ان سے اور سوال کرو۔ یہ کہہ کر اس نے مجھے کہا تھا کہ آپ تشریف لے جائیں۔ آپ کا مرزا کو کافر کہنا کوئی جرم نہیں ہے۔ یہ قصہ مسٹر محمد منیر کو سنا کر شاہ صاحبؒ نے کہا کہ عیسائی جج نے تو اس طرح کہا تھا۔ اب معلوم نہیں مسلمان عدالت کیا کہتی ہے۔ یہ سن کر مسٹر منیر نے بھی آپ کو یہی کہا کہ آپ تشریف لے جائیں۔ 2



1۔ شاہ جیؒ کے علمی و تقریری جواہر پارے ص 156، 157

2۔ تحریک ختم نبوت 1953ء ص 545، 546

الہلال کی زبان کا عوامی ترجمان

مولانا ابوالکلام آزادؒ نے الہلال کے ذریعہ قوم میں حریت وآزادی کی روح پھونکنے کی کوشش کی۔ لیکن الہلال سے پڑھا لکھا طبقہ استفادہ کرسکتا تھا۔ جب کہ ان پڑھ اس کی زبان کو نہیں سمجھ سکتے تھے۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ کوئی اللہ کا بندہ اسے عوامی زبان مہیا کراتے۔ شاہ جیؒ نے اسے عوام کی زبان میں ڈھال کر قوم کو انگریز کے مقابلہ میں لا کھڑا کیا۔

چنانچہ جناب عبداللطیف ایم۔اے رقمطراز ہیں۔

1926ء کا زمانہ تھا کہ الہلال نے ہندوستان کے مطلع صحافت پر طلوع ہو کر مسلمانوں کو خواب غفلت سے جھنجھوڑنے کی کوشش کی۔ نیند کے ماتے آنکھیں ملتے ہوئے اٹھے۔ ایک انقلابی انگڑائی لی اور کلکتہ سے بلند ہونے والی صدا پر گوش برآواز ہوگئے۔ یہ صدا دل نواز تو تھی۔ لیکن اس کا مکمل ادراک ہر ایک کے بس کا روگ نہ تھا۔ الہلال کی زبان ابوالکلام کی زبان تھی جسے پوری طرح سمجھنا تعلیم یافتہ مسلمانوں کے لئے ہی ممکن تھا۔ وقت مقتضی تھا، کہ اس انقلابی پیغام کا کوئی ترجمان ان عوام تک پہنچے۔ جو ابوالکلام آزادؒ کی انشاء پردازانہ عظمت کا صحیح شعور نہ رکھنے کے باعث اس کی روح تک نہ پہنچ سکتے تھے۔ اوران کی زبان میں انہیں یہ پیغام پہنچائے۔

چالیس برس تک آزادی کی شمع جلائے رکھی

اسی دور میں امرتسر کے چھوٹے سے شہر سے ایک للکار گونجی اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک عظیم خطیب کے روپ میں برصغیر کے طول وعرض پر چھا گئی ایک بوریا نشیں طالب علم نے بیک وقت اپنے غیر معروف مدرسے اور معمولی مسجد کی امامت سے کروڑوں مسلمانوں کے دلوں کی اقلیم پر حکومت کی طرف قدم بڑھایا۔ کم وبیش چالیس برس تک، قریہ، قریہ بستی بستی میں آزادی کی پکار بلند کی اور مسلمانوں کے دل میں جذبۂ حریت بیدار کرنے میں کسی بھی واحد شخصیت سے زیادہ اہم کردار ادا کیا۔ پڑھے لکھوں نے سنا تو جھوم گئے۔ عوام نے سنا تو برستی گولیوں اور چلتی لاٹھیوں کے سامنے سینے تان دیئے۔ انگریزی استعمار کے ماتھے پر شکن نمودار ہوئی اور حریت پسند کی طرح اس شخصیت کو بھی مرحلہ دارورسن سے روشناس کرگئی اوراس کے بعد یہ سعادت اس کی زندگی کا اہم حصہ بن گئی۔

عہد نبوی ﷺ کے مسلمانوں کے کردار کی بازگشت

یہ للکار سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی تھی جو بلاشبہ اس صدی کے عظیم ترین خطیب تھے۔ اور جن کی ذات گرامی پر کسی بھی قوم کو فخر ہوتا، جو اس نفس پرستی اور خودغرضی کے دور میں ایثار وقربانی، فقر و بے نیازی اور غدا پرستی اور تقویٰ کا ایک ایسا نمونہ تھے۔ جو عہد نبوی کے مسلمانوں کے کردار کی بازگشت معلوم ہوتا ہے جب ہندوستان میں جذبہ حریت اور ناموس حفاظت رسالت کی تاریخ لکھی جائے تو شاہ جیؒ کا نام نامی سرفہرست آتا ہے اس دور میں کسی مقصد سے لگن اور اس کے لیے تن من دھن کی بازی لگا دینے کا کوئی عمل مکمل نمونہ اگر ہمارے سامنے آتا ہے تو وہ شاہ صاحب کی ہی ذات گرامی ہے۔ ان پر کون سی مصیبت نہیں آئی اور دنیوی تکالیف کا کون سا ایسا مرحلہ ہے۔ جس میں وہ نہ گزرے ہوں۔ لیکن کہیں بھی ان کے پائے استقامت میں لغزش پیدا نہ ہوئی، نہ فاقہ مستی ان کے لئے باعث رکاوٹ بن سکی اور نہ ہی قید و بند کی صعوبتوں نے انہیں اپنے مقاصد سے روکنے میں کامیابی حاصل کی۔

یوں تو ہندوستان میں بیسوں لیڈر گزرے ہیں اور ان میں سے کسی کے مقام سے بھی انکار کرنا غلط ہوگا۔ لیکن یہ سعادت کسی کے حصے میں نہیں آئی۔ کہ کلکتہ سے پشاور اور کشمیر سے راس نمکاری تک اسے ایک ہی جیسے احترام اور خلوص سے سنا گیا ہوا...... دیہات کے عوام میں آزادی کی لہر دوڑانے میں جو کردار شاہ صاحب نے ادا کیا ہے اس کا بھی کوئی جواب ہندوستان میں نہیں ملتا۔ شاہ صاحبؒ حق گوئی کی ایک مثال تھے انہوں نے جس قدر درست سمجھا اسے برسر دار بھی کہا۔ اور پابہ زنجیر ہو کر بھی کہا جب برطانوی سلطنت پر سورج غروب نہ ہوتا تھا۔ انہوں نے انگریزی استعمار کو للکارا۔ یہ وہ دور تھا جب بڑے بڑے لیڈر بھی مکمل آزادی کا نام نہ لیتے تھے۔ دوسری جنگ عظیم کے موقعہ پر انہوں نے اس وقت انگریزوں سے عدم تعاون اور فوجی بھرتی نہ دینے کا اعلان کیا۔ جب سورج اور آزادی کی مالا چلنے والی اشیاء کی عظیم جماعت کانگرس بھی سوچ بچار میں مبتلا تھی۔

شاہ صاحبؒ اپنی ذات میں ایک تحریک تھے۔ وہ تنہا ایک عوامی تحریک برپا کر سکتے تھے۔ ڈوگرہ شاہی کے خلاف تحریک کشمیر اور تحریک ختم نبوت ان کی خطابت کا ایک اعجاز ہیں۔ وہ جس مسئلے کو چاہتے عوام کے دل کی آواز بنا سکتے تھے۔ انہیں اس بات پر قدرت حاصل تھی کہ سامعین کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سلب کر لیں وہ اگر اپنے مخاطبین سے چٹانوں سے ٹکرا جانے کو کہتے وہ بلا جھجک کر گزرتے۔ بارہا ایسا ہوا کہ جو لوگ گھر سے شاہ صاحب کا ایک لفظ نہ سننے کی نیت سے آئے جلسہ میں اپنے جیب و داماں کی آخری متاع شاہ صاحب پر نثار کر گئے ان کی تقریر کی کیفیت الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں۔ وہ پوری جلسہ گاہ کو قرون اولیٰ کے ماحول میں لے جاتے ان کو جادو کر دینے والی شخصیت جب اسٹیج پر نمودار ہوتی تو دل خراج عقیدت پیش کرتے اور جب حجازی لہجے میں خطبہ مسنونہ پڑھتے۔ تو بدترین مخالف بھی موم ہو جاتے اور پھر چند لمحوں میں یہ کیفیت ہوتی کہ

دیکھنا تقریر کی لذت کو جو اس نے کہا
میں نے یہ سمجھا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

شاہ جیؒ اگر کسی زندہ قوم میں پیدا ہوتے تو ان کے نام پر متعدد ادارے وجود میں آتے اور ان کے مجسمے چوراہوں کی زینت بنتے۔ لیکن وہ جس قوم میں پیدا ہوئے وہ لعل و جواہر کو مٹی میں ملا دینے والی قوم ہے۔ اس میں جوہر قابل کی شناخت ہے نہ قدر، ورنہ وہ جس قوم کے قائد تھے اگر اسے پہچان لیا جاتا تو اس کیفیت میں زندگی بسر نہ کرتے جس طرح کے شب و روز ان پر بیت گئے۔

حلم، عجز اور تواضع کا پیکر

شاہ صاحبؒ کے خلوص سے ان کے دشمنوں کو بھی انکار ممکن نہیں۔ لیکن ان کے کردار کا سب سے اہم پہلو یہ تھا۔ کہ عوام میں جو مقبولیت انہیں اپنے دور میں نصیب ہوئی۔ اور جس چاہت اور اشتیاق سے عوام نے انہیں سنا اور جان و مال کی قربانیاں دیں وہ کسی اور لیڈر کو یقیناً نہ ہو سکی اس کے باوجود شاہ صاحب کو غرور اور تکبر چھو نہ گیا تھا۔ انہوں نے پیشہ ور سیاست دانوں اور نام نہاد مشائخ و علماء کی طرح اپنے گردو پیش جاہ و حشم کا کوئی اہتمام نہیں کیا، اس کے بالکل برعکس وہ انکسار، تواضع اور حلم کا پیکر تھے وہ ادنیٰ سے ادنیٰ رضا کار اور وزیر و امیر قلندر کی بارگاہ میں برابر کا درجہ رکھتے تھے۔ جب لاکھوں عوام ان کی تقاریر پر سر دھن رہے ہوتے وہ اپنے مرشد حضرت عبدالقادر رائے پوری کے ارشاد کے مطابق خدا سے دعا مانگ رہے ہوتے کہ پروردگار میرا کوئی ایک لفظ قبول کر لیجیو۔ اسی جذبہ کا نتیجہ تھا کہ ان کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ اثر رکھتا تھا، کیونکہ خلوص...... میں ڈوبا ہوا تھا نہ کہ محض لذت بیان کی خاطر ارشاد ہوتا تھا۔[1]

ایک لاثانی خطیب

خوادوں کو بزرگ بنانے اور چھوٹوں کی حوصلہ افزائی کرنے والے بہت کم ملیں گے۔ اللہ پاک نے شاہ جیؒ کو اس عظیم وصف سے نوازا تھا۔ چنانچہ آپ کے زیر سایہ کام کرنے والے تمام ورکر بھی آگے چل کر آسمان خطابت کے ماہ و انجم بنے۔ چنانچہ دارالعلوم

1: روزنامہ آزاد لاہور امیر شریعت نمبر ص 24

دیوبند کے چالیس سال مہتمم رہنے والی شخصیت حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ لکھتے ہیں۔

حضرت شاہؒ صاحب کی زندگی اپنی نوعیت میں بلاشبہ ایک معیاری زندگی ہے جہاں تک زندگی کے جزئیاتی معاملات کا تعلق ہے مجھے چونکہ اس زندگی میں ان سے زیادہ ..... معیت میسر نہیں ہوئی، اس لئے ان کی زندگی کے جزئیات اور عوامی گوشوں پر روشنی ڈالنا یا سیر حاصل تبصرہ کرنا میرے لئے دشوار ہے، البتہ جہاں تک مجموعی زندگی کے اصولی نقشے کا تعلق ہے اس کے بارے میں بلاجھجک یہ عرض کرسکتا ہوں حضرت شاہ صاحب کی زندگی ایک بے مثال خطیب کی زندگی ہے۔ جس پر قوم کو ہمیشہ ناز رہے گا معرکتہ الاراء خطابت اور شعلہ بیانی ان کی ایک ایسی زبردست خصوصیت رہی ہے۔ جس میں وہ اپنے معاصرین میں ہمیشہ منفرد اور ممتاز رہے ہیں اور اس خداداد جوہر کے ساتھ انہوں نے اسلام اور اس کے مسلک حق کو ہندوستان کے گوشے گوشے میں جس خوبصورتی اور خوبی کے ساتھ پہنچایا ہے وہ انہی کا حق تھا یہ جوہر اور قرآنی اعجاز ...... کا پرتو ان کے قلب پر حق تعالیٰ نے خاص طور پر ڈالا تھا جس سے انہوں نے حق ہی کا کام کیا اور حق ہی کے راستے کی ہمیشہ دعوت دیتے رہے۔

جہاں تک ان کے بیانات سے مجھے استفادہ کا موقع ملا ہے محسوس ہوتا ہے کہ قرآن ان کے سامنے کھلا ہے اور وہ اس کے بلیغ اور موجز جملوں کی مجسم شرح و تفسیر بنے ہوئے ہیں سحر بیانی سے مجمع کو باندھ کر رکھ دینا گویا ان کا اختیاری فعل ہوتا ہے کہ جب چاہیں اسے کھول دیں اور جب چاہیں باندھے رکھیں۔ پھر یہ ان کے بیان کی بلاغت و سلاست کی خوبی تھی کہ مسلم و غیر مسلم مکمل طور پر ان سے مستفید ہوتے تھے اور دست و پابستہ ہو جاتے تھے۔

مجلس احرار کے ذریعہ انہوں نے ملک اور قوم کی جو عظیم خدمات ایک طویل مدت تک انجام دیں برصغیر ہندو پاک کا گوشہ گوشہ ان پر گواہ ہے تحریکِ آزادی پاک و ہند کی تاریخ میں انہیں ایک بلند مقام اور عظیم خصوصیت حاصل ہے اس دور میں راہیں الگ الگ تھیں اور ایک کی رائے کا دوسرا پابند نہ تھا لیکن ان کے ذہنی جوہروں کے معترف ان کے مخالف بھی تھے اور ان سے متاثر بھی ہوتے تھے کبھی سفروں میں اتفاقی طور پر ساتھ ہوا محسوس ہوتا تھا کہ وہ

مقناطیس کی حیثیت سے ہیں اور لوگ بمنزلہ لوہا پیتل کے ہیں جو کھنچ کھنچ کر ان سے چسپاں ہو رہے ہیں اور چیدگی کے ساتھ ان کے اردگرد جمع ہیں۔ میرے لئے موجب ناز ہے کہ ممدوح کو میرے ساتھ خصوصی محبت اور ساتھ ہی شفقت بھی رہی ہے اگر کبھی کسی جلسے میں ان کے سامنے میری تقریر ہوئی تو غیر معمولی طور پر خوش ہو کر ہمیشہ تحسین و آفرین کا برتاؤ فرمایا بلکہ اسے لکھوانے کا اہتمام بھی کیا۔

خوردنوازی

ان کی خوردنوازی کی شان تھی جس سے محبت اور وفا مترشح ہوتی تھی کبھی کبھی مجھ سے حوصلہ افزائی کے لہجے میں فرماتے کہ تیری ایک تقریر سے میں کئی وعظ بنا لیتا ہوں۔ امرتسر میں ایک مرتبہ مسجد خیرالدین میں میری تقریر ہوئی تو خود بھی اس میں موجود تھے اور باوجود اپنی بے مثال خطابت اور اس بارے میں صاحب فن ہونے کے تقریر اس طرح سن رہے تھے جیسے کوئی مستفید اور مبتدی کرتا ہے اور کلمے کلمے پر بزرگانہ انداز سے داد و تحسین کے کلمات و اشارات کہے جاتے تھے میں واپس ہوا تو اسٹیشن تک ساتھ آئے اور پھولوں کا ہدیہ ایسے انداز سے عطا فرمایا جیسے کوئی اپنے بڑے کو نذر دیا کرتا ہے یہ ان کی قوتِ تواضع اور ہضم نفسی کی دلیل ہے خطباء میں تواضع کے ساتھ ساتھ مستفیدانہ انداز کا حامل میں نے انہیں کو دیکھا ہے ورنہ عموماً خطباء دوسرے کی خطابت سے استفادہ کو کسر شان سمجھتے ہیں لیکن وہ کسرِ شان کے بجائے کسرِ نفسی کا جذبہ لے کر دوسروں کی خطابت سے ہمیشہ مستفیدانہ رنگ سے استفادہ کرتے تھے یہ درحقیقت ثمرہ ہے ان کی وابستگی کا۔ اور بزرگوں کے سلسلے میں منسلک ہونے کا۔

ایک روشن ضمیر اور صاحبِ دل انسان

ممدوح حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر سے بیعت تھے اور اپنے شیخ کی توجہات کا مرکز بھی۔

جس سے خود شیخ کو تعلق ہے اس کا قدرتی اثر تواضع اور انکسار طبع ہی ہو سکتا ہے جو

ان میں بحمد للہ بدرجہ اتم موجود تھا اور اس لئے میں کہہ سکتا ہوں کہ بخاری صرف ایک مثالی خطیب ہی نہیں بلکہ ایک روشن ضمیر اور صاحب دل انسان بھی تھے۔ جنہیں ہمیشہ بزرگوں سے قلبی رابطہ اور عقیدت کا رشتہ رہا ہے۔ [1]

شاہ جیؒ کی مسحور کن شخصیت

مولانا محمد منظور نعمانیؒ رقمطراز ہیں۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کا نام سب سے پہلے اس ناچیز نے اس وقت پڑھا جب لاہور کے ایک دریدہ دہن آریہ سماجی نے اللہ کے رسول سرور کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ایک نہایت گندی، اور رسوائے عالم کتاب لکھ کر شائع کی، اس کا کتاب کا نام بھی اتنا خبیث اور دل آزار تھا کہ شریف آدمی خواہ وہ کسی مذہب وملت سے تعلق رکھتا ہو، دلی تکلیف کے بغیر وہ نام نہیں لے سکتا...... ہندوستان کی فرقہ وارانہ فضا شدھی سنگھٹن کی فتنہ انگیز تحریک نے پہلے ہی سے کافی خراب کر دی تھی، اس کتاب کی اشاعت نے آگ پر جلتی کا کام کیا...... اور مسلمانوں میں سخت ہیجان بلکہ طوفان برپا ہو گیا اس سلسلہ میں سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے لاہور میں ایک تقریر کی تھی، اس کا اثر یہ ہوا تھا کہ پردہ نشین خواتین نے اپنے بچے ان کے قدموں میں ڈال دیئے تھے کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموس پر قربان کردو۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اس تقریر پر گرفتار کر لئے گئے، ان پر مقدمہ چلا بالآخران کو غالباً دو سال کی قید سخت ہوئی...... بہرحال جہاں تک اب یاد ہے میرے دل میں ان کی غائبانہ محبت کا بیج اسی زمانہ میں، اخبارات میں ان کا تذکرہ دیکھ دیکھ کر پڑا۔ پھر مختلف تحریکوں اور سرگرمیوں کے سلسلہ میں اخبارات میں ان کا نام آتا رہا۔

یہاں تک کہ ایک وقت اخبارات میں آیا کہ انجمن خدام الدین لاہور کے جلسہ میں (جس پنجاب کے علماء حق کی ایک بڑی تعداد شریک تھی) سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ امیر شریعت قرار دیئے گئے اور اپنے وقت کے سب سے بڑے عالم دین اور سب سے بڑی دینی

---

[1] روزنامہ آزاد لاہور امیر شریعت نمبر ص 25

درسگاہ...... (دارالعلوم دیوبند) کے صدر و شیخ الحدیث، استاذ نا و استاذ العلماء حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ (قدس سرہ) نے بحیثیت امیر شریعت ان کے ہاتھ پر بیعت کی...... اخبارات میں یہ خبر پڑھنے کے بعد قدرتی طور پر اپنی نظر میں سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی عظمت واہمیت پہلے سے بہت زیادہ بڑھ گئی اور دید و ملاقات کا دل میں بڑا اشتیاق پیدا ہو گیا...... ان کے نام کے ساتھ "بخاری" اور "شاہ" کے پُرعظمت ضمیمے لگے ہونے کی وجہ سے میرا تصور اس وقت ان کے بارہ میں یہ تھا کہ ان کی شکل وصورت بخاری علماء کی سی اور وضع و ہیئت مشائخ طریقت کی سی ہوگی۔ لیکن اتفاق کی بات عرصہ تک ملاقات کی نوبت نہیں آئی۔ میں 1930ء میں امروہہ (ضلع مراد آباد) میں مدرس تھا، حسن اتفاق کہ اس سال جمعیۃ العلماء اور اس کے کاموں سے خاصی دلچسپی تھی، یہ وہ وقت تھا کہ چند ہی مہینے پہلے آل انڈیا کانگریس نے اپنے لاہور کے اجلاس میں 1928ء والی اُس نہرو رپورٹ کو منسوخ قرار دے کر جس کی بناء پر 1929ء میں جمعیۃ علماء ہند بھی کانگریس سے الگ ہو گئی تھی آزادی کامل کی تجویز پاس کی تھی، اور پھر اس کے بعد گاندھی جی نے نمک سازی کی شکل میں انگریزی اقتدار کے خلاف سول نافرمانی کی جنگ گجرات سے شروع کر دی تھی۔ بہرحال امروہہ میں جمعیۃ العلماء کا یہ اجلاس، اس زمانہ اور اس ماحول میں ہونے والا تھا۔

جمعیۃ کا اجلاس شروع ہونے سے ایک دو دن پہلے ہی قریبی مقامات سے جمعیتی رضا کاروں کے جتھے انتظام کے لئے آنا شروع ہو گئے میرے وطن سنبھل کا ایک جتھا ایک دن پہلے پہنچنے والا تھا اس میں کے بعض آدمی علی الصبح پہنچ گئے۔ اور انہوں نے بتایا کہ ہمارا پروگرام یہ ہے کہ ہمارا جتھا ایک جلوس کی شکل میں امروہہ میں داخل ہو، اس جلوس میں کچھ اونٹ ہوں، ان پر نقارے ہوں، اس لئے ہمارے واسطے اونٹوں اور نقاروں کا انتظام کر دیا جائے (دراصل سنبھل کے رضا کار اس طرح کے "حجازی" جلوس نکالا کرتے تھے) ہم لوگ جو امروہہ میں اس وقت اجلاس کے کاموں کے ذمہ دار تھے، ان کے سامنے یہ مسئلہ آیا، قریباً 8-9 بجے صبح کا وقت تھا، مجلس استقبالیہ کے دفتر میں بیٹھے ہم اسی مسئلہ پر مشورہ کر رہے تھے کہ اونٹوں نقاروں

والا یہ حجازی نما جلوس یہاں نکلنا مناسب ہے یا نہیں میری اور اکثر کارکنوں کی رائے اس وقت کے حالات میں جلوس کے حق میں تھی۔ لیکن ہم سب کے مخدوم اور ہر حیثیت سے بزرگ حضرت حافظ عبدالرحمٰن صاحب (مدرس مدرسہ اسلامیہ امروہہ) رحمۃ اللہ علیہ کی رائے نہیں تھی۔ ان کو غالباً اس کے جواز میں بھی شبہ تھا۔ یا وہ اس کو ثقاہت اور سنجیدگی کے خلاف سمجھتے تھے۔

شاہ جیؒ سے پہلی ملاقات

یہ مشورہ چل ہی رہا تھا کہ اچانک دو حضرات دفتر میں داخل ہوئے ان میں ایک تو حضرت مولانا مفتی محمد نعیم صاحب لدھیانویؒ تھے جو میرے لئے جانے پہچانے ہی نہیں بلکہ میرے استاد تھے اور ان کے ساتھ جو دوسرے صاحب تھے ان کو ہم سے کوئی نہیں پہچانتا تھا، ان کی وضع یہ تھی کہ ہاتھ میں بہت موٹا سا ایک سونٹا، جسم پر کھدر کا چھوٹا سا قمیض نما نیم آستین کرتا، اور غالباً کھدر ہی کا رنگا ہوا نیلا تہبند، جسم بالکل پہلوانوں کا سا میں یہ سمجھا کہ یہ مفتی صاحب کے ساتھ کوئی رضا کار ہیں، اتنے میں خود مفتی صاحب نے بتایا کہ یہ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ ہیں، یہ سن کر سب کی، خاص کر میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کیوں کہ میرے تصور میں تو ان کی صورت اور وضع بخاری کے کسی مقدس شیخ خانقاہ کی سی تھی، مصافحہ اور ملاقات کے بعد بڑی بے تکلفی کے ساتھ شاہ صاحب نے ہم لوگوں سے فرمایا، کیا ہو رہا ہے؟ میں نے کہا کہ ہم لوگ ایک چھوٹے سے مسئلہ پر غور کر رہے ہیں سنبھل کے رضا کاروں کا جتھا آ رہا ہے وہ اس طرح کا جلوس نکالنا چاہتا ہے، ہم میں سے کچھ کی رائے ہے کہ نکلنا چاہیے اور بعض حضرات اس کو ٹھیک نہیں سمجھتے۔ شاہ صاحب نے اپنے خاص انداز میں فرمایا کہ اس وقت کے مفتی ہم ہیں، ہم فتویٰ دیتے ہیں کہ ایسا جلوس نکلنا چاہیے۔ منگواؤ اونٹ اور نقارے ایک اونٹ پر میں خود بھی بیٹھوں گا۔

اس عاجز کی سب سے پہلی ملاقات شاہ صاحب سے یہی تھی اور ان کے انداز مزاج کا یہ پہلا تجربہ تھا، جہاں تک یاد ہے یہ جمعہ کا دن تھا۔ جلوس کی تیاریاں فوراً شروع ہو گئیں۔ اور اسی شان سے جلوس نکلا، اور پورے بازار کا اس نے گشت کیا، مشورہ سے یہ بھی

طے کر لیا گیا تھا کہ آج بعد نماز جمعہ جامع مسجد میں شاہ صاحب کی تقریر ہوگی۔ (واضح رہے کہ اجلاس بھی جامع مسجد ہی میں ہونے والا تھا، اسی میں پنڈال بنا تھا) جلوس ہی نے شاہ صاحب کی تقریر کا اعلان کیا۔ اس زمانہ میں شاہ صاحب کی اخبارات میں دھوم تھی اور ان کی زندگی کے بعض واقعات نے مسلمانوں کے بہت بڑے طبقہ کو ان کا نادیدہ عاشق بنا دیا تھا۔ پھر امروہہ میں بلکہ ہمارے اس علاقہ ہی میں شاہ صاحب کی یہ پہلی آمد تھی۔ اور اس دن امروہہ میں کوئی دوسرا جلسہ بھی نہیں تھا (کیوں کہ دونوں جمعیتوں کے باقاعدہ جلسے کل سے شروع ہونے والے تھے) اس لئے شاہ صاحب کی تقریر سننے کے لئے آج بہت سے لوگ بھی آ گئے جن کی دلچسپی دوسری جانب تھی اور جمعیۃ علماء ہند کے وہ سخت مخالف تھے۔

امروہہ میں پہلی تقریر نے کایا پلٹ دی

نماز جمعہ کے بعد تقریر شروع ہوئی۔ یہ پہلی تقریر تھی جو اس ناچیز نے شاہ صاحب کی سنی، اس میں بالکل مبالغہ نہیں کہ پورا مجمع بالکل مسحور تھا۔ جمعیۃ علماء کے مخالفین کی طرف سے اس وقت دو باتوں کا خاص طور سے پروپیگنڈہ کیا گیا تھا۔ ایک یہ کہ یہ دیوبندی وہابی ہیں، نجدیوں کے حامی ہیں۔ دشمن رسول ہیں (معاذ اللہ) اس دوسری بات کے اچھالے جانے کی خاص وجہ یہ تھی کہ دوسری جمعیۃ کے اجلاس کا داعی اتفاق سے امروہہ کا وہ عنصر تھا جس کے نزدیک دیوبندی وہابیوں کی تکفیر کے سوا مسلمانوں کی زندگی کا کوئی دوسرا مسئلہ قابل توجہ نہیں تھا۔ شاہ صاحب کے علم میں یہ صورت حال ہم لوگوں کے ذریعہ آ چکی تھی، اس لئے ساری تقریر کا محور یہی دو مسئلے رہے۔ اس تقریر نے لوگوں کو انتہا متاثر کیا کہ اپنی پوری زندگی میں کسی تقریر کا ایسا اثر مجھے یاد نہیں، رسول دشمنی والے ناپاک اتہام کے سلسلہ میں کچھ کہتے ہوئے جب شاہ صاحب نے مولانا جامیؒ کے دو شعر ایک موقع پر پڑھے تو دو آدمی تڑپ کر بے ہوش ہو گئے، جن کو بہت دیر کے بعد ہوش آیا...... یہ تقریر قریباً ڈھائی گھنٹہ تک ہوئی اور یہ واقعہ ہے کہ اسی پہلی تقریر نے سینوں کو انگریز دشمنی کے جذبہ سے بھر دیا اور امروہہ کی فضا کو جمعیۃ کے حق میں اور آزادی کی جنگ میں شمول کے لئے آمادہ کر دیا۔

اس فضا میں اس تجویز کے پاس کرا لینے میں سب سے زیادہ حصہ عطاء اللہ شاہ بخاریؒ ہی کا تھا۔ عام وخاص مجالس کی اس شخص کی تقریروں نے فضا پلٹ دی۔ معلوم ہوتا تھا کہ اللہ کا بندہ تقریر نہیں کرتا سحر کرتا ہے۔

بعض مخصوص ذرائع سے یہ معلوم ہوا کہ شاہ صاحبؒ کی گرفتاری کے احکام آ گئے ہیں اور وہ اجلاس ختم ہونے کے بعد روانگی کے وقت گرفتار کر لئے جائیں گے۔

چونکہ طے شدہ پالیسی یہ تھی کہ وہ حتی الامکان گرفتاری سے اپنے کو بچائیں اس لئے یہ چال چلی گئی کہ آخری رات کے آخری اجلاس کے لئے ان کی تقریر کا خاص طور سے اور بار بار اعلان کیا گیا اور اس طرح عوام کو مشتاق بنانے کے ساتھ پولیس کو بھی شاہ صاحب کے بارہ میں مطمئن کر دیا گیا اور ہوا یہ کہ شاہ صاحب ایک بڑے عجیب وغریب طریقہ پر دن ہی میں امروہہ سے نکل گئے اور امروہہ کا اسٹیشن چھوڑ کر ایک دوسرے قریبی اسٹیشن سے انہوں نے سفر کیا، اور یہ سب کچھ اس طرح ہوا کہ ان کی روانگی کا انتظام کرنے والے دو چار آدمیوں کے سوا اپنوں میں بھی کسی کو خبر نہیں ہوئی، رات کو مولانا احمد سعید صاحب (علیہ الرحمہ) کی تقریر شروع ہوئی اس دن میں مولانا کی تقریر بھی بڑی غیر معمولی قسم کی ہوئی، اس کے باوجود یہ محسوس ہوتا رہا کہ مجمع بڑی بے چینی کے ساتھ شاہ صاحب کی تقریر کا منتظر اور مشتاق ہے، مولانا نے رات کے قریب دو بجا دیئے اور ایک دم کلائی کی گھڑی کو دیکھتے فرمایا، اوہو دو بجنے کے قریب ہیں! لو بھئی اسلام علیکم، اب شاہ صاحب کی تقریر پھر کبھی سن لینا! یہ سن کر پولیس والے بھی ہکا بکا رہ گئے۔

شاہ صاحب نے امروہہ سے نکل کر ایک طوفانی دورہ شروع کیا، وہ عرصہ تک گرفتار نہ ہو سکے، انہوں نے قریباً پورے شمالی ہند کا دورہ کر لیا 1930ء کی سول نافرمانی میں جو ہزار ہا مسلمان جیل گئے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان کی بہت بڑی تعداد تنہا شاہ صاحب ہی کی پر جوش اور آتشیں تقریروں کے حساب میں تھی۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو کتنی کشش اور تاثیر دی تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جا سکتا

ہے کہ غالباً اپنے اسی دورہ میں بدایوں بھی گئے، مولانا عبدالقدیر صاحب بدیوالی مرحوم کے مہمان ہوئے، معلوم ہے کہ موصوف اپنے بدایونی مسلک میں کیسے پختہ تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ و (بریلوی حضرات کی اصلاح کے مطابق) ٹھیٹ وہابی ہیں، اس کے علاوہ مجھے خوب یاد ہے کہ مولانا بدایونی مرحوم اور امروہہ کے اجلاس میں ''کانگرس کی جنگ آزادی میں شرکت'' والے رزولیشن کے اہم مخالفین میں تھے لیکن اس اختلاف مسلک اور سیاسی اختلاف رائے کے باوجود سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی تقریروں اور ان کے خلوص سے ان کا قلب اتنا متاثر تھا کہ کھانے کے لئے ہاتھ دھونے کے وقت خود سلفچی اور لوٹا ہاتھ میں لے کر شاہ صاحب کے ہاتھ دھلاتے تھے اور اپنے شدید اصرار سے شاہ صاحب کو اس معاملہ میں مجبور کر دیتے تھے...... اللہ تعالیٰ دونوں پر اپنی رحمتیں فرمائے۔

یہ تو جملہ معترضہ کے طور پر ایک بات درمیان میں آ گئی تھی ورنہ ذکر ان کے 1930ء کے دورہ کا ہو رہا تھا، انہوں نے پنجاب سے بنگال تک کا دورہ کیا اور بنگال جا کر گرفتار ہوئے اور سزا پا کر وہیں علی پور جیل میں رہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ شاہ صاحب اور اسی طرح ان کے خاص رفقاء کو اپنی اس جدوجہد اور قربانی سے اس کی امید بالکل نہیں تھی کہ کانگریس اور اس کے لیڈروں کی طرف سے اس کا اعتراف بھی کیا جائے گا۔ وہ اس قربانی کے ذریعہ کانگرس میں کوئی پوزیشن حاصل کر سکیں گے، بلکہ اس کے برعکس انہیں سابق تجربوں کی بناء پر پورا یقین تھا کہ کوئی ایسا مسلمان کانگریس میں کوئی پوزیشن حاصل نہیں کر سکتا جو اسلام اور مسلمانوں کا بھی پورا وفادار اور اس موضوع پر بھی لڑ جانے والا ہو...... اور بالکل یہی چیز سامنے آئی 1930ء کی اس جنگ آزادی کے بعد جب دوسری گول میز کانفرنس سے پہلے گاندھی اردن پکیٹ ہوا، اور سارے سیاسی قیدی رہا کئے اور اس کے بعد کراچی میں آل انڈیا کانگرس کا اجلاس ہوا تو پنجاب کانگرس نے سوچی سمجھی اسکیم کے تحت یہ کیا کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور ان کے رفیقوں کو کانگرس کے نظام سے دور رکھا یہاں تک کہ کراچی کے اجلاس میں یہ لوگ صرف مشاہد کی حیثیت سے

شریک ہو سکے۔

بہر حال یہ واقعہ ہے کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور ان کے رفقاء کے سامنے اس جدوجہد اور قربانی کا محرک صرف یہ تھا کہ انگریز کو ہندوستان سے بے دخل کرنے کے لئے ایک لڑائی لڑی جا رہی ہے ہمیں صرف اس مقصد کی خاطر اس میں حصہ لینا چاہئے۔

حضرت شیخ الہندؒ سے لے کر سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ تک اس قافلہ کے تمام ہی مجاہدین نے اسی کو سامنے رکھ کر قربانیاں دی تھیں اور اسی بنیاد پر وہ اپنی جدوجہد اور قربانیوں کو اعلاء کلمۃ اللہ کی جدوجہد اور قربانی سمجھتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے اجر کی توقع رکھتے تھے۔[1]

آپ نے ہزاروں لوگوں کے عقائد صحیح کئے

اسی پنجاب میں بے شمار آبادیاں ایسی تھیں جہاں مسلمانوں کو کلمۂ شہادت تو ایک طرف رہا السلام علیکم کہنا نہ آتا تھا ان میں ہندومت کے زمانہ زوال کی رسمیں عقیدہ کے طور پر مروج تھیں کئی علاقوں میں غیر اللہ کی پرستش ہی کو اصل اسلام سمجھا جاتا۔ انہوں نے تمام صوبوں میں بے شمار دینی مدرسے کھلوائے۔ عام مسلمانوں کو علماً اور عملاً سمجھایا کہ انسانی فضیلت کی بنیادیں خاندانی تفاخر پر قائم نہیں ہوتیں بلکہ ہر انسان اپنے علم و دیانت اور زہد و تقویٰ کے باعث قابل تکریم ہوتا ہے قرآن کی بجائے دیہات میں عشقیہ قصیدے پڑھے جاتے تھے آپ نے اس بدمذاقی کا طلسم توڑا اور ان کی جگہ قرآن کریم کی تلاوت کو عام کیا۔ مسلمانوں کو دوکانیں کھولنے کی ترغیب دی۔ آپ نے ناموس پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی۔ آپ نے مبلغین کی ایک جماعت تیار کی جس نے نہ صرف بدعات کے خلاف جہاد کیا بلکہ منکرات کی راہ روک لی۔

خطابت میں بے ساختہ پن

شاہ جیؒ نے اردو خطابت میں بے ساختہ پن پیدا کیا اور اپنے طرزِ بیان سے ثابت کیا کہ نفاستِ زبان ہی خطابت کا حقیقی جوہر ہے مولانا ابوالکلام آزاد کی انشاء اور شاہ جیؒ کی

1۔ چٹان لاہور امیر شریعت نمبر ص 74

خطابت میں واضح تفاوت کے باوجود ایک گونہ مماثلت ہے مولانا کی تحریروں میں عبارت کے ہر موڑ پر اساتذہ کے اشعار نگینے کی طرح جڑے ہوئے ملتے ہیں۔ شاہ جیؒ کی تقریروں میں برجستہ شعر اس طرح وارد ہوتے ہیں کہ ان کی چمک دمک میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ مولانا اپنی تحریروں کو قرآن مجید کی آیات سے مرصع فرماتے ہیں۔ شاہ جیؒ تقریروں میں ہیرے کی طرح ٹانکتے ہیں۔

مقناطیسی کشش

قادیان کی تبلیغ کانفرنس 1934ء میں آپ نے جو تقریر کی اس کی مقناطیسی کشش کا اعتراف مسٹر جی۔ ڈی کھوسلہ نے اپنے فیصلہ میں کیا ہے اس ٹکڑے ہی سے جذبات کی معراج معلوم ہوتی ہے۔ وہ (مرزا محمود) نبی کا بیٹا ہے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نواسہ ہوں وہ آئے اور مجھ سے اردو فارسی اور پنجابی میں ہر معاملہ سے متعلق بحث کرے یہ جھگڑا آج ہی طے پا جاتا ہے وہ پردے سے باہر نکلے، نقاب اٹھائے، کشتی لڑے۔ آلِ علیؓ کے جوہر دیکھے۔ ہر رنگ میں آئے۔ وہ موٹر میں بیٹھ کر آئے، میں ننگے پاؤں آؤں وہ حریر و پرنیاں پہن کر آئے۔ میں موٹا جھوٹا پہن کر آؤں وہ ہر مزعفر کباب یاقوتیاں اور اپنے ابا کی سنت کے مطابق پلومر کی ٹانک وائن پی کر آئے میں نانا کی سنت کے مطابق جو کی روٹی کھا کے آؤں، ہمیں میدان ہمیں گو۔ غرض اس قسم کی سینکڑوں مثالیں ہیں۔ جن سے شاہ جیؒ کی خطیبانہ عظمت کا سراغ ملتا ہے پھر اس کی سب سے بڑی شہادتیں تحریک ختم نبوت کا وہ بانکپن ہے جس کے نشہ میں لوگوں نے جانیں نچھاور کی تھیں۔[1]

نادرۂ روزگار انسان

عبدالمجید قریشی لکھتے ہیں۔

شاہ صاحب کی تقریر پہلی مرتبہ میں 1938ء میں قیام دلی کے دوران میں سنی۔

1۔ ہفت روزہ خدام الدین لاہور یکم ستمبر 1961ء ص 16

پہاڑ گنج میں تانگوں کے اڈے کے برابر ایک بڑا سا گول میدان ہوا کرتا تھا جسے گول چکر کہا جاتا تھا۔ یہ جگہ ہمیشہ جلسہ گاہ کے طور پر استعمال ہوتی تھی۔ مجھے شاہ صاحب کو دیکھنے اوران کی تقریر سننے کا پہلے پہل اتفاق ہوا تھا۔ وہ منظر اب بھی میری نگاہوں کے سامنے ہے ان دنوں برسات کا موسم تھا۔ گیارہ بجے شب کے قریب جب شاہ صاحبؒ تقریر کے لئے کھڑے ہوئے تو آسمان پر دور دور تک سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے۔

تقریر کے ساتھ ہی ہلکی ہلکی پھوار پڑنے لگی۔ پانچ سات منٹ بعد یہ پھوار ننھی منی بوندوں میں تبدیل ہوگئی۔ موسم کا یہ رنگ ڈھنگ دیکھ کر لوگ کچھ کسمسائے لیکن اٹھے نہیں۔ شاہ صاحب کی تقریر جاری تھی۔ گو بوندیں ان کے اوپر بھی گر رہی تھیں لیکن وہ تقریر کے ساتھ ساتھ سامعین کی ذہنی کشمکش کا لطف اٹھانے پر تلے ہوئے تھے۔ بارش کا زور تھوڑا سا اور بڑھا تھا کہ دو ایک آدمی اٹھے۔ انہیں اٹھتا ہوا دیکھ کر شاہ صاحب جوش میں آگئے فرمانے لگے:۔

"دلی والو! بس اتنے ہی مرد ہو کہ ذرا سی بارش سے گھبرا گئے۔ اس برتے پر تم عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی تقریر سننے کے لئے آئے تھے ارے عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی تقریروں میں تو تمہیں انگریزوں کی رائفلوں کی گولیاں بھی کھانی پڑیں گی اور تم ہو کہ ان دو چار بوندوں ہی سے ڈر کر بھاگنے لگے۔ یاد رکھنا اگر بھاگ گئے تو پھر کبھی پہاڑ گنج کا منہ نہ دیکھوں گا ہاں یاد آیا تم بھی سچے ہو جیب میں رکھے ہوئے نوٹوں کا خیال آ گیا ہوگا۔"

ان الفاظ کا شاہ صاحب کے منہ سے نکلنا تھا کہ لوگ دبک کر بیٹھ گئے۔ جلسہ کا رنگ ہی اور ہوگیا حتیٰ کہ بارش بھی تھم گئی۔

ڈنڈے کی صدارت میں جلسہ

شاہ صاحبؒ کا ایک دلچسپ اور پُر لطف واقعہ انہیں دنوں مجھے اپنے والد صاحب قبلہ کی زبانی سننے کا اتفاق ہوا۔ پاکستان کے قیام سے پہلے انبالہ میں تبلیغ اسلام کے نام سے ایک "انجمن تبلیغ اسلام" کا سالانہ جلسہ انبالہ میں ہونا قرار پایا۔

جس کے صدر میر غلام بھیک نیرنگ مرحوم تھے میر صاحب اپنے زمانے کے اچھے

شاعر اور معتدل قسم کے سیاستدان تھے۔

میر صاحب نے ہندوستان کے جن مشاہیر علماء کو اس موقعہ پر مدعو کیا اُن میں شاہ صاحبؒ بھی تھے۔ میر صاحب نے شاہ صاحب سے قول لے لیا تھا کہ اُن کی تقریر محض تبلیغی ہوگی اور سیاسیات سے انہیں بہر صورت دامن بچانا ہوگا۔

لیکن شاہ صاحب بھلا کہاں چوکتے ہیر پھیر کر آخر سیاسیات پر آ ہی گئے اور اپنی تقریر کا رخ پوری طرح فرنگی اقتدار کے خلاف پھیر دیا۔ میر صاحب نے جو یہ...... دیکھا تو کرسی صدارت چھوڑ کر غائب ہوگئے۔ دوران تقریر شاہ صاحب نے مڑ کر پیچھے کو دیکھا تو میر صاحب کو کرسی سے غائب پایا۔ شاہ صاحب ہنسے اور فرمانے لگے:۔

"اچھا بھاگ گئے اب تم صدارت کرو میرے بھائی۔"

یہ کہہ کر اپنا موٹا سا لکڑی کا ڈنڈا کرسی پر رکھ دیا۔[1]

1957ء کی ابتداء میں ملتان ہی کے ایک جلسہ میں شاہ صاحب اپنی تقریر میں اُس جنگ اقتدار پر تبصرہ فرما رہے تھے جو پاکستان میں خان لیاقت علی خان مرحوم کی شہادت کے بعد لڑی جا رہی تھی۔ جب چندریگر مرحوم کا ذکر آیا تو انہوں نے ایک چھوٹا سا فقرہ کہا جسے سن کر لوگ پھڑک اٹھے فرمایا کہ:۔

"ایک چلہ وہ (چندریگر صاحب) بھی کاٹ گئے۔" یہاں یہ حقیقت ذہن میں رہے کہ چندریگر صاحب کی وزارت عظمٰی کی عمر قریب قریب چالیس روز ہی تھی۔

چند یادیں

شاہ جیؒ نے فرمایا۔

"میں دنیا میں ایک چیز سے محبت کرتا ہوں اور وہ رب کا قرآن ہے مجھے صرف ایک چیز سے نفرت ہے اور وہ ہے انگریز میں سمجھتا ہوں کہ زندگی کے تجربوں اور شاہدوں نے میرے ان دو جذبوں میں بلا کی شدت اور حرارت پیدا کر دی ہے۔"

1۔ چٹان لاہور 15 رجنوری 1962ء ص 76

محبت اور نفرت کے یہ دروازے ایسے نہیں کہ جن دماغوں میں ان کا سودا ہو۔ ان کے لئے پابہ زنجیر ہندوستان میں جیل خانہ، زندگی کے سفر کا ایک ایسا موڑ ہے جہاں کبھی طلب کے خیال سے رکنا پڑتا ہے کبھی فرض کی کشاکش لے آتی ہے اور کبھی جستجو کی منزل کا تقاضا پہنچا دیتا ہے یہ صحیح ہے کہ اب جینے کی ''آبرو'' پر بوالہوسوں نے پیش دستی شروع کی ہوئی ہے اور ع

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں

تحریک خلافت کے قیدیوں کے رہا ہونے کے بعد حجاز میں ایک انقلاب آیا۔ اور شریف حسین وہاں سے بھاگ گئے اور سرزمین حجاز ابن سعود کے قبضہ میں آ گئی۔

چنانچہ جیسے ہی قبے گرنے اور قبریں مسمار کرنے کی اطلاع پاک و ہند میں پہنچی لوگ بے قرار ہو گئے اور انہوں نے ابن سعود کے خلاف الزام لگایا کہ قبے ابن سعود کی حکومت نے گرائے ہیں۔ پنجاب خلافت کمیٹی نے جن میں شیعہ سنی اور اہل حدیث شامل تھے۔ مل کر ان حالات کا مقابلہ کیا۔ بالخصوص شاہ صاحبؒ نے ان دنوں جس جوانمردی کے ساتھ مخالفین اور ان کی حکومت کا مقابلہ کیا یہ ان کی خداداد ہیبت کا ایک کارنامہ ہے اس کے علاوہ آج تک وہ بہت بڑی ایمانی قوت سے ملک کے اندرونی اور بیرونی فتنوں کا مقابلہ کرتے آئے تھے۔ روتے بلکتے اور شاہ جیؒ نے فرمایا پنجاب کی تو تقریباً سب جیلیں دیکھی بھالی ہیں لیکن 1930ء میں ڈنڈم جیل ڈھاکہ کی زیارت بھی ہو گئی وہاں افسروں سے ایسی ٹھنی کہ رہائی تک اکھاڑہ جما رہا دوست زندانی مصائب سنانے میں لذت محسوس کرتے ہیں اور میں عیب یہ اپنا اپنا زاویہ نظر ہے میں ان مصیبتوں کو رسوا کرنے کا عادی نہیں۔ میرے لئے جیل خانہ صرف نقل مکانی میں اپنے گردوپیش باغ و بہار فراہم کر لیتا ہوں اور قیدیوں گزر جاتی ہے جسے صحراؤں سے بادل......

ایک شب جیل خانہ میں سورۂ یوسف کی تلاوت کر رہا تھا۔ چودھویں رات کا چاند آسمان پر جگمگا رہا تھا مجھے محسوس ہوا۔ کہ وہ قرأت کی تاثیر میں ڈوب کر ٹھہر گیا ہے ایک گھنٹہ اسی طرح تلاوت میں گذر گیا۔ اتنے میں ''پنڈت رام جی پال'' سپرنٹنڈنٹ جیل نے پیچھے

سے پکارا۔ دیکھا تو وہ کھڑا ہے اور رخسار اس کے آنسوؤں سے تر ہیں کہنے لگا شاہ جی خدا کے واسطے بس کرو۔ میرا دل قابو سے باہر ہو گیا۔ اب مجھ میں رونے کی سکت نہیں اللہ اللہ یہ قرآن کی محبت کا اعجاز تھا۔ ایک دن گورنمنٹ آف انڈیا کا برطانوی نژاد ہوم ممبر معائنہ کے لئے آ پہنچا۔ میں بیٹھا ہوا کوئی کتاب دیکھ رہا تھا۔ مجھ سے مخاطب ہو کر بولا۔ کہے ''شاہ جیؒ! آپ اچھے ہیں۔''

دوبارہ پوچھا ''کوئی سوال''

''میں صرف اللہ سے سوال کیا کرتا ہوں یہ میرا جواب تھا وہ فوراً بولا نہیں میں آپ کی کوئی خدمت کر سکتا ہوں۔'' ''جی ہاں! آپ میرا ملک چھوڑ کر تشریف لے جایئے۔''

فوراً پلٹ گیا اس واقعہ کو برسہا برس گذر چکے ہیں اور ڈیڑھ صدی کے بعد انگریز خود کہہ رہا ہے کہ وہ جا رہا ہے وہ جب یہاں رہنے پر مصر تھا۔ تو ہندوستان جیل خانہ تھا اب وہ جانے اعلان کر رہا ہے تو ہندوستان آتش کدہ ہے کہ ہم نے انقلاب چرخ گرداں یوں بھی دیکھے ہیں میرے عقیدے میں اب بھی دو چیزیں ہیں قرآن سے محبت اور انگریز سے نفرت ــــــ



کرامات

مولانا عبدالرحمٰن صاحب میانوی فرماتے ہیں ۔ ایک دفعہ شاہ صاحب اور میں مظفر گڑھ کے ایک قصبہ میں وعظ کے لئے جا رہے تھے ۔ راستہ کچا کڑا کے کی دھوپ پڑ رہی تھی ۔ شدید گرمی کا موسم تھا ۔ دو ڈیڑھ میل آگے پیدل جانا تھا ۔ تھوڑی دیر چلے کہ مجھے بہت گھبراہٹ محسوس ہوئی ۔ میں نے کہا شاہ جی یہ دھوپ اور گرمی کا عالم ، ابھی کتنی دور پہنچنا ہے ۔ کیا بنے گا؟ یہ سن کر شاہ جی نے مجھے تو کچھ جواب نہ دیا ۔ ایک دم آسمان کی طرف منہ اٹھا کر کہا ''ہم کسی اپنے کام تو نہیں جا رہے ۔؟

چند منٹوں میں کیا دیکھتا ہوں کہ جہاں دُور دُور تک بادل کا نشان نظر نہیں آتا تھا ۔ وہاں ہر طرف سے بادل گھر گھر کر آنے لگے نہ گرمی رہی نہ وہ دھوپ ، مزے کا موسم ہو گیا ۔ (ایضاً)

بھنگی کا قبولِ اسلام

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

مولانا سید نورالحسن صاحب بخاریؒ تحریر فرماتے ہیں اور راقم الحروف (امین گیلانی) نے بھی یہ واقعہ خود حضرت شاہ صاحبؒ کی زبانی سنا کہ خیرالمدارس جالندھر کے

جلسہ میں شریک تھے ۔ کھانے کے دستر خوان پر بیٹھے تو سامنے ایک نوجوان پر تھی نامی بھنگی کو دیکھا ۔ شاہ جی نے فرمایا آؤ بھئی کھانا کھا لو ۔ اس نے عرض کیا ۔ جی میں تو بھنگی ہوں ۔ شاہ جی نے درد بھرے لہجے میں فرمایا انسان تو ہو ۔ اور بھوک تو لگتی ہے ۔ یہ کہہ کر خود اٹھے اس کے ہاتھ دھلا کر ساتھ بٹھا لیا ۔ وہ بیچارہ تھر تھر کانپتا تھا اور کہتا جا رہا تھا ۔ جی میں تو بھنگی ہوں ۔ شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے خود لقمہ توڑا شوربے میں بھگو کر اس کے منہ میں دے دیا ۔ اس کا کچھ حجاب دور ہوا تو شاہ جی نے ایک آلو اس کے منہ میں ڈال دیا ۔ اس نے جب آدھا آلو دانتوں سے کاٹ لیا تو باقی آدھا خود کھا لیا ۔ اسی طرح اس نے پانی پیا تو اس کا بچا ہوا پانی خود پی لیا ۔ وقت گذرتا گیا ۔ وہ کھانے سے فارغ ہو کر غائب ہو گیا ۔ اُس پر رقت طاری تھی وہ خوب رویا ۔ اس کی کیفیت بدل گئی ۔ عصر کے وقت اپنی نوجوان بیوی جس کی گود میں ایک بچہ تھا ساتھ لے کر آیا اور کہا شاہ جی اللہ کے لئے ہمیں کلمہ پڑھا کر مسلمان کر لیجئے ۔ اور میاں بیوی اسلام لے آئے ۔ [1]

بارش رُک گئی

صوفی غلام مصطفیٰ صاحب سلیریا فرماتے ہیں ۔ ایک دفعہ شاہ جیؒ لاہور میں خطاب فرما رہے تھے تو اچانک بارش شروع ہو گئی ۔ بعض لوگ کچھ حرکت کرنے لگے ۔ شاہ جیؒ نے والہانہ انداز میں گرج کر فرمایا ۔ بیٹھو کوئی متنفس نہ اٹھنے پائے ۔ میں تقریر کروں گا اور تم سنو گے ۔ بارش رُک سکتی ہے مگر بخاری کی تقریر نہیں رُک سکتی ۔ خدا کی شان دیکھئے ۔ اُدھر شاہ جیؒ نے یہ الفاظ فرمائے ۔ اُدھر بارش رُک گئی ۔ بادل چھٹ گئے ۔ اور چاند نورانی صورت دکھانے لگا ۔ بخاری اپنی تقریر کے جوہر دکھانے لگا ۔ [2]

پان میں زہر

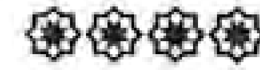
قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ اکثر یہ واقعہ سنایا کرتے تھے ۔ کہ ایک دفعہ شجاع

---

1 الرشید دارالعلوم دیوبند نمبر ص ☆ 2 ایضاً ص

آباد میں تقریر کرتے ہوئے شاہ صاحب نے پان مانگا۔ میں نے پان منگوا بھیجا پان لانے والے کو کسی اور نے کہہ دیا کہ میں پان لاتا ہوں۔ پان آیا تو میں نے شاہ جی کو دے دیا۔ شاہ جی نے پان کو منہ میں ڈالتے ہی جلدی سے کہا: "کیوں قاضی جی مجھے مارنے کا ارادہ ہے؟" یہ کہہ کر میرے ہاتھ پر پان اُگل دیا۔ قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ پان کے اثر سے میرا ہاتھ سیاہ ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ پان میں زہر ڈال دیا گیا تھا۔ شاہ جی کئی روز تک وہیں صاحب فراش رہے۔[1]

تمنا دردِ دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں
کوئی قابل ہو تو ہم شان کئی دیتے ہیں
ڈھونڈنے والوں کو دُنیا بھی نئی دیتے ہیں



1 ماہنامہ الرشید لاہور دارالعلوم دیوبند نمبر ص 567

تلاوت کے دوران سانپوں کا جھومنا

میاں عبدالصمد لاہور۔ چشم دید واقعہ بیان فرماتے ہیں۔

ان آنکھوں نے پو پھٹتے سورج کی چمک بھی دیکھی، چڑھتے ماہتاب کو بھی دیکھا مگر جو لطف بخاری کے چہرے میں تھا، کہیں بھی نہیں دیکھا۔ چہرہ کیا تھا، بقعہ نور تھا۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ میرے لئے سب سے مشکل تقریر رسالت پر ہے۔ ایک دن جوش میں کہا، عربی مجھ سے ہے اور میں عربی سے ہوں۔ گھر کا ہر فرد قرآن مجید کا حافظ ہے۔

1946ء میں جب الیکشن کا زمانہ تھا، مجلس احرار کے جنرل سیکرٹری مولوی مظہر علی اظہر تھے۔ شاہ صاحب کشمیر میں تھے۔ شاہ صاحب الیکشن کے سخت مخالف تھے۔ وہ الیکشن کو فرنگ کی دی ہوئی لعنت سمجھتے تھے۔ ہم لوگ شاہ صاحب کو لینے کشمیر گئے۔ رات کو ملاقات ہوئی، بات کوئی نہ ہوئی۔ صبح ہم نے تلاش کیا۔ پتہ چلا فلاں جھیل کی پہاڑی کے اوپر صبح کی نماز پڑھ کر چلے جاتے اور کافی دیر بعد واپس آتے ہیں۔ جب ہم وہاں پہنچے، ہم نے کیا نقشہ دیکھا۔ پہاڑی کی چوٹی پر تشریف فرما ہیں۔ ابھی پو اچھی طرح پھٹی نہ تھی۔ چھ بجے کا وقت تھا۔ پہاڑ کے درمیان جھیل کے دوسری طرف ایک اور پہاڑی ہے جہاں سے پانی بہتا ہے، مگر خاموشی کے ساتھ۔ زمین آسمان فضا سب خاموش ہیں۔ شاہ صاحب با آواز بلند محو تلاوت ہیں۔ کوئی انسان نہیں، ہم نے ان آنکھوں سے نظارہ کیا۔ سامنے کی پہاڑی پر جم غفیر سانپ ہی سانپ تھے۔ چھوٹے بڑے، درمیانے، ایک بہت بڑا سانپ بھی پھن پھیلائے جھوم رہا تھا۔ ہم وہیں رک گئے۔ سانسیں بھی روک لیں اور بیٹھ گئے۔ شاہ صاحب قرآن پڑھتے رہے، سانپ جھومتے

رہے۔ ہم نے درختوں پر نگاہ ڈالی جانور بھی خاموش ہیں۔ ادھر شاہ صاحب نے پون گھنٹے بعد تلاوت ختم کی اور سانپوں نے پہلے سر کو پہاڑی پر رکھا جیسے سجدہ ریز ہوں۔ پھر آہستہ آہستہ چلے گئے۔ پرندے بھی خدا کی حمد و ثناء کے گیت گاتے اڑ گئے۔ اب جب بھی میں کبھی مری اور آزاد کشمیر کی پہاڑیوں پر نظر ڈالتا ہوں، سیاہ پہاڑوں پر شام سرمئی آنچل پھیلاتی ہے، سورج اپنا تمام در و بام پر لٹا دیتا ہے تو وہ نورانی چہرہ بھی میری آنکھوں کی پتلیوں میں اور دماغ و دل کے گوشوں گوشوں میں چمکتا نظر آتا ہے۔ شاہ صاحب نے ہماری طرف دیکھا اور کہا، کامریڈ دیکھا تم نے؟ میں اگر پہاڑوں کو قرآن سناؤں تو ریزہ ریزہ کر دوں، سمندر کو برف بنا دوں، ہوا کو ساکت کر دوں۔ مگر میری قوم نے میرے سر کے بالوں کی سیاہی سفیدی میں بدل دی۔ مگر میں ان کے دلوں کی سیاہی کو نہ دھو سکا۔ ہم نے آنے کا مقصد بیان کیا۔ بادل نخواستہ بحث و تمحیص کے بعد تیاری کر لی۔[1]

نبوت کے لب

خدا کی قسم! اگر خدا نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت ودیعت کرنی ہوتی تو حسینؓ کے گھر ہوتی، جسے نبوت کے لب چوما کرتے تھے اور حقیقت میں انہیں نبوت کے لبوں کے ذریعہ خدا پیار کیا کرتا تھا۔

نمک حرام

میں اکابر ملت اور عمائدین حکومت کو بروقت انتباہ کرتا ہوں کہ جس ملک کے نمک حرام، قائداعظم کا نمک حلال نہ کر سکے۔ جو لوگ آقا و مولا رسول اللہ ﷺ کے وفادار نہ بن سکے اور قائداعظم کی زندگی میں انہیں مسلمان تسلیم نہ کرتے رہے۔ ان کی نمک حرامی کو کس طرح معاف کیا جا سکتا ہے۔ ان کو پالنا سانپوں کو چلوؤں دودھ پلانا ہے۔ فرقہ ضالہ مرزائیہ پاکستان میں اپنی جداگانہ حکومت کے خواب ہی نہیں دیکھ رہا بلکہ اس فرقے کے وارث موسیو بشیر ربوہ میں خاصی خودمختار حکومت قائم کیے بیٹھا ہے اور عملاً برملا مطالبہ کر رہا ہے کہ اسے قادیانیوں کا الگ صوبہ بنا دیا

1. ہفت روزہ ختم نبوت، جلد 7، شمارہ 11

جائے مگر حکومت خاموش ہے۔

قادیانی کتابیں

تم اپنے مخالفین کو جنگل کا سور اور ان کی عفت مآب خواتین کو کتیاں کہتے ہو۔ تمہاری کتابوں میں اتنی عفونت اور سڑانڈ ہے کہ کوئی شریف آدمی ناک پر کپڑا رکھے بغیر انہیں دیکھ نہیں سکتا۔ میں حکومت سے پوچھتا ہوں کہ ایسے غلیظ و متعفن جملے تمہاری پبلشنگ کے ضابطوں کی زد میں نہیں آتے؟ تم نے آج تک ان کتابوں کو ضبط کیوں نہیں کیا؟ کیا یہ کھلم کھلا جانب داری اور مرزائی خاندان کی خدمات کا صلہ نہیں؟ ہمارے مسلمانوں کے اخبارات حکومت پر جائز تنقید کریں تو احرار، زمیندار، احسان، سیاست فوراً ضبط کر لئے جاتے ہیں۔ ان سے خطیر رقموں کی ضمانتیں لی جاتی ہیں۔

شاہ جیؒ کی تلاوت سے دشمن چوکڑی بھول گئے

صوفی واحد بخش صاحب دوائی فروش کلر والی (مظفر گڑھ) کے بروایت مولوی سلطان محمود عاحیڑہ نے ذکر کیا کہ گڑھی اختیار خاں علاقہ خان پور ضلع رحیم یار خاں کے ایک شخص نے شاہ جیؒ کو تقریر کی دعوت دی جو اس علاقہ کے مشہور بدعتی واعظ مولوی محمد یار فریدی کے لئے ایک زبردست چیلنج کی حیثیت اختیار کر گئی اور اس کا آرام حرام ہو گیا۔ اس نے کثیر تعداد افراد کی ایک باقاعدہ پلٹن تیار کی جس کے ذمہ جلسہ گاہ میں کنکروں اور ڈھیلوں کے تھیلے لے جا کر بیٹھنا اور تقریر کے دوران شاہ جیؒ پر انہیں پھینکنا تھا۔ جلسہ کا آغاز ہوتے ہی ان لوگوں نے اپنی پوزیشن لے لی۔ لیکن شاہ جی نے کسی موضوع پر تقریر کا اختتام ہوا تو کم و بیش 80 کی تعداد میں آدمی کنکروں وغیرہ کے تھیلوں سمیت شاہ جیؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر معذرت خواہ ہوئے۔

ناقل، حاجی محمد حسن چغتائی رحمۃ اللہ علیہ، بروایت صوفی واحد بخش صاحب دوران ملاقات ربوہ 7۔8 مارچ 1991ء بموقعہ تیرھویں شہداء ختم نبوت کانفرنس



لدھارام انگریزوں کا گھریلو گواہ

گجرات کے مشہور مقدمہ میں جب لدھارام رپورٹری آئی ڈی نے حقیقت حال کا انکشاف عدالت عالیہ میں کیا اور شاہ جیؒ کی رہائی ہوگئی تو لدھارام سے پوچھا گیا کہ آخر تو نے سرکاری ملازم ہوتے ہوئے یہ جھوٹی شہادت دینے سے گریز کیوں کیا اور سچی شہادت سے اپنے آپ کو خطرے میں کیوں ڈالا۔ تو اس نے بتایا کہ میں نے سرکاری ملازمت میں ہمیشہ سچی جھوٹی شہادتیں دی ہیں اور اس دن بھی شاہ جی کے خلاف جھوٹی شہادت دینے کے لئے تیار ہوکر آیا تھا۔ ڈائری میں ردو بدل اگرچہ اعلیٰ حکام کے حکم سے کیا تھا لیکن اس میں بہرحال میری بھی رضامندی شامل تھی۔ ہوا یہ کہ میں جب گواہی دینے عدالت آیا تو شاہ جیؒ کو دیکھا ایشوں اور منیوں کی شکل وصورت کا ایک سچا انسان کھڑا ہے۔ مجھے کسی مخفی طاقت نے ٹوکا کہ یہ شخص اب میری جھوٹی شہادت پر پھانسی کی سزا پائے گا۔ میرا دل لرز گیا میں نے دل ہی دل میں توبہ کی اور عہد کرلیا کہ دنیا کی ہر مصیبت برداشت کرلوں گا لیکن اس عظیم انسان کے خلاف جھوٹی شہادت دینے کا پاپ (گناہ) نہیں کماؤں گا۔ تب میں نے شاہ جیؒ کے وکیل کو علیحدگی میں سارا ماجرا بیان کیا ساتھ ہی اپنا ارادہ بھی بتایا۔ لدھارام نے ہائی کورٹ میں شہادت دی اس کی ملازمت گئی، تین سال کی سخت سزا ہوئی لیکن شاہ جی کی معجزانہ رہائی کا باعث بن گیا۔

اس مقدمہ میں شاہ جی 9 ماہ کے قریب جیل میں رہے جب رہا ہو کر آئے تو تقریروں میں اکثر فرمایا کرتے کہ ایک طرف میں بے نوا تھا میرے غریب ساتھی جیلوں میں مقید تھے میری اولاد کمسن اور والد ضعیف العمر تھا۔ دوسری طرف فرنگی کی صولت وحشمت تھی۔ خزانے اُس کے پولیس اس کی عدالتیں اس کی جیل خانے اس کے سب اختیار واقتدار اُسی کا تھا۔ پھر ترنم سے پڑھتے ؎

روح بخت ملاقی ان کا
چرخ ہفت طبقاتی ان کا
محفل ان کی ساقی ان کا

آنکھیں میری باقی ان کا

حضرت یوسف علیہ السلام کے زندانی ہونے کا واقعہ دہراتے، زلیخا کی الزام تراشیوں کا تذکرہ کرتے قرآن مجید کی آیت شریف " وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا " پڑھ کر لدھا رام کو انگریزوں کا گھریلو گواہ قرار دیتے اس مقدمہ سے رہائی کو وہ اللہ کا عظیم احسان کہتے آخر میں فرماتے اے اللہ اس نعمت کے شکرانے میں تیری خدمت میں کیا پیش کروں کیونکہ جو نعمت سوچتا ہوں وہ سب ترے خزانوں میں موجود ہے۔

ایک دن تقریر کرتے کرتے جھولی پھیلادی اور فرمایا میرے پاس ایک ایسی چیز ہے جو تیرے پاس نہیں ہے وہی تیرے شکر نعمت کے لئے پیش کرتا ہوں اور وہ میرے گناہ ہیں میرے پاس ان کے سوا کچھ نہیں پھر یہ بیان کچھ اس عجز وانکسار اور رقت انگیز منظر میں پیش کیا کہ لوگوں کی چیخیں نکل گئیں۔

شاہ جیؒ نے تحریک آزادی میں جو تقاریر کیں اگر انہیں جمع کیا جائے تو وہ ایک بے مثال ذخیرہ ہے۔ قرآن مجید سے بعض ایسی آیات کا انتخاب فرمایا کرتے اور ان پر آزادی سے متعلق ایسی شعلہ بار تقریریں کرتے جن کی اس مختصر مضمون میں گنجائش نہیں ہے۔

ملک کی آزادی کے بعد ان کی پوری توجہ مسئلہ تحفظ ختم نبوت کی طرف ہوگئی۔ وہ اس مسئلے کو توحید، رسالت، قیامت اور تمام عقائد وعبادات اسلام کی اصل قرار دیتے تھے ان کا استدلال یہ تھا کہ ان تمام مسائل کی تعریف اور تعین نبوت کرتی ہے اگر نبوت بدل سکتی ہے تو یہ سب کچھ بدل سکتا ہے، یہاں تک کہ حلال وحرام بھی بدل سکتا ہے۔ وہ موجودہ اسلام کی بنیاد حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو تعین کرتے تھے اور حضور ﷺ کی ذات کے ساتھ ان کا جو عشق تھا اس کے خلاف وہ کسی چیز کو برداشت کرنے کا تصور تک بھی نہ کر سکتے تھے۔

مسئلہ ختم نبوت کے سلسلہ میں شاہ جیؒ نے جو کچھ کہا وہ برسوں ہمارے ملک کی فضا میں گونجتا رہے گا۔ اس سلسلے میں وہ بعض عجیب عجیب پیشین گوئیاں بھی کرتے تھے جو وقت

نے کچھ پوری کر دی ہیں اور وقت بعض دوسری باتوں کو بھی پورا کر دے گا۔ انشاء اللہ۔ [1]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی صداقت کے گواہ

صحابہ کرامؓ کے اکرام واحترام کو بھی جزو ایمان جانتے تھے اور اصحاب رسول پر تنقید و تنقیص کو بربادی ایمان یقین کرتے۔ لکھنؤ میں بعض خلفائے راشدین کے نام سے رضی اللہ عنہ کہنا جرم تھا شاہ جی نے برسر اجلاس اس قانون کی دھجیاں اڑا دیں۔ وہ صحابہ کرام ازواج مطہرات اور آل بیت اطہار کے فضائل ومحاسن پر گھنٹوں بولتے رہتے تھے۔ "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ اَشِدَّاءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَاءُ بَیْنَھُمْ" اور اسی طرح "وَ طَایِفَۃٌ مِّنَ الَّذِیْنَ مَعَکَ" سے وہ اصحابؓ وازواجِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت کے درجہ کو عام ایمان کے درجے سے افضل قرار دیتے تھے۔

وہ حدیث پاک "اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ" کو صحابہؓ کے فضائل میں بیان کر کے سعدی شیرازیؒ کے مشہور شعر پڑھا کرتے تھے

گلے خوشبوئے در حمام روزے
رسید از دستِ محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری
کہ از بوئے دلآویز تو مستم
بگفت من گلے ناچیز بودم
ولیکن مدتے باگل نشستم
جمال ہم نشین درمن اثر کرد
وگرنہ من ہمہ خاکم کہ ہستم

حضور ﷺ کی صداقت کے دو بہترین گواہ

شاہ جیؒ مختلف اصحابِ رسول کے فضائل کے سلسلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی

1 ایضاً ص 28

نبوت کی صداقت کا دو صحابہ کرامؓ کو بہترین گواہ قرار دیا کرتے۔ پہلے جناب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور دوسرے حضرت خالد بن ولیدؓ کو۔ ایک دفعہ میں نے عرض کیا کہ شاہ جی! اور ابوبکر صدیقؓ۔ فرمایا ان کو اس مقدمے میں سرکاری گواہ کی حیثیت تھی۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے ہی سے دوست تھے لیکن یہ دونوں بہادر دشمن اور سخت دشمن تھے لیکن نبوت کی صداقت کو یقین کر کے شرف ایمان حاصل کر گئے۔

حدیث رسول ﷺ نبوت کی مثل

وہ حدیث رسول کو نبوت کی مثل فرمایا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اب کچھ لوگ اس مثل ہی کو غتر بود کرنے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں۔ شاہ جی کی ایک بڑی خوبی ان کی زندہ دلی اور لطافت وظرافت تھی۔ وہ مصنوعی خاموشی اور یبوست کے خلاف تھے اللہ نے باغ و بہار طبیعت بخشی ہوئی تھی۔ جب کبھی ان پر مصائب کا ہجوم ہوتا، ساتھیوں پر ظلم وتشدد کی یلغار ہو رہی ہوتی۔ تو رنج وملال نہیں کرتے تھے بلکہ خوب ہنستے اور ہنساتے تھے۔ اس طرح وہ اپنا اور اپنے دیوانے سرفروش مجاہدوں کا غم غلط کرتے رہتے۔ ان کی شعر وسخن کی محفلوں اور بذلہ سنجی ظرافت کی مجلسوں میں بیٹھ کر ہر رنج اور ہر مصیبت بھول جایا کرتے تھے۔ ان کے بیان کردہ لطائف و ظرائف کو اگر کوئی اکٹھا کر لے تو ضخیم کتاب مرتب ہو سکتی ہے۔ جب پہلے پہل ان پر فالج کا حملہ ہوا تو ہم ملتان پہنچے اتفاق سے مولانا احمد علی صاحب بھی لاہور سے مزاج پرسی کے لئے تشریف لے آئے۔ اب شاہ جی نے فالج کے حملے کا واقعہ سنایا کہ صبح اچھا بھلا اٹھا وضو کرنے لگا تو ہاتھ نے سول نافرمانی شروع کر دی۔ منہ میں پانی ڈالا تو اس نے بھی بغاوت اختیار کی۔ میں سمجھ گیا کہ فالج کا حملہ ہوا ہے اور اب میں مرنے لگا ہوں۔ جلدی جلدی وضو کیا صبح کی نماز ادا کی اور زور زور سے پڑھا "اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ وَلَا رَسُوْلَ بَعْدَہٗ" اور یہ پڑھ کر چارپائی پر لیٹ گیا کہ اگر اب موت آ گئی تو انشاء اللہ خاتمہ ایمان پر ہو جائے گا۔ تھوڑی دیر لیٹا رہا اور موت کا انتظار کرتا رہا۔ لیکن موت نہ آئی اب اٹھا اندر گیا بھوک لگ رہی تھی، کھانا مانگا تو رات کی ٹھنڈی کھچڑی کھالی۔ شاہ جیؒ نے

یہاں بات کو پھر دہرایا کہ فالج کا حملہ موت کا انتظار اس پر رات کو ٹھنڈی کھچڑی کھالی البتہ ایک غلطی ہوگئی جس کے لئے اللہ سے معافی مانگتا ہوں، آپ لوگ بھی معاف کر دینا وہ یہ کہ کھچڑی کے بعد گھڑیا کا ٹھنڈا باسی پانی پینا بھول گیا۔ بس یہ کسر رہ گئی۔ شاہ جی یہ باتیں بڑے مزے مزے لے لے کر بیان کر رہے تھے اور میں سوچتا تھا کہ فالج کا حملہ ہے منہ پر لقوہ کا اثر ہے زبان میں لکنت آچکی ہے لیکن اس ہولناک اور خوفناک مرض میں بھی شاہ جی کی وہی زندہ دلی اور چٹکلے ہیں اللہ نے کیسی باغ و بہار طبیعت عطا کی ہے کہ کسی مرحلے میں بھی یاس وملال یا کسی پریشانی کا نام و نشان تک نہیں ہے۔ جب کسی ساتھی کو رنجیدہ خاطر یا ملول دیکھتے بس ایسی بات کہہ دیتے کہ وہ رنج و ملول سب چلا جاتا۔ ایک دفعہ مولانا محمد علی جالندھریؒ سندھ کے تبلیغی دورے سے واپس آئے سفر کی تھکان، طبیعت ناساز، گلا خراب افسردہ حال شاہ جیؒ کی خدمت میں آپہنچے۔ شاہ جیؒ خود بیمار تھے۔ دونوں نے ایک دوسرے کی مزاج پرسی کی۔ شاہ جیؒ مولانا کا بے حد احترام کرتے تھے پوچھا:۔

”محمد علی کیا حال ہے؟“

مولانا نے جواب دیا:۔

”شاہ جیؒ سفر بہت تھا بیمار ہوگیا تقریریں کرنا پڑیں طبیعت سخت خراب ہوگئی اور گلا بھی خراب ہوگیا“

شاہ جیؒ لیٹے ہوئے تھے اٹھ بیٹھے اور فرمایا:۔

”محمد علی خدا کا خوف کر تیرا گلا خراب ہوگیا یہ پہلے کون سا لحن داؤدی تھا جو اب خراب ہوا ہے“۔

یہ قوم ڈنڈے والے کے آگے دولت والے کے پیچھے بھاگتی ہے

حاضرین ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہوگئے۔ شاہ جیؒ خود بھی ہنس دیے مولانا کی ساری خرابی طبیعت جاتی رہی چہرہ کھل گیا۔ وہ عام طور پر فرمایا کرتے تھے کہ میں نصف صدی اس ملک کے چپے چپے پر پھرا ہوں۔ میری قوم کی نفسیات یہ ہیں کہ یہ ڈنڈے والے کے آگے اور

دولت والے کے پیچھے بھاگتی ہے۔

سچ ہے موت سے کس کو رستگاری ہے آخر یہ عظیم الشان انسان بھی رخصت ہوگیا

گماں مبر کہ نظیری جو تو بگذری جہاں گذار
ہزار شمع بکشتند و انجمن باقیست 1

شاہ جیؒ نے تپتا ہوا انگارہ ہاتھ پر رکھ دیا

لاہور کے قریب رائے ونڈ میں ہر سال تبلیغی اجتماع ہوتا ہے۔ پوری دنیا سے لوگ جان و مال اور وقت کی قربانی دے کر اس میں شرکت کرتے ہیں۔ میرے اندازے میں تقریباً پچیس تیس لاکھ کا مجمع تھا۔ چوتھے روز دعا سے فارغ ہو کر میں لاہور روانہ ہوگیا کیونکہ لاہور میں میرے کافی عزیز ہیں، سوچا کہ جب اتنی دور سے آیا ہوں تو ان سے بھی ملتا چلوں۔ ایک دن میں لاہور میں اپنے عزیز کے ہاں بیٹھا ہوا تھا ان کے ایک دوست بھی ان سے ملنے کے لئے ان کے گھر تشریف لائے ہوئے تھے۔ میرے عزیز نے اپنے دوست سے میرا تعارف کرواتے ہوئے بتایا کہ شاہ جی! یہ میرے عزیز ہیں اور کراچی میں رہتے ہیں۔ یہاں رائے ونڈ میں سالانہ تبلیغی اجتماع ہوتا ہے۔ اسی میں شرکت کے لئے آئے ہیں تو شاہ صاحب جن کا نام سید افتخار احمد شاہ ہے، انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ آپ خالصتاً اسی کام کے لئے آئے تھے، تو وہ بہت خوش ہوئے۔ میں نے ان سے کہا کہ شاہ جی میں تو کراچی سے آیا ہوں جو کہ پاکستان کا ہی ایک شہر ہے۔ اجتماع میں تو لوگ دنیا کے آخری کونے سے اپنے جان و مال اور وقت کی قربانی دے کر ہر سال شریک ہوتے ہیں۔ شاہ صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کراچی میں کیا کرتے ہیں۔ میں نے کہا کہ دفتر ختم نبوت میں ایک خادم کی حیثیت سے کام کرتا ہوں اس پر شاہ صاحب چونک اٹھے۔ تو شاہ صاحب نے کہا کہ اس مسئلے میں جتنی قربانی شاہ صاحب (سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ) نے دی ہے اس کا بیان کرنا مشکل ہے۔ میں چونکا اور افتخار شاہ صاحب سے پوچھا آپ

سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے بارے میں کچھ جانتے ہیں تو انہوں نے کہا ہاں۔ میں نے شاہ صاحبؒ سے کہا ان کا کوئی واقعہ اگر آپ کے ذہن میں ہو تو بتائیں انہوں نے کہا ایک مرتبہ شاہ جیؒ ریاست پٹیالہ میں تقریر کرنے آئے۔ اس وقت میری عمر تقریباً 18 برس تھی۔ میں شاہ جی کی تقریر بڑے شوق سے سنتا تھا۔ مجھے اگر معلوم ہو جاتا کہ شاہ جی کی تقریر فلاں جگہ ہے تو میں وہاں ضرور جاتا، چاہے مجھے پیدل ہی کیوں نہ جانا پڑے۔ میں نے شاہ جی کے جلسے میں شرکت کے لئے بیس میل پیدل سفر کیا ہے۔ ریاست پٹیالہ میں تقریر شروع ہوئی۔ جلسہ میں ہندوؤں اور سکھوں کی کثرت تھی۔ مجمع میں ایک سردار" بل بیر سنگھ" ایس پی سپرنٹنڈنٹ جو کہ باوردی تھے۔ وہ بھی شرکت کے لئے آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے سوچا کہ چلیں ہم بھی دیکھتے ہیں کہ شاہ جی کون ہیں ایسے ہی لوگ شاہ جی شاہ جی کہتے ہیں۔ آج بھرے مجمع میں ایسا سوال کروں گا کہ لوگ شاہ جی کہنا بھول جائیں سو اس نے ویسا ہی کیا اور اسٹیج پر چڑھ کر شاہ صاحب سے سوال کیا شاہ جی میں نے سنا ہے کہ آپ سید ہیں تو شاہ صاحب نے فرمایا نہیں۔ بھائی میں تو سیدوں کی جوتیاں سیدھی کرنے والا ہوں۔ اتنے میں ایس پی سپرنٹنڈنٹ سردار بل بیر سنگھ نے کہا کہ شاہ جی میں نے سنا ہے کہ جو سید ہو اسے آگ نہیں جلاتی تو مجمع میں شور برپا ہو گیا۔ قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ بھی شاہ صاحب کے ہمراہ تھے۔ انہوں نے سردار بل بیر سنگھ سے کہا کہ مجمع میں کرامت دکھانے کی اجازت نہیں ہے تو شاہ جیؒ نے مولانا احسان احمد صاحب سے کہا کہ مولانا صاحب آپ خاموش رہیں اگر یہ سوال کوئی مسلمان کرتا تو اور بات تھی۔ یہ ایک غیر مسلم نے سوال کیا ہے اور کیا بھی مجھ سے ہے۔ اس کا جواب بھی میں ہی دوں گا۔

چنانچہ شاہ صاحب نے سردار بل بیر سنگھ سپرنٹنڈنٹ کے آگے اپنے دونوں ہاتھ کر دیئے اس نے اپنے ایک محافظ سے کہا کہ آگ لے کر آؤ۔ وہ آگ لے کر آیا اس نے آگ سے دہکتے ہوئے انگارے شاہ صاحب کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔ شاہ صاحب انگارے دونوں ہاتھوں میں لئے کھڑے رہے۔ سارا مجمع حیران رہ گیا اور اس وقت تک ہاتھ نہیں جھاڑے جب تک سردار بل بیر سنگھ نہیں کیا۔ تقریباً پانچ منٹ بعد سردار بل بیر سنگھ نے کہا کہ اب انگارے پھینک

1 ہفت روزہ ختم نبوت کراچی، جلد 5، شمارہ 38، از قلم: رانا محمد انور

دیں اور مجھے اپنے ہاتھ دکھائیں شاہ صاحب نے دونوں ہاتھ سردار بل بیر سنگھ کے سامنے کر دیئے وہ فوراً ہاتھوں کو چوم کر شاہ صاحب کے گلے لگ گیا اور کہا کہ شاہ جی میرے سینے میں بھی آگ لگی ہوئی ہے۔ خدا کے لئے اسے بھی ٹھنڈا کر دیں اور مجھے کلمہ پڑھا دیں۔ شاہ صاحب نے اسی وقت اس کو کلمہ پڑھایا اور وہ سردار بل بیر سنگھ پرنٹنڈنٹ اسی وقت مسلمان ہو گیا۔[1]

پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ کی خدمت میں

ایک روز شاہ جیؒ نے اپنی ابتدائی بیعت کا واقعہ سنایا کہ میں حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی کے پاس بیعت کے لئے حاضر ہوا کئی روز وہاں رہا مگر حضرت نے میری طرف توجہ نہ فرمائی ادھر ان کی بے رُخی سمندِ شوق پر تازیانہ ثابت ہوئی حتیٰ کہ جب ایک دن وہ گھوڑے پر سوار ہو کر کہیں باہر تشریف لے جا رہے تھے تو میں بھی گھوڑے کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ انہوں نے گھوڑا دوڑایا تو میں نے بھی پیچھے دوڑنا شروع کر دیا۔ جب ان کی نظر پڑی تو پوچھا کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا حضور آپ کی توجہ کا طلب گار ہوں۔ فرمایا:۔

جاؤ ایک ، دو روز انتظار کرو۔ میں نے حکم کی تعمیل کی۔ دو روز کے بعد مجھے بلایا۔ بیعت فرمائی اور چند کلمات پڑھنے کے لئے بتلائے میں نے عرض کیا اگر اجازت ہو تو قصیدہ غوثیہ بھی پڑھا کروں۔ فرمایا میں نے تمہیں وہ چیز بتلائی ہے جس کو پڑھ کر غوث الاعظم غوث بنے اور تم قصیدہ غوثیہ پڑھنے کی اجازت مانگتے ہو؟ شاہ جی ایک مرد قلندر تھے اور آپ جانتے ہیں۔ ع

قلندر جز دو حرفِ لا اللہ کچھ بھی نہیں رکھتا[1]



1 چٹان سالنامہ لاہور 1962ء ص 39

خطابت کے جواہر پارے

راجپال کی گستاخی

(اس جلسہ میں مفتی کفایت اللہ، مولانا احمد سعید موجود تھے۔ یہ جلسہ مہاشہ راجپال کی کتاب (خاکم بدہن) رنگیلا رسولؐ کے خلاف احتجاج کرنے کے لئے منعقد ہوا تھا۔ جس سے خطاب کرتے ہوئے حضرت امیر شریعتؒ نے فرمایا۔[1]

آج مفتی کفایت اللہ، اور مولانا احمد سعید کے دروازے پر اُم المومنین عائشہؓ صدیقہ اور اُم المومنین خدیجۃ الکبریٰؓ آئیں، اور فرمایا۔ ہم تمہاری مائیں ہیں، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ کافروں نے ہمیں گالیاں دی ہیں...... (پھر اس زبردست کروٹ کے ساتھ لوگوں کو مخاطب ہو کر کہا، کہ جلسہ ہل گیا)۔ ارے دیکھو تو...... اُم المومنین عائشہؓ صدیقہ دروازے پہ تو نہیں کھڑی ہیں (جلسہ میں کہرام مچ گیا، لوگ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے) دیکھو، دیکھو سبز گنبد میں رسول اللہ ﷺ تڑپ رہے ہیں۔ خدیجہؓ و عائشہؓ پریشان ہیں۔ اُمہات المومنین تم سے اپنے حق کا مطالبہ کرتی ہیں...... عائشہ پکارتی ہیں۔ وہی عائشہؓ، جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیار سے حمیراؓ کہا کرتے ہیں۔ جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ اُمی وابی) کو رحلت کے مسواک چبا کر دی تھی...... اُن کے ناموس پر قربان ہو جاؤ۔ بچے بچے...... ماں پہ کٹ مرا کرتے ہیں۔

1. 7/ جولائی 1927ء

واہ اور آہ میں شاہ جیؒ ہوئے تباہ

صدر محترم اور تماشائی بھائیو! لاہور آئے ہوئے مجھے 20 بیس سال ہو گئے ہیں، میں بوڑھا ہو گیا ہوں، بال سفید ہو چکے ہیں۔ آج تک مجھے یہ پتہ نہیں چلا، کہ آپ ہیں کیا؟ غوث ہیں، قطب ہیں، ابدال ہیں، ولی ہیں، کیا ہیں سمجھ میں نہیں آتا، کہ آپ کو کس نام سے خطاب کروں...... کیا میری بیوی کے حق مہر میں جیل جانا لکھا ہوا ہے، اگر تم نہیں چاہتے، کہ ہم تمہارے سامنے آئیں، تو پھر تم ہمارے سامنے کیوں آتے ہو؟ کُٹی کر لی ہے تو پکی کر لو، یہ کیا کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے تقریر کی تم نے کہا، واہ شاہ جیؒ واہ، عطاء اللہ ہو گیا قید، تم نے کہا آہ شاہ جیؒ آہ تمہاری آہ اور واہ میں شاہ جیؒ ہو گئے تباہ۔

میں پہاڑوں سے مخاطب ہوتا تو سنگینی کے دل چھوٹ جاتے

چوالیس 44 برس لوگوں کو قرآن سنایا، پہاڑوں کو سناتا، تو عجب نہ تھا، کہ ان کی سنگینی کے دل چھوٹ جاتے، غاروں سے ہم کلام ہوتا، تو جھوم اٹھتے چٹانوں کو جھنجھوڑتا، تو چلنے لگتیں۔ سمندروں سے مخاطب ہوتا، تو ہمیشہ کے لئے طوفان بلند ہو جاتے۔ درختوں کو پکارتا، تو وہ دوڑنے لگتے، کنکریوں سے کہتا، تو وہ لبیک کہہ اٹھتیں۔ صرصر سے گویا ہوتا، تو وہ صبا ہو جاتی۔ دھرتی کو سناتا، تو اُس کے سینہ میں بڑے بڑے شگاف پڑ جاتے، جنگل لہرانے لگتے، صحرا سرسبز ہو جاتے۔ میں نے اُن لوگوں کو خطاب کیا، جن کی زمینیں بنجر ہو چکی ہیں، جن کے ہاں دل و دماغ کا قحط ہے جن کے ضمیر عاجز آ چکے ہیں، جو برف کی طرح ٹھنڈے ہیں جن کی پستیاں انتہائی خطرناک ہیں، جن میں ٹھہرنا الناک، اور جن سے گذر جانا طربناک ہے جن کے سب سے بڑے معبود کا نام طاقت ہے۔

وہ تمہارے بت کدے میں اللہ ﷻ کی صدا

اللہ کی کتاب کی بلاغت کے صدقے جائیے، خود بولتی ہے کہ میں محمد ﷺ پر اتاری گئی ہوں۔ بابو لوگو! اس کی قسمیں نہ کھایا کرو، اس کو پڑھا کرو سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیلؒ کی

طرح نہ سہی۔ اقبال کی طرح پڑھا کرو...... دیکھا۔ اُس نے قرآن کو ڈوب کر پڑھا، تو مغرب کی دانش پر بلہ بول دیا۔ پھر اُس نے قرآن کے سوا کچھ دیکھا ہی نہیں۔ وہ تمہارے بت کدے میں اللہ اکبر کی صدا ہیں۔

وفاداری کے طالب پہلے اپنی وفاداری کا ثبوت دیں

میں نے جو کچھ کیا، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے کیا۔ مجھے ایک لحظہ کے لئے بھی اپنی کسی حرکت پر ندامت نہیں، میرا دماغ غلطی کر سکتا ہے، لیکن میرے دل نے کبھی غلطی نہیں کی۔ مجھ سے وفاداری کا ثبوت مانگنے والے پہلے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو اپنی وفاداری کا ثبوت دیں...... میں ان لوگوں میں نہیں، جو انسانی ضمیر کی سوداگری کرتے ہیں۔

میں اس شخص کو دھوپ چھاؤں کی اولاد سمجھتا ہوں، جو قوم کو بیچتا پھرتا، ملک سے غداری کرتا، اور جس ہنڈیا میں کھاتا ہے، اسی میں چھید ڈالتا ہے۔ میں نے صرف ایک اللہ پاک کے سامنے جھکنا سیکھا ہے؟ میں اُن لوگوں کا وارث نہیں جنہوں نے درباروں کی دہلیز چاٹی ہیں۔

میں اُن کا وارث ہوں، جو شہادت کے راستہ میں سروں کو ہتھیلی پر لئے پھرتے ہیں۔

ختم نبوت کا سپاہی

ختم نبوت کی حفاظت میرا جزو ایمان ہے۔ جو شخص بھی اس ردا کو چوری کرے گا، جی نہیں چوری کا حوصلہ کرے گا۔ میں اس کے گریبان کی دھجیاں پھاڑ دوں گا۔ میاں (حضور کو شاہ جی میاں ﷺ کہا کرتے تھے) کے سوا کسی کا نہیں۔ نہ اپنا نہ پرایا، میں انہی کا ہوں، وہی میرے ہیں...... جس ﷺ کے حسن و جمال کو خود ربِ کعبہ نے قسمیں کھا کھا کے آراستہ کیا ہو ان ﷺ کے حسن و جمال پر نہ مرمٹوں۔ تو لعنت ہے مجھ پر، اور لعنت ہے اُن پر، جو ان ﷺ کا نام تو لیتے ہیں، لیکن سارقوں کی خیرہ چشمی کا تماشا دیکھتے ہیں۔

پاکستان کے ذرے ذرے کی حفاظت

میں ان لوگوں میں سے نہیں، جو یہ صدا دیتے پھریں، کہ میں توشۂ وفاداری لئے

پھرتا ہوں، میری اُنگلی پکڑ کر اپنے ساتھ لے چلو، اور جس مقتل میں چاہو، مجھے ذبح کر دو ایسا کبھی نہیں ہوگا اور ہرگز نہیں ہوگا میں خوش ہوں میری خوشی بے کراں ہے۔ کہ اس ملک سے انگریز نکل گیا۔ میں دنیا کے کسی حصہ میں سامراج کو دیکھ نہیں سکتا۔ میں اس کو قرآن اور اسلام کے خلاف سمجھتا ہوں۔ تم میری رائے کو خودفروشی کا نام نہ دو، میری رائے (قیام پاکستان کے وقت) ہار گئی، اور اس کہانی کو یہیں ختم کردو...... اب پاکستان نے جب بھی پکارا، واللہ باللہ میں اس کے ذرے ذرے کی حفاظت کروں گا۔ مجھے یہ اتنا ہی عزیز ہے، جتنا کوئی اور دعویٰ کر سکتا ہے...... میں قول کا نہیں، عمل کا آدمی ہوں، اس طرف کسی نے آنکھ اٹھائی تو وہ پھوڑ دی جائے گی، کسی نے ہاتھ اٹھایا تو وہ کاٹ دیا جائے گا...... میں اس وطن اور اس کی عزت کے مقابلہ میں نہ اپنی جان عزیز رکھتا ہوں، نہ اولاد...... میرا خون پہلے بھی تمہارا تھا، اور اب بھی تمہارا ہے......

عمر اور علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہما)

ایک بار حضرت شاہ صاحبؒ سے پوچھا گیا کہ علیؓ اور عمرؓ میں کیا فرق ہے آپ نے فوراً ارشاد فرمایا بڑا فرق ہے۔ علیؓ مرید ہیں اور عمرؓ مرید نہیں۔ علیؓ کیا صدیقؓ کیا تمام صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) مرید تھے مگر عمرؓ مرید نہ تھے۔ جج نے بھرے مجمع میں دریافت کیا تو پھر کیا تھے۔ سناٹا چھا گیا۔ سب حیران تھے کہ شاہ صاحب کیا جواب دیں گے مرید نہیں تھے تو پیر تھے کیا تھے؟ حضرت شاہ صاحب نے فوراً جواب دیا سارے مرید تھے مگر عمرؓ مراد تھے۔ باقی خود حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے اور عمرؓ کو اللہ تعالیٰ سے مانگا گیا اور خود چل کر آئے اور عمرؓ کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں درخواست کی گئی۔ یہ مرید نہیں مراد ہیں۔

پھر فرمایا۔ میں بیٹا علیؓ کا ہوں۔ نفس (جی) میرا بھی چاہتا ہے کہ انہی کو سب کچھ کہوں لیکن عمرؓ چھوڑتے نہیں وہ خود منواتے ہیں۔ عمر کو نکال دیجئے پھر اسلام کی تاریخ میں کیا رہ جاتا ہے۔ "سبحان اللہ کیا احساسِ حقیقت ہے۔"[1]

1. ترجمان اسلام لاہور یکم ستمبر 1961ء

عائشہ اور خدیجہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) میں فرق

ایک بار (غالباً) محترم مظفر علی صاحب شمسی نے دریافت کیا کہ حضرت خدیجہؓ اور حضرت عائشہؓ میں کیا فرق ہے۔ فرمایا۔ خدیجہؓ کا نکاح محمد بن عبداللہ سے ہوا اور عائشہؓ کی شادی محمد ﷺ رسول اللہ سے ہوئی۔ وہ محمد ﷺ کی زوجہ بنیں، یہ نبوت کی زوجہ بنیں۔"

(یوں تو حضرت شاہ صاحبؒ کے تصور میں بھی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یا شیر خدا مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کسی درجہ کی تنقیص نہیں آسکتی تھی۔ حضرت شاہ صاحب تو ایک ادنیٰ صحابی پر بھی ندا تھے۔ مگر یہ سوال کرنے والے دونوں موقعوں پر چونکہ شیعہ فرقہ سے تعلق رکھنے والے تھے جو حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارہ میں غلط روایات کے حامل ہیں اس لئے ان کے دل میں خاص انداز سے ہر دو کی عظمت بٹھانے اور راہِ حق واضح کرنے کے لئے یہ طریقہ جواب اختیار فرمایا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح قبل از نبوت سے ہوا اس سے کوئی شخص ان کی شان میں کمی تصور نہ کرے عورتوں میں وہی سب سے پہلی صدیقہ ہیں۔ ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کے بارہ میں کچھ لب کشائی کی...... حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے حضرت خدیجہؓ کی تعریف بیان فرمائی۔) [1]

حضرت فاطمۃ الزہراء اور ان کی بہنیں (رضی اللہ تعالیٰ عنہن)

ایک بار دریافت کیا گیا کہ خاتون جنت حضرت فاطمۃ الزہراء اور ان کی بہنوں (رقیہ۔ اُم کلثوم اور زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہن) میں کیا فرق ہے۔ فرمایا بڑا فرق ہے وہ نبوت سے پہلے کی صاحبزادیاں ہیں اور خاتون جنت نبوت سے بعد کی۔ (سبحان اللہ تعالیٰ خاتون جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی فضیلت کس عمدہ پیرایہ میں ظاہر فرمائی۔ ایسا نہیں کیا کہ چونکہ دو صاحبزادیاں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں یکے بعد دیگرے آئیں۔ اس لئے ان دونوں صاحبزادیوں ہی سے انکار کر دو کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیاں ہی نہیں

[1] ترجمان اسلام ص 16

اور حضور ﷺ کی کوئی بیٹی سوائے خاتون جنت کے نہ تھی (معاذ اللہ) ان دونوں صاحبزادیوں کے نکاح کی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ذی النورین کہا جاتا ہے۔ اور اس سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہت بڑی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ اگر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقام اور مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں بلند اور پسندیدہ نہ ہوتا تو آپ ایک کی وفات کے بعد کاہے کو دوسری صاحبزادی کا نکاح ان سے فرماتے بہر حال باقی صاحبزادیوں کا انکار کرنا دن کے وقت سورج سے انکار کرنا ہے۔ [1]

نوری اور خاکی

ایک بار کسی دوست نے پوچھا۔ حضرت شاہ صاحب! صاحبزادہ فیض الحسن صاحب نے آپ کو کیوں چھوڑ دیا۔ فوراً بولے بھائی وہ نوری ہیں ہم خاکی۔ ان نوریوں سے امید وفا کیسی؟ سب سے بڑے نوری (حضرت جبرئیل علیہ السلام) میرے نانا کو راستے میں نہیں چھوڑ دیا تھا؟ (شب معراج میں) کہا آگے چلو کہا نہیں چلتا ذرا آگے چلوں تو پر جل جائیں گے نوری رہ گیا اور خاکی آگے جا بڑھا۔ ہائے نہ ہوا بخاری اگر میں ہوتا تو میاں کا حکم مان کر آگے چل ہی پڑتا۔ پر جل جاتے تو کیا ہوتا میاں کی اطاعت میں اور آقا کی دہلیز پر تو جلتے اس سے کون سا بہتر موقع ہوتا۔

شاہ صاحب! ظرافت میں کتنا بڑا مسئلہ حل کر دیا پیدائش آدم علیہ السلام کی طرف بھی اشارہ کر دیا جب کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے اس خاکی پتلے کو سجدہ کرایا جس میں روح پھونک دی تھی اس وقت بھی فرشتے اس خاک کے فضل و کمال سے واقف نہ تھے اور معراج میں بھی اس علم و مقام سے نا آشنا تھے۔ خاکی پتلے میں آکر ہی تو روح آدم علیہ السلام مسجود ملائکہ بنی۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں جو عزت و حرمت ہے۔ وہ تواضع و انکسار، عبدیت و عبودیت کی وجہ سے ہے اور وہ خاک میں زیادہ ہے۔ [2]



[1] ترجمان اسلام لاہور یکم ستمبر 1961ء ص 16 ☆ [2] ترجمان اسلام لاہور یکم ستمبر ص 16

مخبوط الحواس

ستم دیکھئے، یہ لوگ کس قدر بے بصیرت ہیں، کتنے عاقبت نا اندیش ہیں کہ لباس نبوت کس کے بدن پر مزین کرنے کی سعی میں مصروف ہیں جسے گڑ اور کلوخ میں تمیز نہیں جو جسے جوتا پہننے کا سلیقہ نہیں۔ دایاں بائیں میں اور بایاں دائیں میں۔ گڑ سے استنجا کیا جا رہا ہے، اور مٹی کھائی جا رہی ہے۔

دیکھا، میاں ﷺ کی عزت پر ہاتھ ڈالا تھا خدائے غیور نے عقل ہی سلب کر لی اور مخبوط الحواس بنا دیا۔ یہ عقل کے مسلوب ہونے کی علامت ہی ہے کہ مرزا قادیانی ملکہ وکٹوریہ کو خط لکھتا ہے جیسے ایک غلام آقا کو خطاب کرتا ہے، کہتا ہے:۔

"میں اور میرا خاندان سلطنت انگلینڈ کے دیرینہ غلام ہیں۔ نیز اے ملکہ معظمہ "ادام الله بقائها و خلد الله ملكها" تو زمین کا نور اور میں آسمان کا نور۔ پس تجھ زمین کے نور نے مجھ آسمان کے نور کو اپنی طرف کھینچ لیا اور میرے پاس جو کچھ ہے تیرے ہی وجود کی برکت سے ہے۔"

تیرے لونگ دا پیا لشکارا تے ہالیاں نے ہل ڈک لئے

پنجاب کے ایک دُور افتادہ گاؤں میں تقریر کر رہے تھے، موضوع تھا معراج النبیؐ ٹھیٹھ پنجابی میں بیان کرتے چلے گئے، فرمایا...... حضور ﷺ عرش کو چلے تو کائنات تھم گئی۔ اب تھم گئی تو پنجابی میں سمجھانا شروع کیا، کہ رُک گئی، پھر فرمایا ٹھہر گئی...... لوگوں سے پوچھا، کچھ سمجھے؟ زیادہ تر نفی میں ہلے...... کروٹ لیتے ہوئے فرمایا۔

میرے ہالیو (ہل جوتنے والو) اللہ کا محبوب عاشق کے گھر کو چلا، تو حسن و جمال کے اس پیکر متحرک کو دیکھ کر کائنات تھم گئی، ٹھہر گئی، رُک گئی...... (تسی حالی وی نئیں سمجھے تے میں تہانوں سمجھاناں ایں)

تیرے لونگ دا پیا لشکارا
تے ہالیاں نے ہل ڈک لئے

اس خوش آواز سے پڑھا کہ مجمع لوٹ پوٹ ہو گیا، رب نے کہیا کہ میرا سوہناں آن یار اے تے زمین و آسمان دی ایس گردش نوں ڈک لو، جیہڑے جتھے سن او تھے ای ڈک لئے...... جہاں زمین و آسمان تھے، وہاں رُک گئے، فرش سے عرش تک کا سفر طے ہو گیا......

میری گھگھری نوں گھنگھر ولوا دے جے تو میری ٹور ویکھنی

فرمایا، جو کچھ چاہتے ہو، مجھے سمجھا دو، گالی سے انسان قائل نہیں ہوتا، نہ الزام سے فنا ہے، اور نہ جھوٹ ہی کو دلیل کہا جاتا ہے...... مجھے قائل کر لو، میں کسی کا لیڈر نہیں، میں امیر نہیں، مبلغ ہوں۔ یار لوگوں نے شریعت کو نہ ماننے کے لئے مجھے امیر شریعت بنا رکھا ہے لیکن میں امیر نہیں، فقیر ہوں، میں صرف سپاہی ہوں۔ اللہ کا سپاہی، رسول کا سپاہی، اسلام کا سپاہی، آزادی کا سپاہی، تمہارا سپاہی، اور جب تم مجھے سمجھا دو گے، پھر مجھے تنہا چھوڑ دو۔ تب میں جانوں، اور میدانِ جنگ جانے، سپاہی میرے، خون میرا، رضا کار میرے، قید ہونا پڑے یا تختہ دار پر لٹکنا ہو...... تم مجھے ہراول دستہ میں پاؤ گے۔ گالی نہ دو، سمجھا دو......

(خوش آوازی کے ساتھ)

میری گھگھری نوں گھنگھرو لوا دے
جے تو میری ٹور ویکھنی

بس لوگوں کا حال یہ تھا، جیسے کسی نے لوٹ لیا ہو۔

ایسے ہی ایک مرتبہ اپنے مرشد حضرت رائے پوریؒ کی محفل میں تشریف فرما تھے کہ پنجاب کے ایک خطیب جس نے حضور ﷺ کی حیات و وفات کے مسئلہ کو موضوع بحث بنایا ہوا تھا۔ شاہ جیؒ ان دنوں بیمار تھے۔ اس خطیب کا تذکرہ ہوا تو آپ نے اپنے شیخ سے مذکورہ بالا جملہ کے ساتھ کہا کہ حضرت آپ میری پیٹھ پر ہاتھ پھیر دیں اور پھر دیکھیں کہ میں انہیں مسئلہ حیات کیسے سمجھاتا ہوں میری گھگری نوں گھنگھر ولوا دے اجے تو میری ٹور ویکھنی۔

(روایت حافظ محمد ثاقب گوجرانوالہ)

فرماتے غالب ہر کوئی پڑھتا ہے، میں بھی پڑھتا ہوں لیکن میں ذرا عام روش سے ہٹ کر پڑھتا ہوں۔ یار لوگوں نے اس کی بہت سی شرحیں لکھی ہیں۔ ہر کسے را رنگ و بوئے دیگر است۔ سوچتا ہوں تو میرے سامنے ان کے مطالب کا رُخ ہی دوسرا ہوتا ہے۔ میرا ذہن خود بخود اس کے اشعار کی گتھیاں کھولتا چلا جاتا ہے۔ اور میں دعویٰ سے کہہ سکتا ہوں کہ غالب کا نصف دیوان سیاسی ہے، اُس نے الفاظ کی ریشمی نقابوں میں نہ صرف اپنے عہد دار و رسن اور اپنے زمانہ ادبار و انحطاط کی تصویریں بنائی ہیں، بلکہ اشارات و کنایات میں حالات و واقعات کے دفاتر سمو گیا ہے۔ ایک دفعہ جانے کیا موضوع تھا۔ کہنے لگے بحمد اللہ نفس نے کبھی کوئی جنسی خیانت نہیں کی، کسی کی عزت پر ہاتھ نہیں ڈالا، کسی کی عصمت کو تاکا نہیں، کسی کی عصمت کو گھورا نہیں۔ دوسروں کی طرف نگاہ غیر شعوری طور پر اُٹھی بھی، تو اپنی عزت یاد آ گئی۔

ہم نے مجنوں پہ لڑکپن میں اسد
سنگ اُٹھایا تھا کہ سر یاد آیا

عمر کے آخری برسوں میں عموماً غالبؔ ہی کے اشعار پڑھتے، اور سر دُھنتے تھے۔ گو ان کے حافظہ پر بیسیوں اساتذۂ سخن کے کلام کی راہیں کشادہ تھیں، لیکن غالبؔ کے ذکر پر فرماتے، ظالم نے دل چیر دیا ہے شیخ حسام الدین ملتان گئے تو بان کی چٹائی پر بیٹھے پان بنا رہے تھے، کہنے لگے، رات غالبؔ نے کئی گھنٹے بے چین رکھا۔ ہائے کس دن کے لئے کہہ گیا تھا۔

بے کسی ہائے غنا کہ عبرت ہے نہ ذوق
بے دلی ہائے تماشہ کہ دنیا ہے نہ دیں

سبحان اللہ!

کتھے مہر علی کتھے تیری ثنا گستاخ اکھیاں کتھے جا اڑیاں

فرمایا حضرت (پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ) کا یہ شعر پڑھا، تو دنوں تک تڑپتا پھڑکتا رہا۔ پھر عمر بھر لوگوں کو اس سے تڑپایا اور پھڑکایا۔ کئی نعتیہ دیوانوں پر تنہا یہ شعر بھاری ہے۔ گستاخ اکھیں، یہاں اس طرح لگی ہیں، کہ کائنات کی حیا کا بوجھ ان پر پڑا ہوا ہے...... اس شعر پر

سوچتے جائیے، اور پڑھتے رہیے، معانی کا ایک بازار آراستہ ہوتا چلا جائے گا، پھر یہ رونق کبھی اور کسی وقت بھی کم نہ ہوگی۔ میں نے لوگوں کو اس پر ماہیٔ بے آب کی طرح لوٹتے دیکھا ہے، بلکہ سیرت کے جلسوں میں لوگوں کی ہیئت کذائی ہی بدل ڈالی ہے۔

(غبار خاطر امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ کے خطوط کا مجموعہ ہے)

غبار خاطر چھپ کر سامنے آئی، تو شاہ جی کے حافظے کی بے شمار گرہیں کھل گئیں۔ مولانا نے کسی خط میں لکھا ہے، کہ عمر کے ابتدائی دنوں میں جو کتابیں پڑھی تھیں، ان کے ضروری مقامات صفحہ و سطر حافظے میں محفوظ ہیں۔ شاہ جی بھی حافظے کے اسی مقام سے گذرنے لگے، ان دنوں برصغیر میں فسادات کا زمانہ تھا۔ گھر یا دفتر میں مجلسیں لگاتے، اور اپنے بچپن اور لڑکپن اور ابتدائی ایام جوانی کے، حافظہ پر نقش اشعار سناتے...... سعدی، حافظ، نظیری، غالب، غنیمت کنجاہی، غنی کاشمیری، عنصری، شہیدی، ابوطالب حکیم آملی، رومی، گرامی غرض ایک خزینہ گرانمایہ تھا، کہ اس کا ڈھکنا اُٹھا دیا ہو، اور اشرفیوں کا ڈھیر لگ رہا ہو۔ غالب کی فارسی شاعری کے ایسے ایسے نوادرات کھٹ سے چلے آتے تھے کہ جی جھوم جھوم جاتا تھا......

کسے کشتہ نہ شد از قبیلہ ما نیست

اپنی جدوجہد کا ذکر کرتے ہوئے ایک دفعہ پڑھا

اے ہم نفساں، آتشم از من بگیریزید
ہر کس کہ شود ہمراہ ما دشمن خویش است

پھر اس کو پلٹایا

گریز د از صف ما آنکہ مرد غوغا نیست
کسے کہ کشتہ نہ شد از قبیلۂ ما نیست

اور تب مسلمانوں کے اجتماعی مزاج کا ذکر کرتے ہوئے گونج اور گرج کے ساتھ پڑھا۔

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
بوئے گل، نالہ دل، دودِ چراغ محفل

جو تری بزم سے نکلا سو پریشان نکلا

لیکن اب شاہ جی کہاں...... ؎

مژدہ باد اہل ریا راکہ زمیداں رفتم [1]

بیماری میں بھی الحمدللہ کہتے

بیماریوں کے ہجوم اور مصائب کی یلغار میں اس کوہِ استقامت کے معتقدات میں ادنیٰ لغزش بھی رونما نہ ہوئی ہر مزاج پرسی کرنے والے کو خندہ پیشانی سے ''الحمدللہ'' کہہ کر جواب دیتے ہاں بھائی الحمدللہ نہ کہوں تو اور کیا کہوں۔ اس سے بدتر حالت بھی تو ہو سکتی ہے اور میں تو اُدھر سے شر کا قائل ہی نہیں ہوں۔ کوئی اللہ تعالیٰ ہمارے دشمن یا شریک ہیں جو ہمیں شر اور ایذا پہنچائیں۔ اُدھر تو خیر ہی خیر ہے۔ صرف ہمارا استعمال بعض چیزوں کو شر بنا دیتا ہے وہاں تو خیر ہی خیر ہے۔ وہ جو کچھ ہمارے لئے کرتے ہیں بہتر ہوتا ہے گرچہ وہ ہمارے فہم سے بالاتر کیوں نہ ہو۔ اس کے بعد ایک مجذوب کا واقعہ ارشاد فرمایا کہ اُن کی خدمت میں ایک رئیس حاضر ہوا۔ اُس نے عرض کیا ''حضرت کچھ پریشانیاں ہیں۔ دُعا کرو۔'' حضرتِ مجذوب نے فرمایا۔ یہی پریشانیاں کہ کہ خدا آپ کی بات نہیں مانتا یعنی جو کچھ آپ چاہتے ہیں وہ نہیں ہوتا تو آپ اس کی بات مان لیجئے وہ اس کے زیادہ لائق ہے۔ پریشانیاں دُور ہو جائیں گی۔ مصیبتوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ بھائی اس کے سوا چارہ نہیں۔ الحمدللہ کہنے ہی میں خیر ہے۔ حضرت قلندر پانی پتی نے اس مسئلہ پر اعتراض کیا تو حضرت نظام الدین اولیاء نے کیا خوب جواب دیا۔ ؎

گہے راست کند او صورت مردی وزنی

گہے بشکند جامۂ جاں را زتنی

کس نیست کہ پرسد استادِ قضا را

از ہر چہ سازی و چرامی شکنی

فرمایا ''میری دوستی اور دشمنی ایک دفعہ ہوتی ہے اگر ایک مرتبہ دوست سے گزند پہنچ

1۔ سالنامہ 1962ء ص 91

جائے یا کوئی دوست بن کر مکاریوں اور فریب کاریوں کا ہدف بنائے تو عمر بھر اس پر کبھی اعتماد نہیں کیا۔ چناں رویم کہ دیگر بگردِ ما نرسی۔''

یہ بلیغہ شرابیہ کے شعر کا دوسرا مصرع ہے۔ مکمل شعر یہ ہے ؎

شدیم خاک رہت گربہ در ما نرسی

چناں رویم کہ دیگر بگردِ ما نرسی

کسی ایک اور محفل میں جب اپنے اس نظریہ کا اظہار فرمایا تو ارشاد ہوا ؎

دل نیست کبوتر کہ پرد باز نشیند

از گوشہ بامے کہ پریدیم پریدیم

یہ شعر کا دوسرا مصرعہ ہے ما بخیر شما بہ سلامت۔ بس اسے کنارہ کشی سمجھئے یا دشمنی۔ میری طرف سے صرف اتنا ہوتا ہے۔ الحمدللہ کہ میں نے آج تک نہ کسی کے متعلق برا سوچا ہے اور نہ برا کیا ہے انگریز اور مرزائی کے سوا۔ جہاں تک بس چلا ان کے متعلق برا سوچا بھی اور کیا بھی! ''عمر بھر کبھی اعتماد نہیں کیا'' اس فقرہ کو بڑے زوردار لہجے میں فرما رہے تھے۔ راقم نے چھیڑنے کی غرض سے کہا کہ ''کمال ضد ہے۔'' تو فرمایا۔ ''ارے جاہل ضد نہیں یہ ایمان ہے۔ حدیث میں کیا پڑھا ہے؟

لَا یُلْدَغُ الْمُؤمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَاحِدٍ مَرَّتَیْنِ o

''مومن ایک سوراخ سے دو دفعہ ڈنک نہیں کھاتا۔''[1]

میرا ہمیشہ خدا کی ڈھیری پر ہاتھ رکھا ہے

فرمایا لوگ تعجب کرتے ہیں کہ میں کہاں سے کھاتا ہوں؟ ہائے اصغر کس وقت یاد آ گئے ؎

میں رند بادہ کش بھی، بے نیازِ جام و ساغر بھی

رگِ ہر تاک سے آتی ہے کھینچ کر میری قسمت بھی

میرا تو ہمیشہ خدا کی ڈھیری پر ہاتھ رہا ہے۔ میرا رزق میرے پیچھے دوڑتا ہے کبھی قبول کرتا ہوں اور کبھی رد کرتا ہوں میں تو اپنے اللہ کا کوڑھی ہوں مجھے وہ رزق دیتا ہی نہیں بلکہ

1۔ چٹان سالنامہ ص 87

میری ٹھوڑی سے پکڑتا ہے اور میرے منہ میں ڈالتا ہے

بے مگس ہرگز نہ باشد عنکبوت
رزق را روزی رساں پر می دہد

دنیا میں محبت کے قابل چیزیں

دنیا میں چار قیمتی چیزیں محبت کے قابل ہیں، مال، جان، آبرو، ایمان لیکن جب جان پر کوئی مصیبت آئے تو مال قربان کرنا چاہئے اور آبرو پر کوئی آفت آئے تو مال اور جان دونوں کو۔ اور اگر ایمان پر کوئی ابتلا آئے تو مال۔ جان آبرو سب کو قربان کرنا چاہئے۔ اور اگر ان سب کے قربان کرنے سے ایمان محفوظ رہتا ہے تو یہ سودا سستا ہے۔[1]

کمینہ کبھی بہادر نہیں ہوتا

فرمایا۔ ”شریف کبھی بزدل نہیں ہوتا۔ کمینہ کبھی بہادر نہیں ہوتا۔ کمینہ پر جب کوئی ابتلا آتی ہے تو دشمن کے سامنے ایڑیاں رگڑتا ہے۔ اور شریف۔ جب دشمن اس کے قابو میں آتا ہے تو اسے معاف کر دیتا ہے اور نہ ماضی کے کسی واقعہ پر اسے مطعون ہی کرتا ہے۔ میاں ﷺ (وہ اپنی زبان میں حضور ﷺ کو میاں کے نام سے پکارتے) کی شرافت اور بہادری دیکھئے جب حضرت عمرؓ نے ایمان لانے کے بعد عرض کیا ”حضرت ﷺ کعبہ میں کیوں نماز نہیں پڑھتے“؟ تو فرمایا کہ ”تیری قوم نہیں پڑھنے دیتی۔“ حالانکہ کعبہ میں نماز پڑھنے سے رکاوٹ تو حضرت عمرؓ تھے مگر یہ نہیں فرمایا کہ آپ نہیں پڑھنے دیتے تھے۔ سبحان اللہ۔ سبحان اللہ کیا شرافت ہے۔“

اس کے بعد چند کمینہ سیاسی لیڈروں کا ذکر آیا اور چند کمینہ صفت صحافیوں کا جو لوگوں کے ماضی کے بخئے ادھیڑتے ہیں اور بزعمِ خویش اسے حب الوطنی خیال کرتے ہیں۔[2]

بے ثباتی و ناپائیداری حیات

اس عالم کی بے ثباتی اور ناپائیداری حیات کے متعلق حضرت کے ملفوظات نہایت

---

[1] چٹان سالنامہ لاہور ص 87 ☆ [2] ایضاً ص 87

دلچسپ اور علمی ہوتے تھے اس موضوع پر غالبؔ ان کا بڑا معاون ثابت ہوتا۔ راقم نے مختلف مجلسوں میں اس موضوع پر حسب ذیل اشعار سنے

ہستی کے مت فریب میں آ جائیو اسدؔ
عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے

مصرع ثانی کو کچھ اس رنگ سے پڑھتے کہ کائنات کا ایک ایک ذرہ اسیر دامِ خیال ہو جاتا

ہاں کھائیو مت فریب ہستی
ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے

دوسرے مصرع میں جس نفی و اثبات کا ذکر ہے اس کے پڑھنے میں ایک عجیب سماں پیدا کرتے

جز نام نہیں صورت عالم مجھے منظور
جز وہم نہیں ہستی اشیا مرے آگے

یہ حیاتِ دنیوی ان کے نزدیک مرگ کا درجہ رکھتی تھی انہوں نے اپنے کلام میں بھی اس طرح ذکر کیا ہے۔ مردیم و دور انتظار مریم فرماتے۔ یہ کوئی حیات ہے۔ ”لَا حَولَ وَلَا قُوَّۃَ“ ہمیں تو اس حیات کے مسئلہ میں ابو طالب کلیمؔ کی تعبیر پسند ہے

بدنامی حیات دو روزے نبود بیش
آں ہم کلیم با توچہ گویم چساں گذشت
یک روز صرف بستنِ دل شد بایں و آں
روز دگر بکندنِ دل زایں و آں گذشت

کلیم نے حیات نہیں کہا بلکہ تہمتِ حیات سے تعبیر کیا ہے۔ اپنی نشست گاہ میں تشریف فرما تھے ان دنوں روس کے مصنوعی سیارے فضا میں پرواز کر رہے اور اشترا کی مبلغ لوگوں کو یہ باور کراتے پھر رہے تھے کہ از روئے مذہب اسلام آسمان پر کوئی نہیں جا سکتا۔

حضرت مرحوم کے سامنے کسی نے اس کا ذکر کیا تو حضرت نے ارشاد فرمایا۔ ہم تو انسان کے اعلیٰ علیین پہنچنے پر ایمان لائے بیٹھے ہیں یہ چاند اور ستارے تو راستے میں ہیں لیکن مجھے اس کامیابی (فضائی تسخیر) پر کوئی مسرت ہے نہ تعجب۔ ہم تو تب مانیں گے جب یہ موت کا کوئی علاج کر دکھلائیں اور کسی آدمی کے متعلق یہ فیصلہ کر دیں کہ اب وہ نہیں مرے گا تو پھر میں انہی کو سجدہ کر لوں گا۔

مدت سے لئے پھرتا ہوں اک سجدۂ بے تاب
ان سے کوئی پوچھے وہ خدا ہیں کہ نہیں ہیں

کبھی کبھی اپنے احوال کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے

شادم کہ از رقیباں دامن کشاں گذشتی
گو مشت خاک ماہم برباد رفتہ باشد [1]

جو چیز یار سے جدا کرے اسے آگ لگا دو

شاہ صاحب کی قرآنِ کریم سے شیفتگی اور والہانہ محبت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ استثنائی صورتوں میں قرآن مجید کے علاوہ کسی دوسری کتاب کے پڑھنے کی ضرورت محسوس نہ کرتے۔ آپ کا عقیدہ تھا کہ میرے لئے جو کچھ ہے قرآن مجید میں موجود ہے اگر آج دنیا قرآن چھوڑ کر دوسری کتابوں پر نگاہ کر سکتی ہے تو میں دوسری کتابوں سے روگردانی کر کے صرف کتاب الٰہی پر اپنی توجہ کیوں نہ مرتکز کروں۔ میں تو قرآن کا مبلغ ہوں میری باتوں میں اگر کوئی تاثیر ہے تو وہ صرف قرآن کی۔ خواجہ غلام فرید علیہ الرحمۃ کے ایک جولاہے مرید کا واقعہ ارشاد فرمایا کہ وہ ہر سال حضرت خواجہ کی خدمت میں ایک لنگی ہدیہ لایا کرتا تھا ایک سال ناغہ کرنے کے بعد دوسرے سال دو لنگیاں ہدیہ لایا۔

حضرت نے گذشتہ سال غیر حاضری کا سبب پوچھا تو اس نے عرض کیا کہ گذشتہ سال لنگی مکمل نہیں ہو سکی تھی اس لئے حاضر نہ ہو سکا۔ تو فوراً حضرت نے لنگیوں کو آگ

1 چٹان سالنامہ ص 87

لگوا دی اور فرمایا۔ ''جہڑی شئے یار کنوں نکھیڑے اونکوں بھاہ لا۔'' یعنی جو چیز یار سے جدا کرے اسے آگ لگا دو۔ میں بھی یہی کہتا ہوں جو چیز مجھے قرآن سے جدا کرے اسے آگ لگا دو۔

چوں غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم
نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم
ماقصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم
از ما بجز حکایتِ مہر و وفا مپرس [1]

کیا سید کی کوئی نسل نہیں

بھائی لوگو! آپ کے کبوتروں کی بھی نسل ہو، اور بٹیروں کی بھی...... لیکن ایک ہم سید ہی ایسے ہیں، کہ جن کی نسل نہیں، حضور ﷺ کو تم بشر نہیں مانتے ہو تو پھر ہم کس کی اولاد ہوئے؟

فرمایا۔ (بحوالہ مولانا قاری محمد طیبؒ) علماء، اسلام کی پولیس ہیں، ان کا فرض ہے کہ قانون کا احترام کرائیں۔ اہل حال بزرگوں کو جو کچھ کہنا ہے، اپنے تک محدود رکھیں۔ اگر وہ کھلم کھلا قانون اسلام کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوں گے، تو ہم انہیں پکڑ لیں گے، خواہ عدالت میں چھوٹ ہی جائیں۔

موری دروازے کے باہر کندن شاہ کا تکیہ ہے، جسے عام لوگ گھدو شاہ کہتے ہیں، اس سے پیوست کبھی ایک باغ تھا، جہاں کانگریس کے جلسے ہوتے تھے، سائمن کمیشن کے زمانے میں شاہ جی نے یہاں ایک تقریر کی...... سرکاری لوگوں نے اس تکیے کے چرسیوں، بھنگیوں اور سلفہ بازوں کو رنگ میں بھنگ ڈالنے کے لئے اُکسایا، وہ سلفہ کا کش کھینچ کر یا علی مدد کے نعرے لگانے لگے۔ شاہ جی نے کروٹ بدلتے ہوئے کہا۔

او چرسیو! یہ غلاظت پی کر میرے باپ علیؓ کا نعرہ کیوں لگاتے ہو؟ کیا تمہارے باپ دادا نہیں ہیں۔ (یہ بات کس شگفتگی سے کہی ہے)

لمحہ فکریہ

مسلمانو! لیلائے آزادی سے ہمکنار ہونے کی تمنا ہے تو سب سے پہلے فرنگی کی خانہ ساز نبوت کے قصر قادیاں کو مسمار کرو اور فرنگی کے اس خود ساختہ پودے کو جڑ سے اکھاڑ پھینکو۔ میرے نزدیک مرزائیت اور عیسائیت ہندوستان میں ایک وجود نامسعود کے دو نام ہیں۔ انہوں نے صرف ہمارے ملک و سلطنت کو تاراج نہیں کیا بلکہ مسلمانوں کے دین و ایمان کی متاع عزیز، آبروئے خدا محمد ﷺ کی ختم نبوت پر قزاقانہ حملہ کیا ہے:۔

یتیم مکہ محمدؐ کہ آبرو خدا است
کسے کہ خاک رہش نیست برسر او خاک است

جو نام نہاد مسلمان نبوت کے ان ڈاکوؤں سے حسن سلوک کے قائل ہیں یا ان سے رواداری پر مائل ہیں اور انگریز کو اولی الامر بھی جانتے اور مانتے ہیں۔ وہ حرماں نصیب روز محشر شفیع امت حضور ﷺ کے سامنے کیا منہ لے کر آئیں گے۔

جو ”میاں“ ﷺ کا نہیں وہ منہ لگانے کے قابل بھی نہیں

جو نام نہاد مسلمان نبوت کے ڈاکوؤں سے حسن سلوک کے قائل ہیں یا ان سے رواداری پر مائل ہیں وہ حرماں نصیب روز محشر شفیع امت حضور خاتم النبیین ﷺ کے سامنے کیا منہ لے کر جائیں گے۔ جو ”میاں“ ﷺ کا نہیں وہ اس قابل نہیں کہ اسے منہ بھی لگایا جائے۔ نبی کریم ﷺ کے منصب عالیہ پر ڈاکہ ڈالنے والا مسیلمہ کذاب کی طرح آج بھی واجب القتل ہے۔ ارتداد ایک ایسا جرم ہے جس کی معافی اسلام میں کہیں نہیں۔ مرزا اور اس کے ماننے والے دجال، کذاب، مرتد، واجب القتل اور جہنمی ہیں۔ [1]

ٹائم بم

تحریک تحفظ ختم نبوت (53ء) میں ہزاروں جوانان گل گوں قبا، سرخوشان راہ بقا

1 ماہنامہ ”نقیب ختم نبوت“ امیر شریعت نمبر حصہ اول ص 311

اور سرمستان عہد وفا کی قربانی وشہادت صلح حدیبیہ کی مثل ہے۔ میں تو زندہ نہیں رہوں گا مگر تم دیکھو گے کہ شہیدوں کا خون بے گناہی رنگ لا کر رہے گا۔ میں نے اس تحریک میں مسلمانوں کے دلوں میں ایک ٹائم بن رکھ دیا ہے۔ جو وقت آنے پر ضرور پھٹے گا اور اس کی تباہی سے مرزائیت کو کوئی نہیں بچا سکے گا۔

مطمئن

ایک مرتبہ شاہ جی نے جیل میں پھانسی خانے کو دیکھا۔ آپ نے تختہ دار پر قدم رکھا اور ہر اپنے آپ کو تولا کہ اگر اس راہ میں پھانسی آجائے تو میں اس پر تیار ہوں یا نہیں تو فرمایا کہ:۔
میں نے اپنے آپ کو مطمئن اور تیار پایا۔

(”شاہ جی کے علمی اور تقریری جواہر پارے“ اعجاز احمد خان سنگھانوی)

بخاریؒ اور ان کے ساتھیوں کے متعلق

مولانا عبیداللہ انورؒ صاحب ہی نے یہ بھی تحریر فرمایا۔ حضرت نے ایک دفعہ جمعہ کے خطبہ میں فرمایا کہ حکومت کہتی ہے کہ عطاء اللہ شاہ فساد پھیلاتا ہے۔ ان اللہ کے بندوں کو معلوم نہیں کہ اگر عطاء اللہ شاہ فساد پر آمادہ ہو جائے تو مرزائیت کا قلعہ قائم نہیں رہ سکتا۔ میں کہتا ہوں اگر شاہ بخاریؒ شام کو حکم دے دیں تو صبح ہونے سے پہلے ”ربوہ“ کی اینٹ سے اینٹ بج جائے۔ پھر فرمایا حکومت کی گولیوں اور بندوقوں میں وہ طاقت نہیں جو علماء کی زبان میں ہے۔ ہمارے ایک عطاء اللہ شاہ بخاری بحمداللہ سب پر بھاری ہیں اور جب تک وہ زندہ ہیں، اسلام کو کوئی خطرہ نہیں۔ ایک مرتبہ تو حضرت نے شاہ جی کے متعلق یہاں تک ارشاد فرمایا۔ محشر کا دن ہوگا۔ رحمت دو عالم ﷺ جلوہ افروز ہوں گے۔ صحابہ کرام بھی ساتھ ہوں گے۔ بخاریؒ آئے گا۔ حضور نبی کریم ﷺ معانقہ فرمائیں گے اور کہیں گے۔ بخاری تیری ساری زندگی عقیدہ نبوت کی حفاظت میں گزری اور کتاب وسنت کی اشاعت میں صرف ہوئی۔ آج میدان حشر میں تیرا شفیع میں ہوں۔ تیرے لئے کوئی باز پرس نہیں، جا اور اپنے ساتھیوں سمیت جنت میں داخل ہو

جا۔ تیری جماعت کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھلے ہیں۔ جس طرف سے چاہو کھلے بندوں جنت میں داخل ہو سکتے ہو۔ 1

مرزا قادیانی جہنمی ہے، شیخوپورہ میں مناظرہ

گوجرانوالہ میں ہی تشریف آوری کے دوران انہوں نے تقسیم ہند سے قبل شیخوپورہ میں ہونے والے ایک مناظرہ کی روداد بھی سنائی۔ یہ ایک علمی مناظرہ تھا جس کے لئے موضوع ''حیات مسیح'' مقرر کیا گیا تھا۔ مناظرہ صبح دس بجے سے ایک بجے تک ہوا۔ ایک بجے کھانے اور نماز ظہر کا وقفہ کیا گیا۔ مناظرہ جب دوبارہ شروع ہوا تو ایک دیہاتی کھڑا ہو گیا اور اس نے ہاتھ باندھ کر گزارش کی مولانا! میں صبح سے آ کر بیٹھا ہوا ہوں۔ مجھے تو کچھ بھی حاصل نہیں ہوا اور نہ ہی میں سمجھ سکا ہوں کہ بات کیا ہے؟ میں نے قریب ہی کے گاؤں جانا ہے۔ میرے جانور بھوکے ہیں۔ میں نے انہیں جا کر چارہ وغیرہ دینا ہے۔ اجازت ہو تو میں ایک سوال کر کے چلا جاؤں۔ اس کے بعد اس نے مرزائیوں سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا کہ میں نے صرف ایک ہی سوال کرنا ہے۔ اجازت ہو تو عرض کروں؟ انہوں نے اجازت دے دی، تو اس نے کہا:

''میں نے سنا ہے کہ مرزا صاحب کا محمدی بیگم نامی عورت سے قیامت کے دن نکاح ہوگا۔ کیا یہ درست ہے؟''

مرزائی۔ ''ہاں''

دیہاتی۔ ''ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ قیامت کے روز اللہ پاک میرا نکاح پڑھائیں گے اور فرشتے میری بارات میں ہوں گے۔ کیا یہ درست ہے؟''

مرزائی۔ ''ہاں''

دیہاتی۔ ''مرزا صاحب کے مطابق محمدی بیگم اور اس کے والدین کافر ہیں اور کافر ہونے کے ناطے جہنم میں جائیں گے؟ اور محمدی بیگم کے والدین نے مطالبہ کر دیا

1 ''دو بزرگ''، ص 18۔19، مصنفہ سید امین گیلانی

کہ نکاح کے بعد مرزا صاحب کو گھر داماد رکھیں گے، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ مرزا صاحب تمام زندگی جہنم میں گزاریں گے۔''

اس کے ساتھ ہی شور و غل پڑ گیا اور نعرے لگنے لگے ''ختم نبوت زندہ باد، مرزا جہنمی مردہ باد۔'' اس طرح وہ مناظرہ ہم نے جیت لیا۔ 1

اگر دعاؤں سے کام چل سکتا تو......

تحریک ختم نبوت کے زمانے میں شاہ جیؒ سے کسی نے کہا۔ شاہ جی ایسے کام نہ کیجیے جن سے آپ کو تکلیف برداشت کرنا پڑے۔ اب آپ ضعیف ہیں۔ ضعیف العمری کا تقاضا ہے کہ اب آپ آرام کریں۔

شاہ جیؒ نے بڑے جلال سے کہا۔ ناموس رسالت ﷺ خطرے میں ہے۔ اغیار شمع رسالت بجھانے کے درپے ہیں اور تم مجھے آرام کرنے کا مشورہ دے رہے ہو؟ بھائی تم مجھے یہ کیوں نہیں کہہ دیتے کہ میں خودکشی کر لوں؟ بخاری زندہ ہو اور خاموش رہے؟ بھلا یہ کیسے ممکن ہے؟ ان صاحب کی یہ حالت تھی کہ...... کاٹو تو لہو نہیں بدن میں! 2



1 ''تحریک کشمیر سے تحریک ختم نبوت تک''، ص 294۔295، از چوہدری غلام نبی

2 ماہنامہ ''نقیب ختم نبوت''، امیر شریعت نمبر حصہ دوم، ص 506

شاہ جیؒ کی نکتہ آفرینی

آپ نے سورۂ فاتحہ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ میرا موضوع ہے عصمت انبیاء اور میں سورۂ فاتحہ کی آخری آیات کی روشنی میں اسے بیان کرنا چاہتا ہوں۔ جہاں فرمایا گیا ہے کہ اے اللہ ہمیں چلا سیدھی راہ پر۔ ان مقتدر ہستیوں کی راہ پر جن پر ہمیشہ تیرا انعام و اکرام ہوتا رہا۔ جن پر کبھی تیرا غضب نازل نہیں ہوا اور جو کبھی بھی راہ راست سے نہیں بھٹکتے۔ یہ صاف اور واضح طور پر انبیاء کرام کے متعلق ہے جن کے لئے معصومیت لازمی شرط ہے۔ نبی کے لئے معصوم ہونا لازمی ہے۔ اور نبی کے علاوہ اور کوئی شخص معصوم نہیں ہو سکتا۔ لیکن پنجاب میں بھی ایک نبوت پیدا ہوئی۔ میں تو حیران ہوں کہ آج نبوتیں اس طرح جنم لے رہی ہیں جیسے موسم برسات میں کیڑے اور پھر قادیانی خدا کی بدتمیزی ملاحظہ ہو کہ قلم کو سیاہی لگا کر سیاہی کے دھبے اپنے ”پیارے“ نبی کی شلوار پر گرا دے۔ بتایئے! کوئی برے سے برا منشی بھی ایسا مکروہ عمل نہیں کرتا۔ لیکن کیا کیا جائے نبوت ہی ایسی ہے۔

مسلمانو! آج میں کھل کر ایک بات کہتا ہوں۔ بلکہ ایک قدم آگے بڑھ کر کہتا ہوں کہ اللہ کی ربوبیت اسی وقت تک قائم ہے جب تک محمد ﷺ کی نبوت قائم ہے۔ کیونکہ محمد ﷺ کی نبوت کی ابدیت ہی اللہ کی ربوبیت کی مظہر ہے۔ ہم میں سے کس نے خدا کو دیکھا ہے؟ ہم کیسے یقین کرتے ہیں کہ ایسی بھی کوئی ہستی ہے جسے خدا کہتے ہیں۔ ہاں! ہم نے محمد رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے جنہوں نے ہمیں بتایا کہ خدا بھی ہے۔ ہمیں تو اعتماد ہے اس بلند شخصیت پر۔ بھائی اعتماد کی ہی تو ساری بات ہے۔ اگر اعتماد نہ ہو تو سارا کھیل ہی چوپٹ ہے۔ [1]

میں ذمہ دار ہوں

تحریک کی اندوہناک پسپائی سے لوگوں میں مایوسی کا پیدا ہونا ایک قدرتی امر تھا۔ کوئی لوگ ان شہداء کے متعلق جو اس تحریک ناموس ختم نبوت پر قربان ہو چکے تھے، یہ سوال کرتے کہ ان کے خون کا ذمہ دار کون ہے؟ شاہ جیؒ نے لاہور کے ایک جلسہ عام سے خطاب

---

1 ہفت روزہ ”لولاک“ فیصل آباد، جلد 19 شمارہ نمبر 12

کرتے ہوئے جواب دیا کہ:۔

”جو لوگ تحریک ختم نبوت میں جہاں تہاں شہید ہوئے، ان کے خون کا جوابدہ میں ہوں۔ وہ عشق رسالت میں مارے گئے۔ اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ ان میں جذبہ شہادت میں نے پھونکا تھا۔ جو لوگ ان کے خون سے دامن بچانا چاہتے اور ہمارے ساتھ رہ کر اب کنی کترا رہے ہیں، ان سے کہتا ہوں کہ میں حشر کے دن بھی ان کے خون کا ذمہ دار ہوں گا۔ وہ عشق نبوت میں اسلامی سلطنت کے ہلاکو خانوں کی بھینٹ چڑھ گئے لیکن ختم نبوت سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے بھی سات ہزار حافظ قرآن اسی مسئلہ کی خاطر شہید کرا دیئے تھے۔

شاہ جی تحریک کی پسپائی سے غایت درجہ ملول تھے۔ ان کا دل بجھ چکا تھا۔ فرماتے غلام احمد کی نبوت کے لئے تحفظ ہے، لیکن محمد ﷺ کی ختم نبوت کے لئے تحفظ نہیں۔ عموماً اشکبار ہو جاتے۔ اسی زمانہ میں ایک دن تقریر کرنے کے لئے اٹھے تو عمر بھر کی روایت کے برعکس نہ خطبہ مسنونہ پڑھا نہ زیر لب ورد کیا۔ فرمایا:۔

مسٹر پریزیڈنٹ، لیڈیز اینڈ جنٹلمین! لوگوں نے قہقہہ لگایا اور ششدر رہ گئے۔

”شاہ جی یہ کیا؟“ فرمایا ایک سیکولر سٹیٹ کے شہریوں سے مخاطب ہوں۔ [1]

بخاری پاکستان سے آ رہا ہے

ترکی میں ایک عالم دین نے خواب دیکھا کہ ”آقائے نامدار ﷺ مع صحابہ کرامؓ گھوڑوں پر سوار سفر پر تشریف لے جا رہے ہیں۔ میں نے عرض کی کہ آقا ﷺ کہاں کا ارادہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میرا بیٹا عطاء اللہ بخاری پاکستان سے آ رہا ہے۔ اسے لینے جا رہے ہیں۔ ترکی کے یہ عالم دین سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو نہ جانتے تھے۔ پاکستان میں وہ صرف مولانا محمد اکرم سلطان فونڈری لاہور کو جانتے تھے۔ ان کو خط لکھا کہ فلاں رات خواب میں اس طرح دیکھا۔ آپ فرمائیں تو یہ عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کون ہیں اور اس رات کیا واقعہ پیش آیا۔ خط

---

1 تحریک ختم نبوت ص 144 مصنفہ آغا شورش کشمیریؒ

پڑھا تو معلوم ہوا کہ خواب کی وہی رات تھی جس رات سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا وصال ہوا۔[1]

خود کاشتہ پودے کی آبیاری

میں کوئی دستوری نہیں، سپاہی ہوں۔ تمام عمر انگریزوں سے لڑتا رہا اور لڑتا رہوں گا۔ اگر اس مہم میں سور بھی میری مدد کریں گے تو میں ان کا منہ چوم لوں گا۔ میں تو ان چیونٹیوں کو شکر کھلانے کے لئے تیار ہوں جو "صاحب بہادر" کو کاٹ کھائیں۔ خدا کی قسم میرا ایک ہی دشمن ہے۔ انگریز۔ اس ظالم نے نہ صرف مسلمان ملکوں کی اینٹ سے اینٹ بجائی، ہمیں غلام رکھا اور مقبوضات پیدا کئے بلکہ خیرہ چشمی کی حد ہوگئی کہ قرآن حکیم میں تحریف کے لئے مسلمانوں میں جعلی نبی پیدا کیا۔ پھر اس خود کاشتہ پودے کی آبیاری کی اور اب اس کو چہیتے بچے کی طرح پال رہا ہے۔

محاسن نبوت

حضرت آدم علیہ السلام سے پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد ﷺ تک کوئی ایسا نبی نہیں آیا ہے جس نے اپنی تعلیمات میں جلا پیدا کرنے کے لئے اپنے دور کے کسی انسان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا ہو۔ لیکن نبی اور رسول براہِ راست اللہ تعالیٰ سے علم حاصل کرتے ہیں۔ نبی کی اللہ تعالیٰ خود راہنمائی کرتے ہیں۔ انبیاء کرام بہادر بھی ہوتے ہیں اور معصوم بھی۔ آپ انبیاء علیہم السلام کے احوال پر نگاہ ڈالئے جو نبی بھی دنیا میں تشریف لاتا ہے، اس کے ایک ہاتھ میں الہام الٰہی کی کڑکتی ہوئی بجلیاں ہوتی ہیں۔ اور دوسرے ہاتھ میں تلوار۔ وہ کاشانۂ باطل پر برق بن کر گرتا ہے۔ اس کے جلو میں سمندروں کا شور اور طوفانوں کا زور ہوتا ہے۔ اس کی رفتار فرماں رواؤں کا دل دھڑکا دیتی ہے۔ اس کی ایک للکار سے کائنات کا دل دہل جاتا ہے۔

نارسائی فکر

اے قادیانیو! اگر نیا نبی بنائے بغیر تمہارا گزارا نہیں ہوسکتا اور اس کے بغیر تم جی

1 تذکرہ مجاہدین ختم نبوت 356

نہیں سکتے تو ہمارے مسٹر جناح کو ہی نبی مان لو۔ ارے مرد تھا۔ جس بات ڈٹا، کوہ کی طرح اڑ گیا۔ آہوں کے بادل اٹھے، اشکوں کی گھٹا چھائی، خون کی ندیاں بہہ گئیں، لاشوں کے انبار لگ گئے مگر کوئی چیز مسٹر جناح کے عزم کو نہ ہلا سکی۔ اس نے تاریخ کے اوراق کو پلٹ دیا اور ملک کے جغرافیہ کو بدل کر رکھ دیا۔ ارے تمہاری نبوت کو بھی جگہ ملی تو لوٹ پٹ کر اسی کے قدموں میں۔ تمام زندگی گزار دی انگریزوں کی نوکری نہیں کی، حکومت سے خطاب نہیں لیا، انگریزوں سے کوئی تمنا وابستہ نہیں کی اور ایک تمہارا نبی ہے کہ حضور گورنمنٹ کے آگے عاجزانہ درخواستیں کرتے کرتے 50 الماریاں سیاہ کر ڈالیں۔

شاہ جیؒ سے جیل میں ملاقات

1953ء کی تحریک ختم نبوت میں جب ابا جی قید تھے تو کئی مہینوں کی کوشش کے بعد ملاقات کی اجازت ملی۔ تینوں چھوٹے بھائی عطاء المحسن، عطاء المومن، عطاء المہیمن اور میں ابوالکفیل کے ساتھ سکھر ابا جی سے ملنے گئے۔ ان کو تو جیل کے اندر جانے کی اجازت نہ دی گئی کہ "داماد اہل خانہ میں شامل نہیں" وہ باہر کھڑے رہے۔ ہم چاروں بہن بھائی جیل کے پھاٹک پر کھڑے تھے کہ سامنے ہشاش بشاش ابا جی آتے دکھائی دیئے۔ ابوالکفیل تو باہر کھڑے صرف مصافحہ ہی کر سکے۔ سنتری نے تالا کھولا اور ہم اندر داخل ہوگئے۔ ڈیوڑھی میں ہی سیڑھیاں تھیں۔ ابا جی ہمارے ساتھ ہی اوپر آگئے۔ کمرے میں ایک لمبا میز اور کرسیاں رکھی

1 "حیات امیر شریعت" ص 362-323، از جانباز مرزا

تھیں۔ ایک پر جیلر بیٹھ گیا، ایک پر اباجی اور باقی پر ہم۔ گھر کا حال احوال پوچھا، بھائیوں سے تعلیم کا پوچھا۔ نصیحتیں کیں۔ اباجی نے جیلر سے پوچھا کہ داماد کو ملاقات کی اجازت کیوں نہیں۔ وہ کہنے لگا "داماد" کیا ہوتا ہے؟ عطاء المحسن سلمہٗ نے کہا "سن ان لاء" تو پھر اس نے قانونی مجبوری بیان کی۔ پون گھنٹہ کے قریب ہم بیٹھے۔ حبس، تپش، خراب آب و ہوا، ناقص غذا اور اسی قسم کی دیگر ابتلاؤں کے سبب صحت بہت دگرگوں تھی۔ بالخصوص چہرہ اور سینہ پھوڑوں پھنسیوں سے بھرا ہوا تھا۔ مگر اباجی نے اپنی کسی تکلیف کا ذکر تک نہیں فرمایا۔ پھر وہ ہمارے ساتھ ہی سیڑھیاں اترے اور اتنی بات کہی کہ رات رکنات۔ شاید آج ہی چاند ہوئے۔ شعبان کی اس دن انتیس تھی، اور پھر ہم تو سلاخوں سے لگے انہیں جیل کے اندر جاتا دیکھتے رہے۔ جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہ ہو گئے انہوں نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔ اور رہ عشق محمد ﷺ کے مسافر پیچھے مڑ کر دیکھا بھی کب کرتے ہیں۔[1]

انسان یا چٹان

راقم الحروف کو یہ واقعہ شاہ جی نے خود سنایا تھا۔ فرمایا ایک دفعہ جالندھر قادیانیت کے خلاف تقریر کر رہا تھا۔ اچانک کسی مخالف نے شہد کی مکھیوں کے چھتے کو چھیڑ دیا۔ فرمایا شہد کی مکھیوں کا ایک مکمل نظام ہے۔ وہ اس نظام اور اپنے سردار کے تحت کام کرتی ہیں۔ فرمایا میں دیکھ رہا تھا کہ مکھیوں کا سردار آگے آگے میری طرف تیزی سے آ رہا ہے اور پیچھے پیچھے مکھیوں کا لشکر۔ وہ آتے ہی میرے ابروؤں کے درمیان بیٹھ گیا اور ساتھ ہی تمام لشکر نے میرے چہرے پر ڈیرہ جما لیا۔ اسی اثناء میں، میں نے دیکھا کہ بعض لوگ اٹھ کر بھاگنے لگے۔ میں فوراً للکارا کہ خبردار! کوئی اٹھنے نہ پائے۔ فرمایا مجھے معلوم تھا کہ یہ بھاگتے کے پیچھے بھاگتی ہیں۔ اس لئے روک دیا کہ میں تو تختہ مشق بن چکا ہوں لوگ بھی ساتھ مارے نہ جائیں۔ فرمانے لگے کہ میرا چہرہ گرم ہوتا گیا۔ مجھے ان ڈنگ مارنے کا کچھ احساس نہیں تھا۔ صرف ایک مکھی نے کہیں میری آنکھ کے کونے میں ڈنگ مارا تو مجھے سوئی لگنے کی سی چبھن محسوس ہوئی مگر میں اپنی جگہ پر جم کر کھڑا

1. ماہنامہ "نقیب ختم نبوت" امیر شریعت نمبر، حصہ اول، ص 282

رہا۔ بالآخر لوگوں نے سعی کر کے مجھے وہاں سے بچ بچا کر ساتھ لیا۔ کئی دن میرے چہرے کا ورم نہ گیا۔ کئی سیروں تو برف کوٹ کوٹ کر میرے چہرے پر رکھی جاتی تھی۔ فرمایا مجھے ایک خطرہ تھا کہیں میری بینائی کو نقصان نہ پہنچا ہو۔ جب ذرا میری آنکھیں کھلیں تو مجھے روشنی نظر آئی، میں نے شکر کیا۔[1]

دربار رسالت ﷺ کا حکم

حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب درخواستی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک دفعہ حضور سرور کائنات ﷺ کی زیارت ہوئی اور حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مدینہ طیبہ سے میری زیارت کے بعد پاکستان چلے جانا (کیونکہ حضرت کا ارادہ تھا کہ بقایا عمر دیار حبیب میں ہی گزاروں) وہاں میری ختم نبوت پر کتے لپکے ہوئے ہیں۔ تم بھی اس کی حفاظت کرو اور عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو میرا اسلام پہنچا کر کہہ دینا کہ وہ اسی کام پر ڈٹا رہے۔

چنانچہ حضرت درخواستیؒ مدینہ طیبہ سے پاکستان واپس تشریف لائے تو بجائے خانپور کے ملتان شریف لے آئے اور شاہ جیؒ کو رحمت دو عالم ﷺ کے سلام پیش فرماتے۔ تو شاہ جیؒ زارو قطار رونے لگ گئے۔ کافی دیر رونے کے بعد فرمایا درخواستی صاحب گواہ رہنا۔ جب تک زندہ رہوں گا قادیانیت کا مقابلہ کرتا رہوں گا۔ کا جب یہ پیغام ملا تو کچھ عرصہ کے بعد دہلی دروازہ لاہور شاہ جیؒ کی ختم نبوت کے موضوع پر تقریر ہوئی۔ تقریر کے دوران میں ایک بار والہانہ جھوم کر فرمایا میں تو پہلے ہی اللہ کے فضل سے باز آنے والا نہیں تھا مگر اب تو "سوہنے" یعنی محبوب کا پیغام آ گیا ہے۔ ہاں ہاں میرا سب کچھ ختم نبوت کی حفاظت پر قربان ہو جائے گا تو پرواہ نہیں۔



1. "بخاری کی باتیں" ص 46۔47، مصنف سید امین گیلانی
2. "بخاری کی باتیں" ص 81، مصنف سید امین گیلانی

اقلیم خطابت کا فرمانروا

حضرت شاہ صاحبؒ عوامی خطابت کی اقلیم کے فرمانروا ہیں۔ آپ کی زبان کا لوچ، اسلوب کی دل کشی۔ خیالات کی پختگی، روانی کا بہاؤ۔ ظرافت کا شستہ پن، حاضر جوابی کی شوخی، تمثیلات کا قرآنی رنگ۔ بیان کی سحر کاری...... نہ صرف اردو خطابت کے لئے بے مثال ہے۔ بلکہ عصرِ حاضر میں عدیم النظیر بنیادی وصف یہ ہے۔ کہ وہ مجمع کے ذہنوں کو اکائی میں بدلنے کی قدرت رکھتے ہیں۔ اور بقول برو ایک خطیب کا منتہائے کمال یہ ہے کہ وہ جس حد تک سامعین کو اپنا ہمنوا بنا سکتا ہے۔ اسی درجہ کا وہ خطیب تسلیم ہوتا ہے شاہ جی کے بیان کی ایک اور خوبی یہ بھی ہے۔ کہ وہ آنسوؤں کے تاگے میں قہقہوں کے پھول پرو دیتے ہیں۔ اور قہقہوں کے رشتہ میں آنسوؤں کے موتی اور بقول اقبالؒ ان کی خطابت کا خلاصہ یہ ہے کہ۔

گہے گریۂ او چوں ابرے بہارے
گہے خندۂ او چوں تیغِ اصیلے

شیخ حسام الدین لکھتے ہیں۔

ایک سنجیدہ خطیب

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اُنہی دنوں، حالات کے اُفق پر حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی شخصیت اُبھری...... اور نکھرتی چلی گئی۔ ان دنوں میں نے شاہ جیؒ کو محلّہ وار مجالس میں سنا تو ان کے دین و دانش کی کشش نے مجھے ان کا گرویدہ بنا دیا۔ اُس دور کے مناظروں میں اشتعال انگیز گفتگو اور حزب مخالف پر سب و شتم کو مناظرے کا ایک حصہ شمار کیا جاتا تھا۔ لیکن شاہ جی جس متانت، سنجیدگی۔ استدلال اور منطق کو پیرایۂ اظہار میں لاتے تھے۔ وہ انہیں کا حصہ تھا۔ اور دین و مذہب کے معاملے میں اُن کے علم کی وسعتوں کا آج بھی خیال آتا ہے۔ تو حیرت ہوتی ہے۔ کہ کیا کیا خوبیاں اور کیسے کیسے کمالات تھے۔ جن سے فطرت نے بخاریؒ کی شخصیت کو آراستہ کیا تھا۔

مرزا محمود کو بھگا کر اسٹیج پر قبضہ کرلیا

ذہنی طور پر تو میں شاہ صاحب کے خیالات کی گرفت میں آچکا تھا...... لیکن عملی طور پر ابھی تک اُن کے قرب کی سعادت مجھے نصیب نہ ہوئی تھی کہ غالباً 1920ء میں قادیانیت کی لہر ایک نئی کروٹ کے ساتھ حالات پر اثر انداز ہونے لگی۔ امرتسر کے "بندے ماترم ہال" میں ایک جلسے کا اہتمام ہوا جس میں مرزا بشیر الدین محمود کو شریک ہونا تھا۔

چنانچہ پولیس کا انتظام بھی بے حد وسیع تھا۔ لوگ بڑی تعداد میں جمع تھے...... یہ رمضان کا مہینہ تھا۔ لیکن مرزا بشیر الدین محمود کے لئے چائے کا انتظام تھا۔ وہ سٹیج کی اوٹ میں چائے نوشی کا لطف اٹھانے لگے۔ اُن کی اس حرکت سے لوگوں میں بڑی سرگوشیاں ہونے لگیں۔ بلکہ ان میں ایک نفرت سی اُبھرنے لگی۔ خیر اجلاس کا آغاز ہوا۔ مرزا صاحب میر محفل بنے بیٹھے تھے۔ ایک مبلغ روشن دین نے تلاوت قرآن شروع کی۔

اچانک پچھلی صفوں میں ایک ہنگامہ سا برپا ہوا۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ صفیں

چیرتے ہوئے دیوانہ وار اسٹیج کی جانب لپک رہے تھے۔اُن کے چہرے پر جلال کی یہ کیفیت تھی کہ لوگ ازخود اُن کے لئے راستہ بناتے گئے۔ جب وہ سٹیج سے کچھ ہی فاصلے پر تھے۔تو اُن کی آواز کا شعلہ فضا میں لپکا اور یہ الفاظ گونجنے لگے......

''ٹھہرو'' تم قرآن پاک کی غلط تلاوت کر رہے ہو۔خدا کے خوف سے ڈرو۔''

مرزا بشیر الدین محمود کے چہرے پر ہوائیاں اُڑنے لگیں اتنے میں پولیس اسٹیج کے قریب آ گئی اور مرزا صاحب کو گھیرے میں لے لیا۔لوگوں میں ایک افراتفری سی پھیل گئی۔نعرۂ تکبیر گونجنے لگے اور آن کی آن میں تمام جلسہ تتر بتر ہو گیا۔

شاہ صاحب کی یہ جرأت اُن کے جذبہ ایمان کی ایک ایسی روشن اور واضح دلیل ہے۔کہ اس کے بعد اس پہلو پر مزید روشنی ڈالنے کے لئے واقعات کو معرضِ تحریر میں لانے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔[1]

سانحہ جلیانوالہ باغ

امرتسر میں جلیانوالہ باغ کا سانحہ پیش آیا۔تو انگریزوں نے مارشل لاء نافذ کر دیا۔ اس دور میں مارشل لاء کے نفاذ سے ہندوؤں اور مسلمانوں کے دلوں میں آزادی کی لگن کچھ اور بڑھ گئی۔اور اندر ہی اندر ایک حرارت انگریزوں کے خلاف ایک نفرت کی شکل اختیار کرتی گئی۔ آخر ستر دن کے بعد مارشل لاء ختم ہوا......تو راہنماؤں نے انگریز کے مظالم کے خلاف آواز اٹھائی۔اور اس شدت سے مصروف عمل ہوئے کہ جلیانوالہ باغ میں لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارنے اور پھر مارشل لاء کی قدغن لگانے والے لیفٹیننٹ جنرل گورنر ''سر مائیکل ایڈوائر'' کو رخصت ہونا پڑا۔

برطانوی استبداد کے یہ تماشے شاہ جی کے دل میں انگریز کے خلاف نفرت کا ایک ایسا بیج بوتے رہے کہ وہ زندگی کے آخری ایام میں بھی یہ کہا کرتے تھے کہ۔انگریز کی فطرت کا خمیر، سانپ کے زہر سے اٹھایا گیا ہے۔اور اپنی غذا کے لئے اُسے انسانی خون کی جو چاٹ پڑی

1. روزنامہ آزاد لاہور امیر شریعت نمبر ص5

ہے۔مشکل سے چھوٹے گی۔

مذکورہ مارشل لاء کے بعد ہندو مسلم اتحاد نے نئے خطوط وضع کرنے کے لئے آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس دسمبر 1919ء میں منعقد ہوا۔

جس میں علی برادران، ڈاکٹر کچلو، مسز سروجنی نائیڈو، مفتی کفایت اللہ، علامہ اقبالؒ، مولانا حسرت موہانی، پنڈت نہرو ڈاکٹر انصاری اور دیگر بہت سے راہنمایان وطن جمع ہوئے اس اجلاس میں سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ بھی اسٹیج کے ایک کنارے ہمہ تن گوش بیٹھے تھے۔

اُن دنوں شاہ جی کا دائرہ عمل دینی تبلیغ کی حدود سے باہر نہیں تھا۔لیکن ملک کے بدلتے ہوئے حالات کے پیش نظر ان پر سیاسی رنگ چڑھ رہا تھا۔اور وقت کو جو عظیم خدمت شاہ جیؒ سے مقصود تھی۔حالات اُنہیں اس کے لئے ازخود تیار کر رہے تھے۔بلکہ دین اور سیاست کی ہم آہنگی کا تصور اُن کے دل میں جواں ہو رہا تھا۔

چنانچہ خلافت کانفرنس کے عہد میں مولانا داؤد غزنوی کی وساطت سے شاہ جی نے سیاسیات کے میدان میں قدم رکھا......میں بھی ان دنوں عملی طور پر سیاست سے وابستگی اختیار کر چکا تھا۔

بلکہ اس جگہ اس امر کا اعتراف کرنے میں مجھے کوئی عار نہیں کہ مجھے سیاست کے میدان میں لانے کے لئے ہر چند کہ ڈاکٹر سیف الدین کچلو کا بڑا ہاتھ تھا۔لیکن سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی خطابت کی کشش بھی دراصل اسی کی بنیاد تھی۔

مجھے برسوں تک شاہ جیؒ کی رفاقت کا فخر حاصل رہا ہے۔میں ہمیشہ ان کی شخصیت کا بڑے غور سے مطالعہ کرتا رہا۔اور ہر مرتبہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ اُن جیسا بیدار مغز، صاحب ایمان عالم دین، خطیب خوش گفتار اور اسلام کا شیدائی پھر پیدا نہیں ہو سکتا۔

ان کی عالی ظرفی کا اندازہ کیجئے کہ میرا کئی مرتبہ سیاسی مسائل پر اُن سے اختلاف بھی ہوا...... بات کے مختلف پہلوؤں پر گرما گرم بحثیں بھی ہوئیں۔مگر......اس قسم کے حالات ساون کے بادلوں کی طرح گزر گئے۔شاہ جی کے مزاج اور میرے ساتھ برتاؤ میں کبھی فرق نہ

آیا۔ وہ اپنے طرزِ عمل سے ایک مجھی کو کیا بلکہ ہر دوست دشمن کو اپنا گرویدہ بنا لینے کا کچھ ایسا ڈھنگ جانتے تھے کہ...... اس دور کے لوگوں میں وہ بالکل ناپید ہے بلکہ آئندہ بھی اس قسم کی صفات کی جھلک کسی انسان میں مشکل سے دیکھنے میں آئیں گی۔

مجلس میں جماعتی انتخابات کے موقعہ پر وہ کہا کرتے تھے کہ:۔

''بھائی! انتخاب ووٹوں کی اساس پر نہ کیا کرو۔ بلکہ مسائل اور ضروریات کی روشنی میں ذمہ داریاں سنبھال لیا کرو۔

چنانچہ مجلسِ احرار کے زمانے میں انہوں نے احرار زعما کے اندر ایک ایسی روح پھونک دی تھی۔ کہ وہ کام اور خدمت قوم کی لگن میں جماعتی انتخابات کی سطح سے بلند و بالا رہنے کے عادی ہو گئے تھے۔ چنانچہ اسی نظریئے کے تحت 1931ء میں مجھے مجلس احرار کا صدر بنایا گیا۔ حالانکہ میں (جونیئر موسٹ) تھا۔ لیکن وقت کی ضرورتؔ کے پیشِ نظر ہم میں اختلافات کی کوئی گنجائش ہی نہ تھی میں مسلسل آٹھ برس تک صدر رہا۔ پھر جب پاکستان بنا تو۔ ماسٹر تاج الدین انصاریؒ نے یہ ذمہ داری سنبھال لی۔

مجلس احرار کی صدارت کے زمانے میں شاہ جی نے ہمیشہ سیاسی، مذہبی، دینی اور ملی مسائل کو حل کرنے میں در پردہ میری ایسی رہنمائی کی...... کہ ان کرم فرمائیوں کے سلسلے میں شاہ جی کی روح کو میں جس قدر خراجِ تحسین ادا کروں کم ہے۔

میں نے شاہ جیؒ کے ساتھ اپنی سیاسی زندگی میں کئی مرتبہ قید و بند کے مراحل بھی طے کئے۔

لاہور۔ راولپنڈی اور ملتان کی جیلوں میں بہت سے لیل و نہار ہم نے ایک ساتھ بسر کئے۔ جیل کی دنیا میں بھی میں نے شاہ جیؒ کے مزاج کی اُن خوبیوں کو پژمردہ نہیں دیکھا۔ جوان کی شخصیت کا ایک حصہ تھیں۔

تکالیف پر مسکراہٹیں نچھاور کرنا تو گویا ان کا ایک مشغلہ بن گیا تھا۔ اور بے خوف اتنے کہ فرائض کی بجا آوری کے لئے، نتائج کی پروا کئے بغیر ہر مقام پر اور ماحول میں دشمنوں

سے ٹکرانے کے لئے ہمہ وقت تیار رہا کرتے تھے۔ اور خاص طور پر عشق رسول ﷺ کے معاملے میں تو ان کے جذبات کی مثال اس دنیا میں ملنا ہی ناممکن ہے۔

اپنوں، پرائیوں میں میں نے شاہ جی کا جو احترام دیکھا اُس کے پیشِ نظر کہہ سکتا ہوں کہ اگر سیاست کی وادیوں میں قدم نہ بھی رکھتے تو پیری مریدی کے میدان میں دو بڑی شاہانہ زندگی بسر کر سکتے تھے۔ اور دنیاوی آسائشیں اور راحتیں ان کا اوڑھنا بچھونا بن سکتی تھیں۔ لیکن انہوں نے فقر اور درویشی کا ایسا شعار اختیار کیا جس پر دنیاوی تکلیفوں کے باوجود وہ زندگی بھر فخر کرتے رہے۔

تقسیم کے فسادات نے افسردہ خاطر کر دیا

یک چراغ است دریں خانہ کہ از پرتو آں
ہر کجا می نگری انجمنے ساختہ اند

1947ء کا ذکر ہے غالباً مارچ کا مہینہ تھا۔ عام فسادات پنجاب میں بھی پھوٹ چکے تھے شاہ جیؒ اس سے تو خوش تھے۔ کہ انگریزوں کے چل چلاؤ کا زمانہ ہے لیکن اس کا انہیں بہت ہی دکھ تھا کہ خون خرابہ بے قابو ہو چکا ہے وہ امرتسر سے لاہور چلے آئے اور دفتر احرار لاہور میں مقیم ہو گئے۔ دن بھر محفلیں جمتیں گئی رات تک دربار لگا رہتا۔ عام عقیدت مند جمع ہوتے اور ان کے انوارِ سخن سے جھولیاں بھرتے لیکن ان دنوں ان کے چہرے پر ہنسی کے آثار بہت تھوڑے تھے۔ اس سے پہلے وزارتی مشن کے زمانے میں ہم کوئی دو ماہ دہلی میں اکٹھے رہے تھے اور وہ زمانہ اپنی بوقلمونیوں کے باعث تاریخ کا ایک یادگار حصہ تھا۔ میں نے شاہ جی سے عرض کیا کہ میری بعض یادداشتیں ادھوری ہیں اگر آپ اپنے خاندانی حالات پر روشنی ڈالیں تو یہ یادداشتیں مکمل ہو سکتی ہیں لیکن وہ طرح دے گئے ان کے نزدیک اس کی ضرورت ہی نہ تھی وہ تحریر کو ایک فتنہ سمجھتے اور اپنے اس عقیدے کو ہمیشہ دہراتے کہ جب سے حافظہ کی جگہ تحریر نے

لے لی ہے نہ صرف انسان کو عقلی اعتبار سے ضعف پہنچا ہے بلکہ ہر طرف عجیب الخلقت تنازعوں کی آب و ہوا پھیل گئی ہے وہ عام لوگوں کی طرح اس دور کو ترقی کا دور نہیں کہتے بلکہ ان کے نزدیک یہ خسران کا دور ہے اور تحریر اس خسران کی پیچ دار بنیادوں میں سے ایک۔

"بھائی میرے حالات لکھ کر کیا کرو گے؟ مولانا ابوالکلام آزاد نے تذکرہ میں ابوطالب کلیم کی زبانی اپنی ہی نہیں، ہماری بھی سرگزشت لکھ دی ہے۔"

دور دور تک آگ لگی ہوئی دیکھ رہا ہوں

جس زمانے میں خضر وزارت کے خلاف بلاناغہ احتجاجی جلوس نکل رہے تھے ان جلوسوں میں زبان خلق کی ساری خصوصیتیں جمع ہو گئی تھیں شاہ جی مغرب کے وقت دفتر کے چھجے میں آ کھڑے ہوتے ان مظاہروں کا نظارہ کرتے اور جب بے قابو نوجوانوں کی آوازیں شفق میں گھلنے لگتیں تو سرد آہ بھرتے اور کہتے: وہ شورش! مجھے صاف نظر آ رہا ہے، میں دیکھ رہا ہوں کہ دور دور تک آگ لگی ہوئی ہے، مکان جل رہے، دکانیں لوٹی جا رہی اور قزاق عصمتیں اڑائے سرپٹ دوڑ رہے ہیں۔ ماں بیٹے کو چھوڑ چکی، باپ بیٹی کو ہار چکا ہے۔ چاروں طرف قیامت کا صور پھک گیا ہے۔"

پھر ایکا ایکی ملنگوں کے انداز میں نعرہ گونجانے لگتے۔

"کردے چٹیل میدان مولا، کردے چٹیل میدان" "لعنت بر پدر فرنگ اور فرنگ پر خاص زور دیتے۔ تبرّیٰ کی یہ آواز کبھی کبھار شاہ محمد غوث کی مسجد سے اٹھتی ہوئی آذان سے جا ٹکراتی نیاز مند شاہ جی کے اس قلندرانہ نعرے پر مسکراتے اور جھنجھلا کر فرماتے:۔

"میاں آج ہنستے ہو کل روؤ گے، تم نہیں دیکھ سکتے، میں دیکھ رہا ہوں جو کچھ بیت رہا اور جو کچھ بیتنے والا ہے۔ ایک وبا پھوٹ چکی، ایک وبا آ رہی ہے تب ان کی زبان پر قرآن مجید کی آیتیں جاری ہو جاتیں، ان کی قرأت میں گداز پیدا ہو جاتا۔ ان کے لحن میں آنسو آ جاتے اور ہم تھے کہ ان کا منہ تکا کرتے۔ ہمارا وجدان شہادت دیتا کہ فقیر غلط نہیں کہہ رہا ہے لیکن عقل سپر انداز ہونے سے انکار کرتی۔

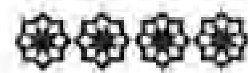
"ہاں بھائی انگریزوں کا مفاد اسی میں ہے کہ بستیاں کوئلہ ہو جائیں، لوگ قتل ہوں۔ آخر جانے سے پہلے فرنگی بابا آزادی کی قیمت لے کر ہی جائے گا۔ تم نے آزادی مانگی تھی یہ لو آزادی؟ یہ اس کی پہلی قسط ہے"

سیاست کا معنی مکر

"ہاں میں جانتا ہوں، سیاست کے معنی ہیں مکر، کلام اللہ میں بھی یہی معنی بیان ہوئے ہیں۔ میں نے لفظ سیاست سے زیادہ کوئی لفظ نہیں دیکھا۔ یہ خدع و فریب کے ایک ایسے اجتماعی کاروبار کا نام ہے جس سے بابو لوگ اغراض کی دکان چمکاتے ہیں"

اور میں جی ہی جی میں سوچ کر چپ ہو رہتا ع

اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انہیں کچھ نہ کہو عام حالات میں یہ باتیں بے وزن تھیں۔ جس شخص کی نصف زندگی خود سیاست میں گزری ہو پھر جس نے قبرستانوں میں آذانیں دی ہوں۔ اس کا سیاست کے بارے میں یہ ذہن ایک لطیفہ تھا۔ موڈ کے آدمی تھے کبھی یہ سوچنے کی مہلت ہی نہ دیتے تھے کہ انہوں نے عصری تحریکوں کا مطالعہ کیا ہے یا نہیں؟ ان کے نزدیک ہر چیز کا ایک ہی ترازو تھا اور وہ تھا قرآن مجید، اسوہ رسول، سیرۃ صحابہؓ اور علمائے امت کا فہم و تدبر۔ ان ائمہ اربعہ کے سوا جن کی فقہ چلتی ہے وہ کسی جدید فقہ کے قائل نہ تھے ان کا واحد معیار اسلاف تھے۔ اس دور کی بیشتر تحریکیں ان کے نزدیک ذہنی بدکاری تھیں۔ اور آہ ہم میں سے یہ با کمال جاتا رہا۔[1]



---

1 ہفت روزہ چٹان لاہور

قیام پاکستان سے پہلے کے نظریات

چنانچہ ذیل میں تحریک پاکستان کے دوران آپ کا کیا موقف رہا۔ اور پاکستان کے قیام کے بعد آپ نے کیا موقف اختیار کیا کا مختصر تذکرہ پیش خدمت ہے۔

چونکہ اس باب کا تعلق امیر شریعتؒ کے پاکستان کے متعلق اس کے قیام سے پہلے کے نظریات وخیالات ہیں اس لئے ابتداء ہی میں ان کا کانگرس سے تعلق خود کانگرس کے جنرل سیکرٹری کے الفاظ میں پیش کر دیا جائے اچاریہ کرپلانی[1] کے الفاظ جو حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ اور شیخ حسام الدین سے کہے گئے۔

"لیگ سے ہماری لڑائی محض سیاسی حقوق اور ان کے تعین وتقسیم کی لڑائی ہے، جس کا بہر حال کوئی نہ کوئی حل نکل آئے گا لیکن مجلس احرار اور جمعیت علماء ہند کی ہمنوائی ہمارے لئے سخت خطرناک ہوگی۔ یہ لوگ زندگی کے ہر پہلو میں ہم سے مختلف ہیں ان کے لباس ان کے عمل، ان کی زبان ان کی نظر غرض ہر چیز میں پاکستان موجود ہے۔ ان سے مصالحت کے

1. اچاریہ کرپلانی مشہور ہندو لیڈر کانگرس کے جنرل سیکرٹری تھے۔ مارچ 82ء میں ان کا انتقال ہوا۔

بجائے ہم مسلم لیگ سے مفاہمت کرلیں تو کہیں بہتر ہوگا۔"[1]

اس ایک بیان سے جو کہ ایک نظریاتی دشمن کا ہے احرار کے کردار کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ امیر شریعتؒ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے مسلم لیگ کے نظریہ تقسیم سے ضرور اختلاف کیا مگر انہوں نے آزادئ ہند سے تو کبھی اختلاف نہیں کیا۔ انگریز سے آزادی کے حصول کو تو وہ ہمیشہ اپنی حیات مستعار کا مقصد اولین بنائے رہے۔ ایک دیانت دار مورخ کا فرض ہے کہ وہ تصویر کے دونوں رُخ پیش کرے تا کہ قاری کے سامنے حقیقت واضح ہو جائے۔ امیر شریعتؒ کا ملک کی تقسیم کے بارے میں مسلم لیگ کے مقابل جو نظریہ تھا اسے میں من وعن بلا تبصرہ پیش کر رہا ہوں۔

"متحدہ ہندوستان میں مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت اس طرح کی جا سکتی ہے کہ مسلم اکثریت اور اقلیت والے صوبوں میں انہیں آبادی کے تناسب کے مطابق جداگانہ بنیاد پر نمائندگی کا حق ملنا چاہئے اور اسی طرح مرکز میں زیادہ سے زیادہ نمائندگی دی جانی مناسب ہے۔"[2]

اگر اس مضمون کو ذرا طول دیا جائے تو صورت حال یہ بنے گی:۔

مسلم لیگ کے نزدیک ہندوستان کی نو کروڑ مسلمان اقلیت کے مسئلے کا حل پاکستان تھا۔ احرار کا اس سے سیاسی اختلاف تھا ان کے نزدیک یہ حل ہی نہ تھا وہ کہتے تھے کہ اس طرح 35 فیصد مسلمان جو ہندوستان میں رہ جائیں گے۔ ایک طاقتور ہندو دشمن کا شکار ہوں گے اور جو مسلمان پاکستان میں ہوں گے یا پاکستان میں آئیں گے انہیں بڑی قیمت ادا کرنی پڑے گی۔ مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے مابین ہندوستان ہوگا کب تک دونوں حصے ایک حکومت کے تحت رہ سکیں گے ضرور جدا ہوں گے قائد اعظم کے بعد پاکستان میں لیگ کی صفوں

1. بوئے گل نالہ دل دود چراغ محفل۔ از شورش کاشمیری ص 313۔
2. جب اپنا لہو صحن گلستان میں رواں تھا۔ از نور الحق قریشی ص 621۔

سے کسی فعال لیڈر شپ کا ملنا اور اٹھنا محال ہے۔ ملک جذبات سے کہیں زیادہ حقائق پر چلتے ہیں جو مسئلہ آج لیگ اور کانگریس کا ہے وہ کل پاکستان اور ہندوستان کا ہو جائے گا۔ عجب نہیں کہ دونوں ملک بین الاقوامی طاقتوں کا مہرہ بن جائیں اور ان کی باہمی چپقلش سے دونوں مملکتوں کے سر پر ہر لحظہ جنگ کا خوف مسلط ہو۔"[1]

حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور مجلس احرار کا نقطہ نظر جو تقسیم کے بارے میں تھا اس کے متعلق یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ تاریخ نے اس نظریہ کو مغلوب کر دیا اور اپنے نظریہ کے بارے میں حضرت امیر شریعتؒ نے نہایت وسیع القلبی اور جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے قیام پاکستان کے بعد لاہور میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا:۔

"تم میری رائے کو خود فراموشی کا نام نہ دو میری رائے ہار گئی اور اب اس کہانی کو یہیں ختم کر دو۔"

اور جہاں تک حضرت امیر شریعتؒ کے اس تجزیئے کا تعلق ہے جو انہوں نے لیگ کے طریق کار کے متعلق فرمایا تو تاریخ نے اسے حرف بحرف سچ کر دکھایا ہے۔ آپ نے فرمایا:۔

"جو 35 فیصد مسلمان بھارت میں رہ جائیں گے وہ ایک طاقتور ہندو ذہن کا شکار ہوں گے۔"

تو کیا گذشتہ چھپن برس کی تاریخ گواہ نہیں کہ ہندوستان میں آئے دن مسلمانوں پر ہندو مسلم فساد کی صورت میں عتاب نازل نہیں ہو رہا گویا کہ حضرت امیر شریعتؒ نے آج سے ساٹھ سال قبل جو فرمایا وہ درست تھا۔ اور اب تاریخ نے یہ بھی ثابت کر دیا ہے جو مسلمان پاکستان میں آئیں گے انہیں بڑی قیمت ادا کرنی پڑے گی تو کیا اگست 1947ء کو ہونے والے فسادات نے دُنیا کو دکھا نہیں دیا کہ ہم نے آزادی کی کتنی بڑی قیمت ادا کی۔

"قائداعظم کے بعد مسلم لیگ کی صفوں سے کسی فعال لیڈر شپ کا اٹھنا اور ملنا محال ہے۔"

تو یہ بات بھی 11/ستمبر 1948ء کو قائداعظم کی وفات کے بعد کے واقعات سے

1۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ۔ از شورشؔ کاشمیری ص 268

ثابت ہوگئی کہ ان کے بعد پاکستان کرسیوں کی جنگ میں اُلجھ کر رہ گیا اور یہ کہ:۔

"جو مسئلہ آج لیگ اور کانگریس کا ہے کل وہ ہندوستان اور پاکستان کا ہوگا۔ عجب نہیں کہ دونوں ملک بین الاقوامی طاقتوں کا مہرہ بن جائیں اور ان کی باہمی چپقلش سے دونوں مملکتوں کے سر پر ہر لحظہ جنگ کا خوف مسلط ہو۔"

پاکستان کے قیام کے فوراً بعد 1948ء میں ریاستوں کے مسئلہ پر لڑائیاں، کشمیر کی جنگیں، 1965ء کی جنگ، 1971ء کی جنگ اور آج کی ہمہ وقتی صورت حال اس پیش گوئی کی مظہر ہے۔ کہ کل جو مسئلہ کانگرس اور لیگ کا تھا آج وہی پاکستان اور ہندوستان کا ہے۔ علاوہ ازیں آزادی کے متعلق احرار اپنا نقطہ نظر آزادی کے متعلق اپنے قیام کے تھوڑا ہی عرصہ بعد واضح کر چکے تھے۔ 11/جولائی 1929ء لاہور کے حبیبیہ ہال لاہور میں احرار کانفرنس مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کی زیر صدارت منعقد ہوئی جس میں احرار نے اپنا نقطہ نظر بیان کیا مذکورہ بالا کانفرنس میں آزادی کے متعلق احرار کی پالیسی بیان کرتے ہوئے مولانا مظہر علی اظہر نے فرمایا:۔

"ہندوستان کے لئے سیاسی و اقتصادی آزادی حاصل کرنا ہمارا منتہائے مقصود ہونا چاہیے۔"[1]

مولانا مظہر علی اظہر نے آزادی کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ احرار کس قسم کی آزادی چاہتے ہیں:۔

"ہم اب بھی آزادیٔ وطن کے لئے تہہ دل سے کوشش کریں گے لیکن ہماری کوششیں غریبوں، مظلوموں، مفلسوں اور ستم رسیدوں کی آزادیٔ، خوشحالی اور فارغ البالی کے لئے ہوں گی۔ ہم برطانوی حکومت اور سرمایہ داری کی جگہ ہندوستانی ملوکیت اور سرمایہ داری کو دے کر مطمئن نہیں ہو سکتے۔"[2]

مولانا مظہر علی اظہر کی اس تقریر سے حضرت امیر شریعتؒ اور احرار کا نقطۂ نظر خوب

1۔ احرار کانفرنس خطبات و قرار دادیں ص 2 ☆ 2۔ احرار کانفرنس خطبات و قرار دادیں ص 7

اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے۔

امیر شریعتؒ اور مجلس احرار اسلام نے مسلم لیگ اور قائداعظم سے سیاسی اختلاف کو کبھی بھی عداوت اور رنجش کا بہانہ نہیں بنایا بلکہ ہمیشہ مسلم لیگ اور قائداعظمؒ سے مفاہمت کی کوشش کی جیسا کہ 1936ء میں مجلس احرار نے مسلم لیگ سے مذاکرات سے ظاہر ہے۔

"مسلمانو! احرار اور جناح کے اتحاد سے پہلے اپنی اصلاح کی کوشش کر لو ورنہ شہید گنج کا کام ادھورا رہ جائے گا۔"[1]

اسی طرح ایک اور مقام پر بھی احرار نے کمال اتحاد و اتفاق کا مظاہرہ کیا یعنی 6 رجون 1936ء کو قائداعظم کشمیر سے واپسی پر لاہور ٹھہرے تو یونینسٹ پارٹی نے ان کی آمد پر سیاہ جھنڈیوں سے ان کا استقبال کرنا چاہا لیکن اس ارادے کی بروقت اطلاع علامہ اقبالؒ اور ان کے توسط سے مجلس احرار کو بھی ہوگئی اس پر احرار رضا کار چاق و چوبند ہو گئے۔ احرار کی تیاریاں دیکھ کر یونینسٹ پارٹی نے اپنا یہ ارادہ ملتوی کر دیا۔

اسی طرح تاریخ میں ایک موڑ ایسا بھی آیا جب احرار نے مسلمانوں کی نمائندگی مسلم لیگ کے سپرد کر دی۔ 23 رمارچ 1947ء کو حضرت امیر شریعتؒ کی صدارت میں احرار کی مجلس عاملہ کا اجلاس لاہور میں ہوا جس میں حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ نے مندرجہ ذیل قرارداد پیش کی:۔

"مجلس احرار اسلام ہندو اکثریت کے مہیا کردہ شواہد و نظائر کی روشنی میں مسلمانوں کے باہمی سیاسی اختلاف کو پس پشت ڈالتے ہوئے مستقبل میں ملت اسلامیہ کی بقاء کے لئے متحد ہو جانے کی خواہش مند ہے اور ہندوستان میں مسلمانوں کو جو مشترکہ خطرہ درپیش ہے اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کے مشترکہ محاذ کا اعلان کرتی ہے۔"[2]

حضرت امیر شریعتؒ کا یہ فیصلہ جو احرار کی مجلس عاملہ نے کیا درحقیقت تاریخ کا ایک

1 روزنامہ انقلاب لاہور ۵ رمئی 1936ء ☆ 2 سوانح قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ۔ از نور الحق قریشی ص 274

نہایت ہی مستحسن اور بڑا اقدام تھا۔ اس فیصلے سے چار سال پیشتر ہی مجلس احرار اپریل 1943ء میں حکومت الٰہیہ کی قرارداد کے بعد خود کو سیاست سے علیحدہ کر رہی تھی مگر اس فیصلے سے تو احرار نے مسلم لیگ اور دوسری مسلم جماعتوں سے اتحاد کی پیشکش کر کے گویا کہ تاریخ کو اپنے لئے مسخر کر لیا۔ احرار کے اس فیصلہ پر ہندو پریس اور ہندوؤں نے سب و شتم کا ایک طوفان کھڑا کر دیا۔

حضرت امیر شریعتؒ نے قائداعظم سے اختلافات کو کبھی ذاتی حیثیت نہیں دی۔

ایک مرتبہ آپؒ سے کسی نے سوال کیا:۔

شاہ جیؒ آپ کا جناح سے کیا اختلاف ہے؟

فرمایا: کوئی نہیں۔

وہ (سوال کرنے والا) تو پھر آپ ایک کیوں نہیں ہو جاتے؟

شاہ جیؒ:۔ بھائی میں تو ان کی کفش برداری کے لئے تیار ہوں لیکن میرے ذہن میں بعض کانٹے ہیں وہ یاد فرمائیں سر کے بل جاؤں گا۔ سمجھا دیا تو وہ آرام سے بیٹھیں ان کی لڑائی خود لڑوں گا۔ مگر وہ ہم سے بات ہی نہیں کرتے صرف بیعت چاہتے ہیں۔

مجمع دیہاتی تھا شاہ جیؒ نے قائداعظمؒ سے خطاب کرتے ہوئے کہا ع

میری گھگھری نوں گھنگھرو لوا دے
جے تو میری ٹور ویکھنی اے

حضرت امیر شریعتؒ کی طرف سے ہر وقت مفاہمت کا دروازہ کھلا رہا۔ مگر جب دوسری طرف سے سرد مہری ہو تو کوئی کیا کرے؟

1944ء میں ایک جگہ تقریر کرتے ہوئے فرمایا:۔

"میں جناح کا بے حد احترام کرتا ہوں میری ان سے سیاسی لڑائی ہے ذاتی نہیں۔ آج میں آپ لوگوں کو گواہ بنا کر یہ بات کہتا ہوں کہ اپنی بات سمجھنے کے لئے اگر مجھے مسٹر جناح کے قدموں پر یہ سفید داڑھی بھی رکھنی پڑی تو خدا کی قسم میں اس سے گریز نہیں کروں گا لیکن

1 سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ از شورش کاشمیری ص 288

بات سمجھے بغیر ان کی ہاں میں ہاں ملانے پر تیار نہیں ہو سکتا چاہے میری قوم میرے خلاف ہو جائے۔''1

1946ء کے انتخابات سے پیشتر اس قسم کے خیالات کا اظہار حضرت امیر شریعتؒ نے بارہا کیا اور ملک بھر میں کیا مگر قائداعظم نے اس کا کوئی جواب نہ دیا بالآخر 1946ء کے انتخابات بھی گزر گئے مگر ع

واں ایک خامشی تری سب کے جواب میں

اوپر کے بیان سے شاہ صاحبؒ کے اخلاص کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ انہوں نے ہر طرح سے کوشش کی کہ کسی طرح انہیں پاکستان کا یہ فلسفہ سمجھا دیا جائے کہ کس طرح مشرقی اور مغربی پاکستان کو متحد رکھا جائے گا مگر لیگ کے رہنماؤں نے اسے درخور اعتنا نہ سمجھا۔

اس تمام روئیداد کا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت امیر شریعتؒ نے اگر پاکستان کے طریق قیام کی مخالفت کی تو اس میں نہ تو ان کا کوئی ذاتی مفاد تھا اور نہ ہی ان کی کانگرس سے کوئی ساز باز تھی۔ ان کا مقصد قوم کی فلاح تھا جسے وہ اپنے نظریہ کے مطابق بروئے کار لانا چاہتے تھے اگر چہ وقت نے ان کے نظریہ کو کامیاب نہ ہونے دیا مگر جب پاکستان بن گیا تو انہوں نے دل وجان سے اس سے محبت کی کیونکہ یہ اس کی گزشتہ تمام عمر کا ماحصل تھا کہ فرنگی استعمار اس سرزمین سے نکل گیا انہوں نے اس وقت بھی قوم کے وسیع تر مفاد کے لئے کام کیا اور جب پاکستان بن گیا تو اس پر فدا اور سو جان سے نثار ہوئے۔

اور اسی طرح قوم کے درد میں شام وسحر تڑپنے والا یہ عظیم راہنما ایک طرف اپنے سیاسی نظریات کی لڑائی میں مسلم لیگ کے مسٹر جناح سے برسرپیکار رہے مگر جب مسلمانوں کی عزت کا سوال آتا ہے اور ماسٹر تارا سنگھ کا مقابلہ ہوتا ہے تو یہی عطاء اللہ شاہ بخاریؒ مسٹر جناح کا سب سے بڑا کفش بردار بن جاتا ہے۔

ماسٹر تارا سنگھ نے جب تلوار لہرا کر مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہا دینے کی دھمکی

1 حیات امیر شریعت ص 283

دی تو حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:-

''ماسٹر جی ہوش کے ناخن لو کیا کہتے ہو؟ جس قوم کے فرزند خوں کے سمندروں میں تیرتے رہتے ہیں تم انہیں ننھی منی ندیوں سے ڈراتے ہو؟ پھر فرمایا مسٹر جناح کے مقابلے میں تارا سنگھ کی تلوار اٹھے گی تو اس کے مقابلے میں سب سے پہلے بخاری آئے گا۔''

ان چھوٹے چھوٹے اقتباسات سے ہی ان کے للّٰہی اخلاص کا پتہ چلتا ہے کہ اگر وہ تقسیم ہند کے مجوزہ طریقہ کار کے خلاف تھے تو اس میں بھی ان کے نزدیک قوم کی بھلائی ہی تھی، نیز انہوں نے جن حضرات کی مخالفت کی ان کی مخالفت کو صرف سیاسی میدان تک ہی محدود رکھا جب ان کی خوبیاں آپ کے سامنے آتی ہیں تو وہ ان سے آنکھیں بند نہیں کر لیتے بلکہ نہایت وسیع الظرفی سے ان کا برملا اعتراف کرتے ہیں اسی طرح ایک مرتبہ مسٹر جناح کے متعلق فرمایا:-

''ارے مرد تو تھا جس بات پر ڈٹ گیا کوہ کی طرح ڈٹ گیا۔ خون کی ندیاں بہہ گئیں لاشوں کے انبار لگ گئے مگر کوئی چیز مسٹر جناح کے عزم کو نہ ہلا سکی۔''

''ضد یوں پیدا ہوئی کہ لیگ کے دولت مند اکابر ان کی غریبی پر طعن توڑتے اور انہیں ہندوؤں کا زرخرید کہتے تھے۔ ظاہر ہے کہ سچا دل گالیوں کی اجتماعی یلغار سے بگڑے گا پھر یہ بگاڑ اس صورت میں اور بھی مضبوط ہوتا ہے جب گالی دینے والا خود گالی ہو اور الزام لگانے والا فی نفسہ الزام ہو۔''



قیام پاکستان کے بعد شاہ جیؒ کا موقف

"یہ ٹھیک ہے کہ ہم نے پاکستان کی مخالفت کی مگر جو کچھ کیا اور جو کچھ سمجھا وہی کچھ کہا، ہمارا ضمیر اس وقت بھی مطمئن تھا اور آج بھی شرمندہ نہیں ہے۔"[1]

اور جب پاکستان بن چکا تھا تو جیسا کہ آپ نے فرمایا کہ ہمارا ضمیر آج بھی شرمندہ نہیں ہے یعنی آج کھلے موقف پر ہم دلی طور سے مطمئن ہیں اور بعد کا موقف درحقیقت درج ذیل تھا:۔

پاکستان کی آزادی، سالمیت اور استحکام جزو ایمان

"ہم نے دس لاکھ مسلمانوں کا خون دے کر اور ایک کروڑ مسلمانوں کو بے گھر کر کے ایک آزاد وطن حاصل کیا ہے اس کی آزادی ہمیں ہر چیز پر مقدم ہے ہم پاکستان کو ایک مستحکم اور ناقابل تسخیر ملک دیکھنا چاہتے ہیں۔ وہ داخلی اور خارجی دشمنوں سے محفوظ ہو۔ میرا یہ نظریہ ہے کہ اس ملک کی واحد نمائندہ جماعت مسلم لیگ ہے مسلم لیگ نے آج سے چالیس سال قبل ایک نعرہ لگایا تھا وہ نعرہ تھا مسلمانوں کی سربلندی کا۔ آہستہ آہستہ ایک دور آیا کہ مسلم لیگ نے اعلان کیا کہ وہ برصغیر میں مسلمانوں کے لئے ایک آزاد وطن چاہتی ہے اس میں

1۔ حیات امیر شریعت ص 338

شک نہیں کہ مجلس احرار نے اس نظریہ سے دیانت دارانہ اختلاف کیا۔ ہم نے جب یہ سمجھا اور محسوس کیا کہ قوم نے ایک فیصلہ دے دیا ہے اور وہ فیصلہ ہے قیام پاکستان کا تو ہم نے اس مطالبہ کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ یہ وطن جس کی خاک کا ہر ذرہ مجھے عزیز ہے ہر چیز سے عزیز تر ہے اس کی آزادی، سالمیت اور استحکام جزو ایمان ہے۔ پاکستان کی آزادی کی حفاظت کے لئے کروڑوں عطاء اللہ شاہ بخاریؒ قربان کئے جاسکتے ہیں۔ لیکن میں یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ میرے وطن کی آزادی پر کوئی آنچ آئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اب جب کہ پاکستان بن چکا ہے اس کی حفاظت ہر مسلمان کا جزو ایمان ہونا چاہئے۔ میں پاکستان کو داخلی دشمنوں سے محفوظ کرنے کا ہر قیمت پر تہیہ کر چکا ہوں۔ ہم یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ کوئی گروہ یا ٹولہ اکھنڈ بھارت کا نعرہ لگا کر پاکستان کی حدود کے اندر آباد رہ سکے۔ خارجی دشمن کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے لیکن داخلی دشمنوں کی ریشہ دوانیوں کی موجودگی میں یہ سمجھ لینا کہ ہم محفوظ ہیں۔ انتہائی بے وقوفی ہے حماقت ہے اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ اس ملک کی نمائندہ جماعت مسلم لیگ کو مستحکم بنایا جائے کیونکہ مسلم لیگ کا استحکام مسلمانوں کے استحکام کا ضامن ہے۔ اس صوبہ میں مسلم لیگ کی جس پارٹی کی بھی حکومت ہوگی ہم اس کی حمایت کریں گے ہم اس صوبے کے امن وامان، خوشی اور فلاح و بہبود، استحکام اور سربلندی کے لئے حکومت سے پورا اور غیر مشروط تعاون کرتے رہیں گے۔"[1]

اب ذرا شاہ صاحبؒ کا دلپذیر موقف دربارہ پاکستان بعد از قیام پاکستان پڑھئے، اور سر دھنئے۔ ان کے اخلاص کا مظہر یہی الفاظ ہیں کہ پاکستان کے دفاع کے لئے کروڑوں سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ قربان کئے جاسکتے ہیں۔ تو کیا ایسا شخص اسی ملک کا غدار ہوسکتا ہے جو کہ اس کے ملک کے بارے میں کہتا ہو:۔

1۔ روزنامہ زمیندار لاہور 21 رجولائی 1952ء مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی لاہور میں تقریر ص 1

"آج ہم کسی سے دب کر کچھ نہیں کرتے بلکہ پوری آزادی سے کہتے ہیں کہ دفاع وطن کے لئے تیار ہو جاؤ اور اگر کوئی غدار ہو تو اسے کیفر کردار تک پہنچاؤ میں آپ سے کچھ نہیں مانگتا۔ میرے پاس نہ دولت ہے نہ ثروت۔ میں آپ کی خدمت میں پورے خلوص سے التجا کرتا ہوں۔ آپ کے پاؤں پر سفید داڑھی رکھ کر اپیل کرتا ہوں کہ آپ اسے منظور کریں اور یہ کہ کوئی ایک نوجوان بھی ایسا نہ رہے جو نیشنل گارڈ کی وردی نہ پہنے ہوئے ہو۔"1

بعض حضرات کا معمول ہوتا ہے اور ہم میں سے ایک طبقہ فکر کا اب تک یہ معمول چلا آرہا ہے کہ ایک وقت میں اس نے انگریز کا کاسہ لیسی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی مگر آج وہی گروہ تحریک پاکستان کا سب سے بڑا علمبردار بنا پھرتا ہے۔ اگر حضرت امیر شریعتؒ چاہتے تو وہ بھی یہ کچھ کر سکتے تھے مگر ان کا یہ شیوہ نہ تھا۔

آپ نے ہمیشہ اس چیز کا برملا اعتراف کیا کہ انہوں نے پاکستان کی ہیئت ترکیبی کی قبل از قیام مخالفت کی تھی مگر اب وہ اس پر قربان و نثار ہیں۔ آپ نے ایک مرتبہ فرمایا:۔

"میں کہتا ہوں مسلم لیگ نے پاکستان بنایا اور ملک تقسیم کرایا ہے۔"2

یہ جرأت اور دلیری ہر سیاستدان میں نہیں ہو سکتی۔ آپؒ کی حب الوطنی کا اظہار اس خط سے بھی ہوتا ہے جو قیام پاکستان کے بعد عبداللہ ملک کے نام لکھا گیا۔ آپ نے فرمایا:۔

"اب چمن اور اس کی شاخیں تم نوجوانوں کی باغبانی کے سپرد ہیں۔ جب تک جیو وضع داری سے جیو کہ یہی ایمان کی نشانی اور حاصل زندگانی ہے۔"3

شاہ صاحبؒ اپنے موقف کی وضاحت کچھ اس طرح فرمایا کرتے تھے کہ ایک شخص ایک خاندان میں شادی کرنا چاہتا ہے مگر اس کا باپ اور بھائی اور دوسرے رشتہ دار اس رشتہ پر

1 حیات امیر شریعتؒ ص 338 ☆ 2 ایضاً ص 338

3 ہفت روزہ چٹان لاہور، شاہ جی نمبر 15 جنوری 1962ء

راضی نہیں ہوتے لیکن وہ باوجود مخالفت کے شادی کر لیتا ہے اب اگرچہ ماں، باپ، رشتہ دار، بہن، بھائی، اپنے، پرائے اس رشتہ پر راضی نہ تھے۔ لیکن شادی ہونے کے بعد مبارکباد دیں دیتے اور دعوتیں کرتے ہیں۔ اب کوئی ایسا باپ نہیں ہو سکتا جو اپنی بہو کی عصمت پر آنچ آنے دے اور وہ کبھی اپنے بیٹے کے گھر کو اجاڑنے کی نہیں سوچے گا بلکہ وہ ہمیشہ اس گھر کی آبادی ہی کے منصوبے بنائے گا۔ اب جب کہ پاکستان بن گیا ہے لہٰذا یہ ہماری عزت ہے اور اس کی حفاظت ہمارا جزو ایمان اور فرض ہے، اگرچہ احرار اور لیگ میں قیام پاکستان سے قبل شدید اختلافات اور تلخیاں پائی جاتی تھیں مگر شاہ صاحبؒ نے قیام پاکستان کے بعد اس مملکت کے وسیع تر مفاد میں ان تلخیوں کو یکسر فراموش کر دیا تھا اور شب و روز ملک کے استحکام کی راہیں سوچنا شروع کر دی تھیں۔ آپ نے ایک مرتبہ لاہور میں فرمایا تھا:۔

"میرے شب و روز اسی تمنا میں گذرتے ہیں کہ میری قوم ایک ناقابل تسخیر قلعہ بن جائے۔"1

قوم کے غم میں یہ عظیم رہنما شام و سحر تڑپتا رہا، یہ سوچتا رہا کہ کسی طرح یہ قوم دنیا کی عظیم ترین قوم بن جائے اس میں اتحاد و یک جہتی ہو۔

اسی کشمکش میں گذریں میری زندگی کی راتیں
کبھی سوز و ساز رومی کبھی پیچ و تاب رازی

قوم کے اتحاد و استحکام کی خاطر ہی انہوں نے اپنا پرانا موقف تبدیل کیا تھا کیونکہ اب اس پر قائم رہنے سے عوام کا دو گروہوں میں تقسیم ہو جانا یقینی تھا۔ آپ نے اپنے آزاد وطن کی آزاد حکومت سے اس طرح تعلقات بنائے:۔

"اب فرنگی کی حکومت نہیں رہی کہ اس ڈھنگ پر سوچا جائے۔ اب مسلمانوں کی حکومت ہے اب شریعت کی روشنی میں سوچنا چاہیے کہ جب ایک مسلمان اور مسلمانوں کی کوئی جماعت کسی وجہ سے بھی غلبہ حاصل کر کے ملک کی باگ ڈور سنبھال لے اس کے ساتھ کیسے

1 روزنامہ آزاد لاہور، 7 ستمبر 1951ء صفحہ اول اشاعت خ

معاملہ کیا جائے؟"

ایک غدار سوسوروں سے بدتر

اب ان ناقابل تردید شواہد و نظائر کی موجودگی میں کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت امیر شریعتؒ پاکستان کے دشمن تھے یا وہ اکھنڈ بھارت کے قائل تھے یا وہ (معاذ اللہ) غدار تھے۔ منیر رپورٹ میں حضرت پر غداری کی فردِ جرم عائد کی گئی ہے اور اب ذرا غداری کے متعلق حضرت امیر شریعتؒ کا فرمان بھی ملاحظہ فرمائیں:۔

"ایک غدار سوسؤروں سے بدتر ہے اگر حکومت مجھے پاکستان کا غدار سمجھے تو اسے چاہئے کہ مجھے گولی مار دے۔"[1]

سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی پاکستان کے بارے میں قبل از قیام و بعد از قیام رائے کیا تھی اس پر مفصل بحث ہو چکی ہے اب آخر میں ان کا ایک قول تحریر کرنا چاہتا ہوں فرمایا:۔

"یہ قطعہ زمین ہم نے بے پناہ قربانیوں کے بعد حاصل کیا ہے اور تیرہ سو (1300) سال میں آج تک آزادی کے لئے کسی نے اتنی قیمت پر قربانی نہیں دی اب بچانے کے لئے ہر وقت تیار رہنا چاہیے۔[2]

اسی طرح ایک مرتبہ فرمایا تھا:۔

"اللہ تعالیٰ پاکستان کو اندرونی و بیرونی سازشوں سے محفوظ رکھے۔"[3]

پاکستان کی حیثیت مسجد کی سی ہے!

شاہ صاحبؒ کی وسیع النظرفی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے تو برسر عام پبلک جلسہ میں کہہ دیا تھا کہ میری رائے کو قوم نے مسترد کر دیا۔ اور یہ یہی بات ان کی عظمت، دلیری اور جرأت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ انہوں نے کوئی تاویل نہ کی، کوئی تعبیر

---

1 منیر رپورٹ اردو ترجمہ ص 335 ☆ 2 روزنامہ مشرق لاہور، امیر شریعتؒ نمبر ۲۱ راگست 1974ء صفحہ اول
3 ماہنامہ تبصرہ لاہور، جون جولائی 1961ء بخاری نمبر

میں حصہ دار بن سکتے ہیں۔[1] ......" الخ

حضرت امیر شریعتؒ اور احرار نے یہ فیصلہ کر کے دراصل بہت جرأت مندانہ سے کام لیا تھا کہ اس طرح اپنے تمام سیاسی کیریئر کو یکدم کسی دوسری جماعت کے پلو میں ڈال دینا بہت دلیری اور جرأت کا کام اور پھر احرار نے اپنی ساری عمر کی کمائی یعنی اپنے سرفروش رضا کار بھی "نیشنل گارڈز" میں شامل کر دیئے۔ اور یہ کام نہایت خوش اسلوبی سے سرانجام دیا۔ حضرت امیر شریعتؒ نے اس قرارداد کی توثیق جن الفاظ میں فرمائی وہ اب تاریخ کا ایک حصہ بن چکے ہیں۔ وہ یادگار الفاظ یہ ہیں:۔

"مسلم لیگ سے ہمارا اختلاف صرف یہ تھا کہ ملک کا نقشہ کس طرح بنے، یہ نہیں کہ ملک نہ بنے بلکہ یہ کہ اس کا نقشہ کیونکر ہو یہ کوئی بنیادی اختلاف نہیں تھا نہ حلال و حرام کا، نہ گناہ و ثواب کا اور نہ مذہب کا وہ تو ایک نظریئے کا اختلاف تھا۔ ہم چاہتے تھے کہ پورے چھ صوبے ملیں اور مسلم لیگ بھی چاہتی تھی۔ ہمارا اختلاف صرف مرکز کی علیحدگی پر تھا۔ مسلم لیگ بھی فرقہ وارانہ جماعت تھی اور مجلس احرار بھی، مسلم لیگ میں بھی کوئی غیر مسلم شامل نہیں ہو سکتا تھا اور مجلس احرار میں بھی، پس اختلاف تھا تو صرف اتنا کہ ہم کہتے تھے کہ آزادی مل جائے ہم ذرا سنبھل لیں اور اس کے دس سال بعد مرکز سے بھی علیحدہ ہو جائیں گے مگر لیگ کہتی تھی کہ نہیں ہمارا مرکز کے ساتھ کوئی الحاق نہیں رہ سکتا ورنہ تقسیم ملک کے ہم بھی قائل تھے۔ کرپس فارمولا اب بھی موجود ہے اس میں تقسیم ملک ہی کا قصہ درج ہے ہم پورے چھ صوبوں پر مُصر تھے لیکن کانگرس نے تقسیم در تقسیم کو قبول کیا اور گئو ماتا کا قیمہ کر کے اس کے کوفتے بنا دیئے۔ پس اب ہمارا مسلم لیگ سے کوئی اختلاف نہیں نہ پہلے ہمارے اور ان کے درمیان کوئی مذہبی اختلاف تھا نہ خدا کا، رسول کا۔ نہ ہم ولی ہیں نہ لیگ والے قطب ہیں۔ اگر لیگ والے گنہگار ہیں تو ہم کون سے ولی اللہ ہیں۔ ہمارا اور ان کا اختلاف صرف مرکز سے علیحدگی پر تھا اور داغ کے الفاظ میں یوں کہنا چاہئے۔

---

1 حیات امیر شریعتؒ، از جانباز مرزا، ص 322

مدت سے میری ان کی قیامت کی ہے تکرار
بات اتنی ہے وہ کل کہتے ہیں میں آج

ہمارا اور لیگ کا اختلاف کوئی کفر وایمان کا اختلاف نہ تھا یہ تو بالکل سطحی اختلاف تھا۔

بھائی حسام الدین نے آپ کے سامنے جو قرارداد پیش کی ہے یہ مجلس احرار کی آئندہ پالیسی کی آئینہ دار ہے۔ہم نے اپنی تیس سال کی کمائی مسلم لیگ اور حکومت حوالے کر دی ہے۔[1]

مسلم لیگ سے دیانت دارانہ اختلاف

اپنے سینہ میں قوم کے درد سے تڑپتا ہوا دل رکھنے والا یہ عظیم رہنما کس طرح اپنی گذشتہ عمر کی محنت شاقہ کو مسلم لیگ کی جھولی میں ڈال دیتا ہے ایک اسی بات سے اس شخص کے اخلاص کا مظاہرہ ہو جاتا ہے اور مخالفین کے ہر نوعی الزامات کا جواب دینے کے لئے حضرت امیر شریعتؒ کا مندرجہ ذیل بیان کافی وشافی ہے:۔

’’تقسیم سے پہلے ایک مسئلہ پر میں نے لیگ سے دیانتدارانہ اختلاف کیا۔صرف ایک سیاسی مسئلہ کا اختلاف تھا،رائے کی ٹکر تھی برادری کے دو بھائیوں کے درمیان ایک سوال پر بحث تھی میں نے تو شاہ جہاں کی مسجد میں لاکھوں مسلمانوں کے سامنے قائد اعظم کے جوتوں پر سفید داڑھی رکھی اور کہا کہ میری یہ ٹوپی لے جا کر ان کے قدموں میں رکھ دو شاید ان تک میری رسائی ہو سکے۔‘‘ مگر آہ

خلوت میں اسے بھار ہے ہیں کیوں کر ملیے
جلوت میں اسے عار ہے کیوں کر ملیے

میرے دل میں چند خدشات تھے جن کے لئے وقت کی سیاسی فضا کوئی اطمینان بہم نہ پہنچا سکی اور قائد اعظم کی بارگاہ تک رسائی نہ ہو سکی! بہر حال قوم نے فیصلہ کر دیا اور جس دیانتداری سے ہم نے اختلاف کیا تھا اسی دیانتداری سے ہم نے برادری کے فیصلے کو تسلیم کر لیا۔

1 حیات امیر شریعتؒ از جانباز مرزا ص 324

نہ کی انہوں نے تو جو کچھ دیکھا جو قوم کے لئے مفید سمجھا اسے ظاہر کر دیا پھر انہوں نے کہا یہ درست ہے کہ ہم نے طریق قیام پاکستان سے اختلاف کیا۔مگر اب یہ بن چکا ہے۔اس پر نثار ہیں،قربان ہیں،فدا ہیں،پاکستان ہماری عصمت ہے پاکستان ہماری عظمت ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کی مثال مسجد کی سی ہے۔ارے کوئی مسلمان مسجد کی بھی بے حرمتی کر سکتا ہے؟

ان تمام شواہد ونظائر کی موجودگی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ:۔شاہ صاحبؒ نے ہر لحظہ، ہر لمحہ، ہر گھڑی، ہر ساعت دفاع پاکستان ہی کی راہ سوچی انہوں نے صرف اسی نہج پر سوچا کہ کس طرح یہ قوم دنیا کی عظیم قوم بن جائے جب دفاع پاکستان کا سوال آیا انہوں نے بھارت کو ایسی سنائیں کہ وہ دم بخود رہ گئے۔پس شاہ صاحبؒ پاکستان پہ نثار تھے وہ اس کے فدا کار تھے نہ کہ وہ غدار تھے۔



پاکستان امیر شریعتؒ کی نگاہ میں

14 راگست 1947ء کو فرنگی استعمار سرزمین ہند سے ہمیشہ کے لئے نیست ونابود ہوگیا اوراس طرح وہ تحریک جو 1857ء میں شروع ہوئی بالآخر اپنے انجام کو پہنچی۔

سیدالاحرار، خطیب الامت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے اس تحریک میں کیا خدمات سرانجام دیں محتاج تعارف نہیں۔ حضرت امیر شریعتؒ اوران کی جماعت احرار نے طریق قیام پاکستان سے اختلاف کیا مگر جب پاکستان معرض وجود میں آ گیا تو اسے ان حضرات نے جنہوں نے کہ آزادی کے حصول کے لئے اپنا خون بہایا تھا اپنا مسکن بنالیا۔ امیر شریعتؒ مارچ 1947ء ہی میں لاہور آ چکے تھے اوراس دوران یعنی 14 راگست 1947ء کو پاکستان اور ہندوستان یعنی دو علیحدہ ریاستیں قائم ہوئیں حضرت نے امرتسر میں اپنی آنکھوں سے فسادات کا حال دیکھا پھر وہ لاہور آئے اور اواخر اگست 1947ء میں لاہور سے خان گڑھ نوابزادہ نصر اللہ خانؒ کے ہاں تشریف لے گئے جو کہ اس وقت مجلس احرار اسلام ہند کے ناظم اعلیٰ تھے آپ نے کچھ عرصہ وہاں قیام کیا۔ اس دوران آپ خاموش رہے اور آپ نے مجلس کے مرکزی صدر ماسٹر تاج الدین انصاریؒ کو ساز پالیسی خط لکھا جس سے آپ کا موقف مکمل طور پر واضح ہو جاتا ہے اوراس میں جو تبدیلی ہوئی وہ بھی واضح ہو جاتی ہے۔ (جو اس کتاب کا حصہ ہے)

حضرت شاہ جیؒ نے اس خط کے ذریعے مکمل طور پر اپنا موقف واضح فرمادیا اور قیام

پاکستان کے بعد آپ جنوری 1949ء تک خاموش رہے سوائے اس خط کے یا اپریل 1948ء میں احرار رضاکاروں کے اجلاس ملتان میں ایک تقریر کے آپ نے تمام سرگرمیاں معطل کردیں۔

مجلس احرار کا سیاست سے علیحدگی کا اعلان

بالآخر احرار رہنماؤں کے پیہم اصرار پر جنوری 1949ء میں لاہور میں دہلی دروازہ کے میدان میں منعقد ہونے والی "دفاع پاکستان احرار کانفرنس" میں آپ نے خطاب فرمایا اس کانفرنس میں شاہ صاحب کے خطاب سے پیشتر شیخ حسام الدینؒ نے مندرجہ ذیل قرار داد پیش کی:۔

"بنابریں دفاع پاکستان احرار کانفرنس کا یہ تاریخی اجلاس اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ ایسے نازک ترین وقت میں اسلامیان پاکستان بہت حد تک اس زہر کا تریاق پیدا کر سکتے ہیں بشرطیکہ ملت کی رہنمائی اور داخلی ترقی کے لئے ان کی داخلی سیاست کو ہر قسم کی گروہ بندیوں سے آزاد کر کے ایک ہی مشترک پلیٹ فارم کو مضبوط سے مضبوط تر کر دیا جائے اس سے جہاں ایک طرف ملت اسلامیہ کے اندرونی و بیرونی دشمنوں کی سازشوں کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے وہاں پاکستانیوں میں صحیح اور سنجیدہ غور پیدا کرنے کی راہیں بھی کھل جائیں گی اور کم سے کم مدت تک قوم میں ضبط ونظم اور خوداعتمادی کی خصوصیات پیدا ہوسکیں گی۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مجلس احرار کے مقاصد میں اسلام کی سربلندی کے ساتھ ساتھ وطن کی آزادی بھی شامل تھی جو قیام پاکستان کے بعد سیاسی طور پر اب پوری ہو چکی ہے۔

لہٰذا! دفاع پاکستان احرار کانفرنس کا یہ اجلاس غیر مبہم الفاظ میں یہ اعلان کر دینا اپنا ملی فرض سمجھتا ہے کہ آئندہ سے مجلس احرار اسلام اپنی سعی وعمل کو مسلمانوں کے دینی عقائد ورسوم کو درست رکھنے اور خصوصاً مسئلہ ختم نبوت کی مرکزی اہمیت کو برقرار رکھنے کے لئے تبلیغی سرگرمیوں تک محدود رکھے گی۔

جو اراکین و ہمدردان احرار زمانہ حال کے موافق سیاسی خدمات انجام دینا چاہیں وہ مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے اپنے روایتی اخلاص اور عملی انہماک سے ملک وملت کی خدمت

اب یہ ملک میرا ہے میں اس کا وفادار شہری ہوں۔ جنہوں نے جانا تھا وہ جا چکے ہیں میں یہاں ہوں اور یہیں رہوں گا۔ یہاں تو میری جنگ کا اختتام ہے اور وہاں جاؤں تو ابھی میری جنگ کا آغاز ہوگا۔''[1]

اسی طرح 1948ء میں ...... پاکستان کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے کہا تھا:۔

''کشمیر پاکستان ...... ! دفاع پاکستان کے لیے فوج میں بھرتی ہو جاؤ ہم اپنی خدمت غیر مشروط طور پر حکومت پاکستان کے سپرد کرتے ہیں۔''[2]

قصہ کوتاہ آپ نے کس قدر دل نشین انداز میں اپنے گزشتہ اور بعد کے موقف کی وضاحت فرمائی:۔

''ہم انگریز کے مقابلہ میں حسینؓ کے متبع تھے اور مسلمان کے مقابلہ میں حسنؓ کے پیروکار تھے۔''[3]

الغرض آپ نے اور آپ کی جماعت نے پورے خلوص کے ساتھ ملک وقوم کی خدمت وتحفظ کا بیڑا اٹھالیا اور اس سلسلہ میں ملک کے قریہ قریہ، گاؤں گاؤں، شہر شہر میں دفاع کانفرنسوں کا جال بچھا دیا جن کے ذریعے سے قوم کو ملک وملت کے تحفظ کے لئے تیار کرنا اور دشمنوں کے آئندہ عزائم سے خبردار کرنے کا کام لیا گیا۔ احرار نے پورے خلوص سے اپنا کل سرمایہ مسلم لیگ کے سپرد کر دیا۔

حضرت امیر شریعتؒ کے اس فیصلہ پر قومی پریس نے جس والہانہ انداز سے خوش آمدید کہا صرف اس بات سے ان کے اخلاص کا پتہ چل جاتا ہے۔ جب ''نوائے وقت'' جیسا اخبار انہیں خوش آمدید کہہ دیتا ہے اور ''انقلاب'' جیسا اخبار ایثار پیشہ، جفاکش، غیور، قومی خادم مان لیتا ہے۔ اس کاروائی کے بعد مجلس احرار کے رہنما اور روزنامہ ''آزاد'' کے ایڈیٹر ماسٹر تاج الدین انصاریؒ احرار کارکنوں کے دائرہ عمل کو ایک اعلان کے ذریعے مندرجہ ذیل الفاظ میں پیش

---

1 روزنامہ آزاد لاہور 14 نومبر 1949ء ☆ 2 روزنامہ آزاد لاہور 28 اکتوبر 1948ء

3 روزنامہ آزاد لاہور [illegible] میں امیر شریعت کی تقریر

کر دیتے ہیں:۔

''لاہور ریزولیشن کی روشنی میں، مجلس احرار کے کارکنوں کا دائرہ عمل محدود ہوگیا ہے۔ اب انہیں بحیثیت احرار صرف تبلیغ کے میدان میں کام کرنے کی گنجائش ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ سیاست میں حصہ نہیں لے سکتے اگر احرار کارکنوں کو سیاست میں حصہ لینا ہے تو انہیں مسلم لیگ کے رکن بننا چاہئے۔ حضرت مولانا محمد علی صاحب، قاضی احسان احمد صاحب شجاع آبادیؒ، صاحبزادہ سید فیض الحسن صاحب، حکیم عبدالسلام سرحدی اور دیگر زعمائے احرار مسلم لیگ باقاعدہ رکن بن چکے ہیں۔ لاہور ریزولیشن کے ذریعہ مجلس احرار نے مسلم لیگ اور احرار کی متوقع کش مکش کا خاتمہ کر دیا ہے اور سیاست کا میدان مسلم لیگ کے لئے کھلا چھوڑ دیا۔ احرار کا کوئی کارکن ایسی جماعت کا رکن نہیں بن سکتا جو مسلم لیگ سے متصادم ہو۔''[1]

دریں اثناء حضرت امیر شریعتؒ ایک تقریر کے ذریعے اپنی پوزیشن اس طرح واضح کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا تھا:۔

''پاکستان ہم نے ہزاروں بہن بیٹیوں کی عصمتیں، لاکھوں کڑیل نوجوانوں کا مچلتا ہوا خون پیش کر کے حاصل کیا ہے۔ ساڑھے تیرہ سو سال کی انسانی تاریخ اٹھا کر دیکھ لو کوئی سودا بھی اتنا مہنگا نہیں چکایا گیا لیکن اب اس کی حفاظت اسی طرح کرنی ہوگی جس طرح بیش بہا قیمتی قربانیاں دے کر حاصل کیا ہے آپ کے مقابلے میں اگرچہ بوڑھا ہو چکا ہوں لیکن باطل کو سرنگوں کرنے کے لئے میری رگوں میں اب بھی جوان خون دوڑ رہا ہے۔''[2]

اس تقریر سے ایک ماہ پیشتر آپ نے فرمایا تھا:۔

''جنگ ہو یا نہ ہو آپ کو بہرحال دفاع پاکستان کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ اللہ نے اپنے

---

1 روزنامہ آزاد لاہور ۲۳ نومبر 1949ء ☆ 2 روزنامہ آزاد لاہور یکم اکتوبر 1951ء صفحہ اول

فضل وکرم سے آپ کو ایک نعمت دی ہے اب اس کی بے قدری نہ کریں۔"[1]

منیر انکوائری رپورٹ ایک شرمناک دستاویز

اس تمام روئیداد سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ احرار نے سیاست و حکومت کا میدان مسلم لیگ کے لئے صاف کر دیا اور خود وطن عزیز پاکستان کی تعمیر میں شب و روز کوشاں ہو گئے۔ ان تمام فیصلوں کے بعد حضرت امیر شریعتؒ اور ان کے رفقاء گرامی کی نیک نیتی بھی روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ ان حضرات نے کس قدر خلوص اور دیانتداری سے پاکستان کو قبول کیا۔ مگر وائے قسمت کہ ہمارا مفاد پرست طبقہ آج بھی حضرت امیر شریعت پر ہندو دوستی اور پاکستان دشمنی کا الزام لگاتے ہوئے نہیں چوکتا۔ یہ ہماری قوم کی بدنصیبی ہے کہ اس میں "منیر رپورٹ" نے جنم لیا جو کہ خود اسلام کے خلاف مسلمان ججوں کے قلم سے ایک ایسی شرمناک دستاویز ہے جسے آج بھی یہودی لابی بین الاقوامی طور پر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف استعمال کر رہی ہے۔ اس منیر رپورٹ کے اندر جو گند بھرا ہوا ہے ذرا اس کا ایک نمونہ ملاحظہ فرمائیے جو حضرت امیر شریعتؒ کے متعلق ہے:۔

1۔ "بخاری نے حسب معمول اپنے متبذل اور پست مزاج سے کام لیتے ہوئے کہا..."
(منیر رپورٹ اردو ترجمہ ص 30)

2۔ "اگر احرار بحیثیت جماعت کچھ مدت تک احمدیوں کو گالیاں دینے سے محترز بھی رہیں تو بخاری ہرگز باز نہ آئے گا کیونکہ اس کا تو اس کے سوا اور کوئی وصف ہی نہیں کہ وہ احمدیوں کو گالیاں دیتا ہے اور ضدی اور ہٹیلا آدمی ہے۔"

(منیر رپورٹ اردو ترجمہ ص 38)

3۔ "لہٰذا جب تک بخاری کو عام جلسوں میں شرکت سے منع نہ کر دیا جائے یا اسے کوئی اور شخص نہ بنا دیا جائے جسے وہ بر سر عام گالیاں دے کر اپنا شوق پورا کر لے۔ وہ ہرگز

1۔ روزنامہ آزاد لاہور، 7 ستمبر 1951ء صفحہ اول

احمدیوں کے خلاف اپنے معمول کو ترک نہ کرے گا بلکہ اس سے بھی بدتر رویہ اختیار کرے گا۔" (منیر رپورٹ اردو ترجمہ ص 38)

یہ درست ہے کہ اندر جس قدر گند بھرا ہو گا اتنی ہی سڑاند اور تعفن باہر آئے گا۔ جسٹس منیر نے اس عظیم محسنِ امت اور "سید الاحرار" کو جس طرح اپنی گھٹیا زبان کا نشانہ بنایا وہ واقعی عدلیہ کی تاریخ میں ناپید ہے۔ بخاری جسے کہ جسٹس منیر نے ضدی اور ہٹیلا آدمی بتایا ہے۔ ان کے متعلق مولانا احمد علی لاہوریؒ نے فرمایا تھا:۔

"وہ ولی کامل ہیں اور اسلام کی شمشیر برہنہ ہیں جب تک وہ زندہ ہیں اسلام کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

لیگ سے اختلاف و اتفاق

شاہ جیؒ نے فرمایا۔ قیام پاکستان کے بعد شاہ جیؒ نے نہ صرف پاکستان کو قبول کیا بلکہ مسلم لیگ کو قوت حاکمہ سمجھتے ہوئے فرمایا۔ تقسیم سے پہلے لیگ کے ساتھ ہمارے بہت سے اختلافات تھے۔ ہم نے قوم کے سامنے اپنا نظریہ پیش کیا، لیگ نے اپنا، قوم نے لیگ سے اتفاق کیا اور لیگ قوت حاکمہ بن گئی۔ مدمقابل پارٹی نہ رہی۔ ہم بہر حال رعایا بن گئے۔ ہم لوگ شروع سے ملکی معاملات کے ساتھ ساتھ کچھ دینی مقاصد بھی رکھتے تھے اور اب تک بفضلہ تعالیٰ رکھتے ہیں۔ موجودہ صورت میں ان دینی مقاصد کو حاصل کرنے کی کوئی اور صورت اگر ہو سکتی ہے تو ارشاد فرمائیں؟ جو کچھ ہونا تھا وہ تو ہو چکا، اور اب کسی صورت میں اس کو بدلنا قومی ہلاکت و تباہی ہے۔ اصلاح احوال سے انکار نہیں وہ بھی ہم کر رہے ہیں مگر مخالف بن کر نہیں۔ موجودہ وقت میں اس فتنہ مرزائیت سے مقابل میں جو کامیابی ہم کو حاصل ہو رہی ہے وہ باہمی تعاون کا ہی نتیجہ ہے۔ بصورت دیگر...... منکر کسے بودن و ہمرنگ مستان زیستن...... مشکل ہے۔ لیگ کی مخالفت فی نفسہٖ کوئی کار خیر نہ تھا نہ ہے۔ کسی مقصد عالی کے لئے مخالفت تو موافقت معنی رکھتی ہے۔ عہد فرنگی میں اختلاف بامعنی تھا۔ اب اتفاق سے ہی اصلاح احوال کی توقع ہو سکتی ہے۔ ورنہ سرخ پوش، انجمن وطن اور دوسری جماعتیں کہاں تک اپنے مقاصد میں کامیاب ہو رہی ہیں۔

مجلس تحفظ ختم نبوت کی بنیاد

تقسیم سے قبل احرار اسلام ہند کے شعبہ کی حیثیت سے حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور ان کے رفقاء قادیانیت کے منہ زور گھوڑے کو کھلی پر باندھنے کی کاوش کرتے رہے مگر وہ انگریز کے کھونٹے پر ناچ رہا تھا ملک عزیز تقسیم ہوا تو جنوری 1949ء میں ملتان کی ختم نبوت کانفرنس میں "مجلس تحفظ ختم نبوت" پاکستان کے نام سے مستقل جماعت کی داغ بیل ڈالی گئی۔[1]

حضرت امیر شریعتؒ نے مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کے نام سے باقاعدہ جماعت قائم فرما کر رفقاء کو فتنہ قادیانیت کے خلاف سیسہ پلائی دیوار بنا دینے کے لیے تمام تر توجہات مرکوز کر دیں۔ مگر مرزائیت ہوا کے گھوڑے پر سوار کی طرح رکنے کا نام نہ لیتی تھی لیکن حکومت نے اسے آب و دانہ اور سر چھپانے کے لئے "ربوہ" جیسا آشیانہ مہیا کر دیا۔ ظفر اللہ خاں کم بخت مرزا قادیانی کی متعفن لاش کو لے کر ملکوں ملکوں پھرا۔ مرزا بشیر پاکستان پر قبضے کے خواب دیکھنے لگا حضرت امیر شریعت نے آل پارٹیز مجلس عمل بنا کر مرزا بشیر کے مقابل پوری امت کو لا کھڑا کیا تحریک ختم نبوت کے بعد از سر نو دوبارہ "مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان" باقاعدہ مستقل جماعت کی حیثیت سے 13 ستمبر 1954ء کو "نفس ثانی" قوم کے سامنے آیا۔

چنانچہ اس سلسلے میں جناب پروفیسر زاہد منیر عامر لکھتے ہیں، ان کے اخلاص کا اندازہ صرف اسی امر سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ قیام پاکستان کے بعد جب انہوں نے اپنی

[illegible]

سیاسی حیثیت ختم کرنے کا اعلان کیا تو اپنا محاذ مذہبی بنا لیا۔[1]

مجلس احرار اسلام اگرچہ برطانوی استعمار کے خلاف نبرد آزما تھی اور اس کے ساتھ ہی انگریزوں کے خود کاشتہ پودے مرزائیت کا احتساب اور تعاقب بھی انہوں نے اپنے ذمہ لیا ہوا تھا چونکہ مجلس احرار ایک پولیٹیکل جماعت تھی اور سیاسیات میں ہر مسلمان کا ان کے خیالات سے اتفاق ضروری نہ تھا۔ اس لئے مجلس احرار اسلام نے ایک خالص دینی تبلیغی اور غیر سیاسی شعبہ بھی قائم کیا جس کا نام شعبہ تبلیغ (تحفظ ختم نبوت) تھا اور اس کا مرکز قادیان میں قائم کیا گیا۔ مولانا عنایت اللہ چشتی ماسٹر تاج الدین انصاریؒ مولانا محمد حیاتؒ فاتح قادیان یکے بعد دیگرے وہاں قیام پذیر رہے اور مبلغوں کی ایک جماعت کو اپنے ساتھ لے کر قادیان اور گردونواح میں خوب کام کیا۔ آخر ان مخلص لوگوں کی محنت رنگ لے آئی وہاں کے کچھ مخلص مسلمانوں نے اپنی کچھ زمینیں شعبہ تبلیغ کے نام وقف کر دیں ایک مسجد میں جمعہ اور نماز پنجگانہ ہوا کرتی تھیں جس میں یہ حضرات باقاعدہ درس اور خطبہ وغیرہ دیا کرتے تھے مولانا محمد حیات اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر بعض دفعہ قادیان کے بازاروں میں مجمع اکٹھا کر لیتے اور مرزائیت کی تردید کھلے بندوں کی جاتی۔ قادیان کی املاک کا اس شعبہ تبلیغ کے زیر اہتمام ایک ٹرسٹ قائم کر دیا گیا جس کے ٹرسٹیوں میں قادیان کے رہنے والے پیر شاہ چراغ بھی شامل تھے مولانا محمد حیاتؒ اور بعض دوسرے اصحاب اس ٹرسٹ کے ممبر تھے قیام پاکستان تک یہ شعبہ تبلیغ کام کرتا رہا۔ قیام پاکستان کے بعد یہ ختم ہو گیا۔

قیام پاکستان کے بعد مجلس احرار اسلام اپنی جگہ قائم تھی اور اس کے سامنے دیانتداری سے پھر وہی مشکل درپیش تھی کہ جو لوگ مجلس احرار اسلام سے اختلاف رکھتے ہیں ان کی ہمدردیاں عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لئے کس طرح حاصل کی جائیں۔ ویسے بھی قیام پاکستان کے بعد احرار کے راہنما اور کارکن ذہنی طور پر دو حصوں میں تقسیم ہو چکے تھے۔ کچھ لوگ بوجوہ اب سیاسی کام نہیں کرنا چاہتے تھے اور کچھ لوگ سیاسیات سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہ تھے۔

---

1 تحریک ختم نبوت جلد اول ص 26

جماعت دو حصوں میں تقسیم

چنانچہ 20 اپریل 1954ء کو حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ کے علاوہ ماسٹر تاج الدین انصاریؒ، شیخ حسام الدینؒ، مولانا محمد علی جالندھریؒ، قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ، مولانا حافظ سید ابوذر (عطاء المنعم شاہ) بخاریؒ، مولانا تاج محمود، مولانا محمد شریف جالندھری، مولانا مجاہد الحسینی ایک اجلاس میں شریک ہوئے شریک اجلاس حضرات کی روایات کے مطابق آخری اجلاس رات کے وقت حضرت شاہ صاحبؒ کے مکان کی چھت پر ہوا جو رات گئے تک جاری رہا۔

اتفاق رائے سے یہ طے پایا کہ شیخ حسام الدینؒ اور ماسٹر تاج الدین انصاریؒ آئندہ احرار کے سربراہ ہوں گے۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ قاضی احسان احمد شجاع آبادی، اور مولانا محمد علی جالندھریؒ مجلس تحفظ ختم نبوت کے سربراہ ہوں گے۔ اسی اجلاس میں دفاتر وغیرہ تقسیم کر لئے گئے اور باہم محبت خیر سگالی قائم رکھنے کا عہد کیا گیا۔

5، 4 ستمبر کو مجلس تحفظ ختم نبوت کا پہلا باقاعدہ اجلاس ٹوبہ ٹیک سنگھ میں ہوا اس اجلاس میں حضرت شاہ صاحبؒ اپنی علالت کے باعث شریک نہ ہو سکے۔ باقی بانی ممبران کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ، مولانا محمد علی جالندھریؒ، مولانا عبدالرحمٰن میانویؒ، مولانا لال حسین اخترؒ، مولانا تاج محمودؒ صاحب، مولانا عبدالرحیم اشعرؒ، سائیں محمد حیات پسروریؒ، مولانا محمد لقمان علی پوریؒ، مولانا قاضی عبداللطیف اختر شجاع آبادیؒ، مولانا مجاہد الحسینی، مولانا محمد شریف بہاولپوریؒ، مولانا محمد شریف جالندھری، مولانا غلام محمد، مولانا محمد صدیق، مولانا شیخ احمد صاحب بورے والا، مولانا خلیل الرحمٰن صاحب، چوہدری بشیر احمد، حافظ احمد دین صاحب۔

اس اجلاس میں مجلس تحفظ ختم نبوت کا دستور مرتب کرنے کے لئے ایک سب کمیٹی بنا دی گئی جو درج ذیل حضرات پر مشتمل تھی۔ مولانا محمد علی جالندھریؒ، مولانا تاج محمود صاحبؒ، مولانا مجاہد الحسینی۔

13 دسمبر 1954ء کو مجلس کا ایک اجلاس مرکزی دفتر ملتان شہر میں منعقد ہوا اور دستوری منظوری دی گئی۔ پہلی مجلس شوریٰ اور عہدیداروں کا اعلان کیا گیا۔

1۔ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ امیر۔

2۔ مولانا لال حسین اخترؒ۔

3۔ مولانا محمد علی جالندھریؒ ناظم اعلیٰ۔

اراکین شوریٰ

مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ، مولانا محمد شریف بہاولپوریؒ، مولانا علاء الدین ڈیرہ اسماعیل خان، مولانا تاج محمود فیصل آباد، مولانا نذیر حسین پنوعاقل سندھ، مولانا محمد رمضان علویؒ راولپنڈی، مولانا محمد یوسف مجاہد الحسینی مظفر گڑھ، مولانا محمد حیات فاتح قادیان، مولانا عبدالرحمٰن میانویؒ، مولانا حبیب اللہ ساہیوال، مولانا حکیم عبدالرحمٰن آزاد گوجرانوالہ، مولانا محمد شریف جالندھریؒ، مولانا عبدالرحیم اشعرؒ وغیرہ۔

5، 4 ستمبر کو ٹوبہ ٹیک سنگھ میں مجلس تحفظ ختم نبوت کا پہلا باضابطہ اجلاس ہوا۔ اس اجلاس کی کاروائی شوریٰ کے رجسٹر سے پیش خدمت ہوگی۔ کاروائی کے آغاز پر حضرت مولانا محمد شریف جالندھری کا یہ نوٹ ہے۔ مارچ 1953ء میں تحفظ ختم نبوت کی بے مثال تحریک شروع ہوئی تو سابقہ ریکارڈ حکومت نے ضبط کرلیا۔ تحریک میں سب حضرات جیل چلے گئے۔ رہائی کے بعد اجلاس ٹوبہ ٹیک سنگھ[1] (ضلع لائل پور) میں 5،4 ستمبر 1954ء کو ہوا۔ دراصل یہ اجلاس مجلس کے رہنماؤں مبلغین اور کارکنان پر مشتمل ہے۔ مرکزی شوریٰ ابھی ڈھانچہ تیار نہیں ہوا۔ (محمد شریف)

حضرت محمد مولانا محمد علی جالندھری نے یہ نوٹ لگایا ہے۔

نوٹ:۔ پہلا تمام ریکارڈ پولیس نے گرفتاریوں ک بعد جلا دیا۔ اور مکان دفتر میں پولیس افسر نے رہائش اختیار کرلی۔

1. ٹوبہ ٹیک سنگھ کسی زمانہ لائل پور (فیصل آباد) کی تحصیل ہوا کرتی تھی۔ اب ضلع ہے۔

ختم نبوت کی تنظیم جدید

ملکی تقسیم کے بعد مبلغین تحفظ ختم نبوت بھی باقی مہاجرین کی طرح جہاں انہیں سر چھپانے کی جگہ مل سکی قیام پذیر ہو گئے۔ اور بسر اوقات کے لئے جو کچھ ان سے بن پڑا ذریعہ معاش اختیار کر لیا۔ ادھر ملکی تقسیم کے بعد قادیانی گروہ حکومت کے اہم اور بنیادی محکموں پر قابض ہو گیا۔ اور اپنے اثر و اقتدار کے بل بوتے پر عالی شان عمارتوں، کوٹھیوں، باغات، زمین اور بڑی بڑی فیکٹریوں پر قبضہ کر لیا۔ اور چنیوٹ (ضلع جھنگ) کے قریب ایک غیر آباد سرکاری زمین کا کافی حصہ کوڑیوں کے مول نوے سالہ لیز پر حاصل کر کے اپنا ایک مستقل اڈہ قائم کر لیا۔ تحفظ ختم نبوت کے اراکین میں سے نہ تو کوئی حکومت کے کسی عہدہ پر متمکن تھا اور نہ ہی ان میں سے کوئی وزارت کی کرسی پر فائز تھا۔ ظاہر ہے کہ ان حالات میں مبلغین تحفظ ختم نبوت اپنے لئے یا جماعت کے لئے کیا کر سکتے تھے؟ اور قادیانیوں کے مقابلہ میں دنیاوی اثر و اقتدار میں ان کا کیا حصہ ہو سکتا تھا؟

قادیانیوں کے اثر و اقتدار نے یہاں کے عام مسلمانوں اور بالخصوص مہاجرین کو معاشی طور پر بری طرح کمزور کیا اور غیر مسلموں کی متروکہ جائیداد پر قبضہ کر کے وہ ہاتھ رنگے کہ "وارے نیارے ہو گئے" اور یہ بات ہم نہیں کہہ رہے۔ بلکہ قادیانیوں کے امیر مرزا بشیر الدین محمود نے اپنے ایک خطبہ میں اس امر کا خود اعتراف کیا کہ "ہمارے آدمی اب اچھی طرح آباد ہو گئے ہیں اور میں ذاتی طور پر جانتا ہوں کہ بعض آدمی ہندوستان میں خوانچہ فروش تھے۔

مگر یہاں پاکستان میں اب وہ بڑے بڑے کارخانوں کے مالک ہیں ہمارے کئی آدمی وہاں نان جویں کو ترستے تھے۔ مگر یہاں اب ان کے قبضے میں دو دو کاریں ہیں اور وہ بنگلوں میں رہتے سہتے ہیں۔"

قادیانی اس طرح لوٹ کھسوٹ میں مشغول تھے۔ اور بے چارے مسلمانوں کو انتہائی بے کسی کے عالم میں سر چھپانے کے لئے جھونپڑی میسر نہ آ رہی تھی۔

مسلمانوں کی معاش و اقتصاد پر قادیانی ڈاکہ

چنانچہ قادیانیوں نے مسلمانوں کی معاشی بدحالی اور اقتصادی کمزوری سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے سرمائے کی امداد اور الاٹمنٹ کا لالچ دے کر مسلمانوں کو اپنے دام تزویر میں پھانسنے کی جدوجہد شروع کر دی۔ اور مرزائی مبلغین نے سادہ لوح مسلمانوں کا ناک میں دم کر دیا۔ پاکستان کے مختلف علاقوں سے جماعت کے شعبہ تبلیغ کے نام بے شمار خطوط آنے لگے اور انہیں دعوت دی جانے لگی کہ جس قدر ممکن ہو سکے یہاں کے مسلمانوں کو قادیانی گروہ کی خلاف اسلام تبلیغی سرگرمیوں سے بچایا جائے۔

ادھر حال یہ تھا ہمارا نظام تبلیغ معطل ہو چکا تھا۔ مبلغین حضرات ملک کے مختلف حصوں میں اپنی آبادکاری کے لئے ضروری انتظامات میں مشغول تھے۔ اور ادھر مسلمانوں کا مطالبہ شدت اختیار کر رہا تھا قادیانی گروہ مسلمانوں کے ایمان پر پوری قوت کے ساتھ ڈاکہ ڈال رہا ہے۔ خدا کے لئے اس سے بچاؤ کی صورت پیدا کیجئے۔

چنانچہ ابتدا میں مولانا محمد حیات فاتح قادیان کو ملتان آنے کی دعوت دی گئی۔ مولانا محمد حیات چونکہ ان دنوں ریاست خیر پور میرس میں اپنے بھائیوں کے ساتھ مستاجری پر زمین لے کر بسر اوقات کر رہے تھے اور یہاں کسی کے پاس یہ نظام قائم کرنے کے لئے کوئی فنڈ موجود نہ تھا اس لئے طے کیا گیا کہ مولانا محمد حیاتؒ جس طرح بھی ہو سکے ملتان تشریف لے آئیں۔ اور خیر پور میں ان کی جگہ کاشتکاری کا کام کرنے کے لئے ایک آدمی ملازم رکھ دیا جائے اس طرح تیس روپیہ ماہوار مولانا محمد علی جالندھریؒ نے اپنے ذمہ لے کر ایک آدمی کا انتظام کر دیا اور مولانا محمد حیات تبلیغی نظام میں کام کرنے کے لئے ملتان پہنچ گئے۔ ان کی آمد پر جماعت کا باقاعدہ دفتر قائم کرنے کے لئے حضرت امیر شریعتؒ نے ایک مکان کرایہ پر لے کر دفتر کا قیام کر دیا۔

ابھی اس سلسلہ میں کوئی خاص انتظام بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ ملک کے گوشے گوشے سے یہ آواز بلند ہونے لگی کہ مرزائیوں کی خلاف اسلام تبلیغ مسلمانوں کو اسلام سے

منحرف کر رہی ہے۔1

ان دنوں مولانا عبدالرحیم اشعرؒ، مولانا محمد علی جالندھریؒ کے مدرسہ جامعہ محمدیہ حسین آگاہی ملتان میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد مدرسہ خیر المدارس سے بھی دورہ حدیث سے فارغ ہو چکے تھے۔ چنانچہ وہ بھی اس جماعت میں شریک ہو گئے اور باقاعدہ طور پر تبلیغی کام شروع کر دیا۔

نومبر 1949ء میں اس تبلیغی مشن سے عوام کو روشناس کرانے کے لئے ملتان میں آل پاکستان ختم نبوت کانفرنس منعقد کی گئی۔ اور مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کے نام پر باقاعدہ جماعت کا قیام عمل میں لایا گیا۔

اور 1953ء میں جن جماعتوں نے آل پارٹیز مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے پلیٹ فارم پر تحریک میں حصہ لیا مجلس ان میں سرفہرست ہے۔ تحریک کے خاتمہ کے بعد جسٹس منیر کی سربراہی میں جو کمیشن مقرر ہوا۔ مجلس اس کمیشن کے سامنے فریق کی حیثیت سے پیش ہوئی بلکہ اس سے بڑھ کر جسٹس منیر نے جن اداروں کو فریق بنایا گیا۔ ان میں چوتھے نمبر پر مجلس عمل (مقرر کردہ مجلس تحفظ ختم نبوت پنجاب) کا تذکرہ ہے۔ (انکوائری رپورٹ ص ۳)

مجلس کا تبلیغی نظام

پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے صرف فریضہ تبلیغ ہی اپنی امت کے لئے چھوڑا ہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن مجید میں اس کام کے لئے تاکید فرمائی ہے۔

وَلْتَكُنْ مِنكُم اُمَّةٌ يَدْعُونَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ○

اور دوسری جگہ امت محمدیہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

كُنْتُم خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ○

یعنی تم میں سے ایک ایسی جماعت کا وجود ضروری ہے کہ جو لوگوں کو نیکی کی دعوت دے۔ لوگوں کو اچھے کاموں کی طرف متوجہ کرائے۔ اور برے کاموں سے روکے۔

علاوہ ازیں خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو بار بار تاکید فرمائی چونکہ نبوت و رسالت کے تمام سلسلے منقطع ہو گئے ہیں اب اشاعت اسلام اور دین کی تبلیغ دین کا کام امت محمدیہ کے ذمہ عائد ہو گیا ہے۔ اس وقت تمام باطل فرقوں کے لوگ اپنے عقائد و نظریات کی اشاعت میں دن رات صرف کر رہے ہیں اور مسلمان اپنے دین کی تبلیغ و اشاعت سے بالکل غافل ہیں۔ دوسرں کا حال یہ ہے کہ مثلاً پاکستان کے سابق وزیر خارجہ چوہدری ظفر اللہ خاں کو کراچی میں تقریر کرنے سے سابق وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین نے جب منع کیا تو ظفر اللہ خاں نے جواب دیا کہ میں اپنے عہدہ سے مستعفی تو ہو سکتا ہوں لیکن اپنی جماعت کے اجتماع میں تقریر کرنے سے ہرگز نہیں رک سکتا۔ اور ادھر مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ ہمارا ذمہ داران حکومت اور صاحب اقتدار لوگ اسلام کی تبلیغ کرنے سے ہچکچاہٹ محسوس کرتے ہیں۔ ہمارے ملک کے اکثر مقامات ایسے بھی ہیں جہاں کے مسلمان نماز روزہ سے بھی ناواقف ہیں اور برادریوں کی رسومات قبیحہ میں الجھ کے رہ گئے ہیں اور کئی علاقے ایسے بھی ہیں جہاں کے لوگ دین کی بات تک سننا پسند نہیں کرتے۔ اور کئی ایسے بھی ہیں جو اپنے اندر یہ استطاعت نہیں رکھتے کہ کسی مبلغ کو بلا کر اس کے اخراجات کا بوجھ برداشت کر سکیں۔ اس طرح وہاں تبلیغ کے تمام راستے بالکل مسدود ہیں۔ تبلیغ اسلام کے لئے ایک ایسی جماعت کی سخت ضرورت تھی کہ جو اپنے اخراجات پر علماء کرام اور مبلغین بھیج کر اشاعت اسلام کی خدمت انجام دے۔ تاکہ وہ ملک کے ایسے تمام علاقوں میں خود پہنچیں اور وہاں ان کی خدمت کے لئے رقم خرچ کرنے کا سوال ہی پیدا نہ ہو۔ چنانچہ امیر شریعتؒ کی سرپرستی میں مجلس تحفظ ختم نبوت نے ایک تبلیغی نظام قائم کر کے اس کمی کو باحسن طریق پورا کر دیا۔ اور اپنے خرچ پر مبلغین کی ایک بڑی جماعت پاکستان کے مختلف علاقوں میں مقرر کر دی۔ مبلغین اپنے جماعتی اخراجات پر ہر جگہ جا کر تبلیغ اسلام کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

تبلیغ کا نتیجہ

1954ء میں مجلس ختم نبوت کی تنظیم جدید کی گئی تھی۔ 1953ء کی تحریک تحفظ ختم نبوت میں اگر حکومت اس کے دفاتر کو بند اور اس کے سامان کو اپنے قبضہ میں نہ لیتی تو یہ جماعت بڑی مضبوط ہو جاتی ان دنوں ملک میں جماعت کے لئے ایسے حالات پیدا ہو گئے تھے کہ جماعت اپنے خرچہ پر اپنا کوئی مبلغ بنگال یا باہر کسی دوسرے ملک میں بھیج دیتی مگر تحریک کے دوران میں اس جماعت کے روپے سامان اور دیگر ضروری کاغذات حکومت نے اپنے قبضہ میں لے لئے اس طرح جماعت کی ترقی کو زبردست نقصان پہنچا۔

حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ و دیگر علماء کی سرپرستی

ملتان کے مدرسہ خیر المدارس کے سالانہ جلسہ کے موقع پر پاکستان کے چیدہ چیدہ اور ممتاز علماء کرام مشائخ عظام ہمیشہ تشریف لاتے رہے۔ تحریک تحفظ ختم نبوت سے قبل حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ مفتی محمد شفیعؒ دیوبندی اور مولانا شبیر علی تھانوی بھی تشریف لائے۔ ضرورت تبلیغ کے موضوع پر ان سب حضرات سے تبادلہ خیالات کیا گیا۔ حضرت امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ بخاریؒ بھی اس گفتگو میں شریک تھے۔ ان حضرات کے سامنے مجلس تحفظ ختم نبوت کی تبلیغی خدمات کی مختصر روئیداد پیش کی گئی۔ چنانچہ ان حضرات نے جماعتی امداد کے لئے اپنے تعاون کا یقین دلایا اور تبرکاً ایک ایک روپیہ عنایت فرما کر مجلس کی رکنیت قبول کرنے کا شرف بخشا۔

جیل سے رہائی کے بعد

مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کے مرکزی دفتر واقع ملتان کا تمام سامان پولیس نے اپنے قبضہ میں لے کر دفتر پر قبضہ کر لیا۔ حالانکہ مجلس نے کئی ماہ تک کے لئے مالک مکان کو پیشگی کرایہ ادا کر دیا تھا۔ دفتر میں پولیس کا ایک ذمہ دار افسر رہائش پذیر ہو گیا۔ اور اس طرح یہ دفتر مجلس تحفظ ختم نبوت کو آج تک نہیں مل سکا ان حالات کے پیش نظر مجبوراً مجلس تحفظ ختم نبوت

پاکستان کو اپنا دوسرا دفتر کرایہ پر لینا پڑا۔ مجلس کے دفتر کے قیام کے بعد باقاعدہ طور پر جماعتی کام شروع کر دیا گیا۔

مجلس تحفظ ختم نبوت کا نصب العین

مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان نے اپنا دستور شائع کر کے اپنے اغراض و مقاصد اور طریق کار کا واضح اعلان کر دیا۔ مگر اجمالی طور پر مجلس کا نصب العین اور طریق کار حسب ذیل ہے۔

1۔ مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کا دائرہ عمل صرف تبلیغ دین اور اشاعت اسلام تک محدود ہو گا۔ اس مجلس کے اراکین و مبلغین ملک کی مروجہ سیاسیات یعنی الیکشنی سرگرمیوں اور جنگ اقتدار میں من حیث الجماعت قطعاً کوئی حصہ نہیں لیں گے۔

2۔ وہ ملکی مفاد کے خلاف کسی قسم کے تشدد یا بغاوت میں قطعاً شریک نہ ہوں گے۔

3۔ مجلس کی بنیادی پالیسی (نصب العین اور اغراض و مقاصد) میں اراکین کی اکثریت بھی کسی وقت کسی قسم کی تبدیلی نہ کر سکے گی۔

4۔ مجلس کا مالی سال محرم سے شروع ہو گا اور ذی الحجہ پر ختم ہو گا۔ مجلس کے آمد صرف کا حساب و کتاب باقاعدہ آڈٹ کرانے کے بعد شائع ہوا کرے گا۔

5۔ جو لوگ مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کے اغراض و مقاصد اور نصب العین سے متفق ہوں۔ لیکن وہ کسی وجہ سے مجلس کی شرائط رکنیت پوری نہ کر سکتے ہوں تو وہ مجلس کے معاون کہلائیں گے۔

مجلس تحفظ ختم نبوت کا نصب العین اور اس کے اغراض و مقاصد حسب ذیل ہیں۔

1۔ تبلیغ و اشاعت اسلام

2۔ اصلاح عقائد و اعمال۔ تربیت اخلاق

اور بالخصوص تحفظ عقیدہ ختم نبوت جس کے لئے مندرجہ ذیل ذرائع اختیار کئے جائیں گے۔

(1) مبلغین و داعیان اسلام کا تقرر (2) شعبہ نشر و اشاعت کا قیام

(3) دینی مدارس کا قیام اور ان کی تنظیم (4) تعلیم بالغان

(5) تعلیم نسواں

انتخاب

مجلس کا دستور منظور ہونے اور موجودہ اراکین نے فارم رکنیت پر کر کے باقاعدہ ممبر بننے کے بعد فیصلہ کیا کہ مجلس کا عارضی انتخاب عمل میں لایا جائے۔ چنانچہ حضرت امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کے صدر مرکزی منتخب کیے۔ آپ نے دستوری قواعد و ضوابط کے تحت مرکزی مجلس شوریٰ کے لئے مندرجہ ذیل حضرات اراکین شوریٰ نامزد کیے۔

(1) مولانا محمد علی جالندھریؒ (2) مولانا عبدالرحمٰن میانویؒ

(3) مولانا لال حسین اخترؒ (4) مولانا تاج محمودؒ لائل پور

(5) مولانا محمد یوسف مجاہد مظفر گڑھ (6) مولانا محمد رمضانؒ میانوالی

(7) مولانا نذیر حسین پنوں عاقل (سندھ) (8) مولانا علاؤالدین ڈیرہ اسماعیل خان

(9) حافظ محمد شریف ملتان (10) ماسٹر اختر حسین ملتان

شاہ جیؒ تا زیست مجلس کے امیر رہے آپ کی وفات کے بعد خطیب پاکستان مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ، مولانا محمد علی جالندھریؒ، مولانا لال حسین اخترؒ (چھ ماہ کے لئے) فاتح قادیان مولانا محمد حیاتؒ، شیخ الاسلام مولانا محمد یوسف بنوریؒ یکے بعد دیگرے مجلس کے مرکزی امیر رہے۔ اس وقت ان حضرات کی نہایت اور مجلس کی قیادت شیخ المشائخ حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ کندیاں شریف فرما رہے ہیں۔



1 مقدمہ روداد 1373ء

1952ء قادیانی دھمکیوں کا سال

1952ء قادیانیوں کی دھمکیوں اور اشتعال انگیزیوں کا سال تھا۔ 27،26،25، دسمبر 1952ء چنیوٹ میں سالانہ ختم نبوت کانفرنس منعقد ہوئی۔ کانفرنس میں تقریباً تمام مقتدر احرار رہنما موجود تھے۔

یہ اجلاس 1952ء کے اختتام پر منعقد ہو رہا تھا۔ اس میں قادیانیوں کی سال بھر کی ریشہ دوانیوں مثلاً واہ فیکٹری سے اسلحہ چرانا، بارود کی بہت بڑی مقدار ربوہ میں لانا۔ جی ایچ کیو چنڈی میں خفیہ سازشوں کا سلسلہ، مرزائی افسروں کا تبلیغی نیٹ ورک اور مرزائیوں کی حمایت میں جارحانہ اندازِ کار۔ ریلوے کا سامان لوٹ کھسوٹ کے ساتھ ریل ہی کے ذریعے ربوہ پہنچانا وغیرہ تمام امور پر غور و خوض ہوا لیکن خاص توجہ دستور کے مسئلہ پر اور بی پی سی رپورٹ سے پیدا ہونے والی صورت حال پر دی گئی۔

اجلاس میں شیخ حسام الدین مرحوم نے بی پی سی رپورٹ سے ممبران عاملہ کو آگاہ کیا کہ ملک کے لئے دستور بنانے کے سلسلے میں بنیادی اصولوں کو طے کرنیوالی کمیٹی نے ملک کے لئے جداگانہ طریقہ انتخاب تجویز کیا ہے۔ جداگانہ انتخابات کی صورت میں اقلیتوں کے حقوق متعین ہوتے ہیں۔ اس لئے انہوں نے اس میں اقلیتوں اور ان کی نمائندگی وغیرہ کا ایک شیڈول بھی شامل کیا ہے۔ اس شیڈول میں ہندوؤں، عیسائیوں، پارسیوں وغیرہ کو اقلیت تسلیم کیا گیا ہے۔

لیکن مرزائیوں کو اس شیڈول میں درج نہیں کیا گیا۔ جس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ بی بی سی نے مرزائیوں کو مسلمان تسلیم کرتے ہوئے انہیں سوادِ اعظم کا حصہ قرار دے دیا ہے۔ احرار نے اس سلسلہ میں اچھی طرح غور کیا۔ وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ قادیانیوں کو مسلمانوں میں شامل کرنے سے مذہب کے علاوہ ملک کی سیاست پر بھی مہلک اور گہرے اثرات مرتب ہوں گے۔ جب بھی انتخابات ہوں گے تو ملکی دستور کے تحت قادیانیوں کو بھی حق حاصل ہوگا کہ وہ مسلمانوں کی نشستوں سے کھڑے ہوں۔

علمائے اسلام اور دیندار مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اس غلط سوچ کی مخالفت کریں کیونکہ اگر اس کا تدارک نہ ہوا تو یہ چیز ہمیشہ گڑبڑ اور امن وامان کا مسئلہ پیدا کرتی رہے گی۔ جب کہ دینی اعتبار سے قادیانی مسلمانوں کی نشست سے کھڑا ہونے کے مجاز نہیں۔ [1]

چنیوٹ میں منعقد ہونے والے اجلاس اور اس میں زیرِ بحث آنے والے مسائل کا تمام شرکاء اجلاس پر گہرا اثر ہوا۔ کانفرنس میں شاہ جیؒ کی تقریر نے معاملہ کی اہمیت کو دوچند کر دیا۔

امیر شریعت کا سال

1953ء کی تحریک ختم نبوت کے پس منظر کے حوالے سے والد صاحب رقمطراز ہیں۔

"ساری صورت حال پر غور کرنے کے بعد اجلاس اس نتیجہ پر پہنچا کہ اب وعظ و نصیحت کو چھوڑ دیا جائے۔ اس لئے کہ اتمام حجت ہو چکا ہے۔ اب مزید وقت ضائع کئے بغیر اسلامیان پاکستان کو اپنا صحیح فرض ادا کرنا چاہئے۔ یہ فیصلہ شرکائے اجلاس تک محدود رہا۔ اس کی تفصیلات سے کسی کو آگاہ نہیں کیا گیا۔ البتہ مقررین کا انداز بیان بدل گیا۔ اسی چنیوٹ کانفرنس کے آخری اجلاس میں شاہ جیؒ کی معرکہ آرا تقریر ہوئی۔"

دسمبر کی آخری تاریخیں تھیں۔ دو تین روز بعد نیا سال شروع ہونے والا تھا۔

[1] ہفت روزہ لولاک جلد نمبر 9 شمارہ نمبر 10،40 / 1 مئی 1972ء

شاہ جیؒ نے مرزا محمود کی اس دھمکی کا جس میں اس نے کہا تھا کہ 1952ء گزرنے سے پہلے ایسے حالات پیدا کر دیئے جائیں کہ دشمن ہمارے قدموں میں گرنے پر مجبور ہو جائے کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ مرزا محمود 1952ء تیرا تھا جو گزر گیا۔ اب 1953ء میرا سال ہے۔

سامعین میں اس تقریر سے انتہائی جوش و خروش پیدا ہو گیا اور وہ اجمالاً سمجھ گئے کہ اب جماعت کوئی اقدام کرنے والی ہے۔ بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ واقعی 1953ء کا سال شاہ جیؒ کا تھا۔" [1]



تحریک ختم نبوت 1953ء میں قائدانہ کردار

تحریک کا اجمالی جائزہ

پاکستان کا وجود عطیہ الٰہی اور اس کا قیام عالم اسلام کے لئے باعث تقویت تھا۔ جغرافیائی محل وقوع، قدرتی آب و ہوا، علاقائی اہمیت، اپنی مذہبی، سیاسی، دینی اور ثقافتی اقدار کے لحاظ سے پاکستان غیر معمولی اہمیت کا حامل رہا ہے۔ اس کے معرض وجود میں آنے کے ساتھ ہی وطن عزیز سازشوں ریشہ دوانیوں کی آماجگاہ بن گیا۔ پہلی کابینہ میں پاکستان کا نظریاتی دشمن چوہدری ظفر اللہ خان بطور وزیر خارجہ شامل تھا۔ بانی پاکستان محمد علی جناح جلد ہی داغ مفارقت دے گئے۔ اپنی زندگی میں وہ کھوٹے سکوں کا اعتراف بھی کر گئے۔ وزیر اعظم لیاقت علی خان، ظفر اللہ خان کی وطن دشمن سرگرمیوں اور سامراجی آقاؤں سے وفاداری کی بشرط استواری کی قادیانی پالیسی سے باخبر ہو چکے تھے۔ انہوں نے سامراجی مہرے کو نکالنے کا تہیہ کر لیا تھا لیکن ظفر اللہ خان کا کھونٹا اتنا مضبوط تھا کہ لیاقت علی خان انہیں نکالنے سے پہلے ہی ٹھکانے لگا دیئے گئے۔ ان کے بعد خواجہ ناظم الدین حکومت کے متولی بنے۔ وہ بلاشبہ شریف النفس، نیک، معتدل مزاج تھے لیکن اختیارات کے لحاظ سے بے دست و پا وزیر اعظم تھے۔ نام کے ناظم۔ حکومت کے عملی ناظم نہ بن سکے۔ لیاقت علی خان کو راہ سے ہٹانے کے بعد ظفر اللہ خان کی سرکردگی میں پاکستان کو قادیانی سٹیٹ بنانے کی سازشوں کو عملی شکل دینے کا کام شروع ہو گیا۔ سامراجی آقاؤں کی سرپرستی اور آشیر باد کی بدولت قادیانی جماعت اپنے آپ کو اقتدار کا وارث سمجھنے لگی تھی۔ اس

لئے کہ اب ان کی راہیں ہموار تھیں۔ مزاحمت و رکاوٹ کا کوئی سا امکان انہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ قیام پاکستان کے بعد احرار کے سرخیل سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے ملتان آ بسیرا کیا۔ برصغیر کی تقسیم، غریب الوطنی، مہاجرت، جماعتی تعطل سیاسی کنارہ کشی، بیماری اور بڑھاپے کے باعث شاہ جیؒ جیسی باغ و بہار شخصیت ایک بے کیف زندگی گزار رہی تھی۔ غالباً دسمبر 1948ء میں فوج اور وزارت خارجہ کے اعلیٰ افسران حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے قادیانیوں کے حکومتی اثر و رسوخ اور وطن دشمن سرگرمیوں سے آپ کو آگاہ کیا۔ دردمند افسروں نے عرض کیا کہ ماضی کی روایات کے تحت ہماری نظر انتخاب میں آپ سے زیادہ موزوں اور کوئی شخصیت نہیں۔ انہوں نے شاہ جیؒ سے التجا کی کہ کچھ کریں ورنہ یہ ملک قادیانی ریاست بن جائے گا۔ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے عمر رفتہ کو یاد کر کے ایک آہ بھری اور تفکرات کی دنیا میں ڈوب گئے۔

اس ملاقات کی روئیداد آغا شورش کاشمیریؒ لکھتے ہیں۔

"لیفٹیننٹ کرنل نے اپنے ایک سی ایس پی دوست کے ہمراہ شاہ جی سے ملاقات کی اور بیان کیا کہ ہم پاکستان سے پہلے قادیانیت سے متعلق علماء کے تعاقب کو فی الواقعہ ایک فضول مذہبی جھگڑا سمجھتے تھے۔ آپ لوگ جب قادیانیت کے متعلق لمبے لمبے وعظ کرتے تو خیال آتا کہ یہ جھمیلے ملائیت کی خصوصیت ہیں یا احرار کی افتاد طبیعت کہ وہ ذہنی طور پر مشغول رہنا چاہتے ہیں۔ لیکن پاکستان بن جانے کے بعد جو حقائق ہمارے مشاہدے میں آئے ہیں اور جن تجربوں سے ہم گذر رہے ہیں وہ اتنے سنگین ہیں کہ پاکستان کی درجہ اوّل کی لیڈر شپ کے بعد:"

(1) اپنی موجودہ اہمیت کھو بیٹھے گا اور اس کا کوئی دوسرا نقشہ ہو گا۔

(2) یا ہندوستان کی طرف کسی نہ کسی شکل میں پلٹ جائے گا۔

(3) یا اس کی حیثیت ایک مرزائی ریاست کی ہو گی۔

ان تینوں میں جو شکل جس طرح قائم ہو گی اس کے پس منظر میں مرزائی ہوں

گے۔"1

تحریک 1953ء سے پاکستان ایک خطرے سے بچ گیا

قیام پاکستان کے بعد احراری جماعتی حیثیت کا روائتی طنطنہ اور بانکپن برقرار نہ رکھ سکے۔ اس کی ایک وجہ تو قیام پاکستان کی مخالفت تھی دوسرا سیاست کو عبادت سمجھنے والے اب نئے سیاسی ماحول کے متحمل نہ ہو سکتے تھے۔ ادھر امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے ذہن میں قادیانی اثر و رسوخ سے متعلق فکرمندی ان کے دل کا روگ بنتی جارہی تھی۔ شاہ جیؒ نے عمر بھر کچی گولیاں نہیں کھیلی تھیں۔ انہیں اس بات کا شدت سے احساس تھا کہ اگر احرار نے اپنا سیاسی وجود برقرار رکھا تو قادیانیوں کے خلاف کامیاب تحریک نہ چلا سکیں گے۔ چنانچہ احرار نے ووٹ اور نوٹ کی سیاست سے دست کش ہو کر استحکام پاکستان اور صرف تبلیغی سرگرمیوں کو اپنا نصیب العین بنایا۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے مسلم لیگ کا حریف بننے کی بجائے حلیف بننے کو ترجیح دی۔ رقابت محبت میں ہو یا سیاست میں دوسرے کو برداشت کرنا ممکن نہیں۔ احرار مسلم لیگ کی نظر میں رقیب تھے اور معتوب بھی۔ سیاسی تشخص کی قربانی کے باوجود مسلم لیگ احرار سے خائف رہی اور حاسد بھی لیاقت علی خاں کی شہادت کے سانحہ کے بعد قادیانی جماعت منہ زور گھوڑے کی مانند ہو چکی تھی۔ تحریکیں بنانے اٹھانے اور پروان چڑھانے والے احراری پھول کے پتوں کی طرح بکھرے پڑے تھے۔ ایسے مایوس کن حالات میں احرار کی منتشر قوت کو مجتمع کر کے مرزائیت کے خلاف صف آرا کرنا اور تمام مکاتب و مسالک کو یکجا کرنا حضرت شاہ صاحبؒ اور ان کے رفقاء کا عظیم کارنامہ تھا۔ شاہ جیؒ اگرچہ اب عمر کے اس حصے میں تھے کہ ان کے اعصاب اور جسم دونوں تھک چکے تھے۔ احراریوں کی اٹھائی ہوئی تحریک ختم نبوت کے نتیجہ میں پاک وطن پر اقتدار کا غلبہ حاصل کرنے والی برطانوی سامراج کی ایجنٹ اقلیت کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔ 1953ء کی تحریک نتائج کے لحاظ سے اگرچہ کامیاب نہ ہو سکی لیکن مقاصد کے اعتبار سے اس تحریک کے دوررس اثرات مرتب

1 تحریک ختم نبوت ص 87 شورش کاشمیری

ہوئے۔ اس تحریک کے نتیجہ میں پاکستان ایک بہت بڑے خطرے سے محفوظ ہو گیا۔

ٹھوکر سے میرا پاؤں تو زخمی ہوا ضرور
رستے میں جو کھڑا تھا وہ کوہسار ہٹ گیا

تحریک کا پس منظر

قادیانی جماعت مدت سے دیکھے جانے والے اقتدار کے خواب کی عملی تعبیر کے لئے بے تاب تھی۔ قادیانی ذریت کے ذہن میں یہ بات راسخ ہو چکی تھی کہ حکومت ان کی جھولی میں اور اقتدار ان کے قدموں میں گرنے والا ہے۔ قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا بشیر الدین نے اپنے سالانہ جلسہ دسمبر 1951ء میں دھمکی دیتے ہوئے کہا۔

☆ "وقت آنے والا ہے جب یہ لوگ (مخالفین و منکرین) مجرموں کی حیثیت سے ہمارے سامنے پیش ہوں گے۔"

☆ "1952ء گزرنے نہ پائے کہ دشمن پر احمدیت کا رعب غالب آجائے اور وہ مجبور ہو کر احمدیت کی آغوش میں آگریں۔" (روزنامہ الفضل ۱۱ جولائی ۱۹۵۱ء)

☆ "ہاں آخری وقت آن پہنچا ہے ان علمائے حق کے خون کا بدلہ لینے کا جن کو یہ علمائے سو قتل کراتے آئے ہیں اب ان کے خون کا بدلہ لیا جائے گا۔

(1) سید عطاء اللہ شاہ بخاری، (2) ملا محمد شفیع، (3) ملا عبدالحامد بدایونی، (4) ملا مودودی، (5) احتشام الحق تھانوی (الفضل ۱۵ جنوری ۱۹۵۲ء)

ظفر اللہ خان کی شرانگیزی

دینی حلقوں کی طرف سے قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا بشیر الدین کے دھمکی آمیز بیانات اور چوہدری ظفر اللہ خان کی جارحانہ سرگرمیوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند ہوئی۔ خواجہ ناظم الدین مسلسل ملک غلام محمد، فیروز خان نون اور سکندر مرزا کے ہاتھوں میں کھلونا بنے ہوئے تھے۔ موصوف لیاقت علی خان کے انجام سے باخبر بھی تھے۔ امریکی خوشنودی کے

پیش نظر ان میں اتنا حوصلہ نہ تھا کہ وہ قادیانی جماعت کے رہنماؤں کو کچھ کہہ سکتے۔ وزیر اعظم کی حیثیت سے انہوں نے مسلمانوں کو مطمئن کرنے کے لئے کوئی سا اقدام نہ کیا۔ 17 مئی 1952ء کو چوہدری ظفر اللہ خان نے جہانگیر پارک کراچی میں جلسہ عام کرنے کا اعلان کر دیا۔ اس سے مسلمانوں میں اضطراب کا پھیلنا ایک فطری امر تھا۔ خواجہ ناظم الدین نے انٹیلی جنس بیورو کی رپورٹ پر ظفر اللہ خان کو جلسہ گاہ میں نہ جانے کا مشورہ دیا لیکن چوہدری صاحب کے بڑا گھوڑے پر سوار تھے۔ وہ اپنے وزیر اعظم کو خاطر میں نہ لائے اور یہ دھمکی دی کہ اگر وزیر اعظم مصر ہوں تو وہ اپنے عہدے سے مستعفی ہونے کے لئے تیار ہیں۔ قبل ازیں خواجہ ناظم الدین کو امریکی وزیر خارجہ تاثر دے چکے تھے۔ کہ اگر چوہدری ظفر اللہ خان کو راضی نہ رکھا گیا تو امریکہ پاکستان کو گندم مہیا کرنے سے معذور ہوگا۔ اس بات کا انکشاف خواجہ صاحب نے تحقیقاتی کمیٹی کے روبرو کیا تھا۔ یاد رہے کہ اس زمانہ میں پاکستان اپنی غذائی جنس (گندم) کے حصول میں امریکہ کا محتاج تھا۔ چوہدری ظفر اللہ پولیس اور قادیانی فورس کے پہرہ میں جہانگیر پارک کی جلسہ گاہ میں پہنچے۔ ان کی آمد پر ہنگامہ ہوا۔ مسلمانوں نے احتجاج کیا چوہدری ظفر اللہ نے تقریر میں کہا:

"احمدیت ایک ایسا پودا ہے جو اللہ تعالیٰ نے خود لگایا ہے اب یہ جڑ پکڑ چکا ہے۔ اگر یہ پودا اکھاڑ پھینکا گیا تو اسلام ایک زندہ مذہب کی حیثیت سے باقی نہ رہے گا۔ بلکہ ایک سوکھے درخت کی مانند ہو جائے گا۔ دوسرے مذاہب پر اپنی برتری کا ثبوت مہیا نہ کر سکے گا۔"[1]

اس تقریر پر رد عمل ہوا اور کراچی میں فساد ہو گیا۔ ملک بھر میں جلسے جلوسوں اور کانفرنسوں کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ سر ظفر اللہ خان کو وزارت سے الگ کرنے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کے مطالبات زور پکڑ گئے۔ مناظر اسلام مولانا لال حسین اختر نے سر ظفر اللہ خان کی تقریر سے پیدا ہونے والی صورت حال پر غور کرنے اور آئندہ کا لائحہ عمل طے کرنے کے لئے تمام مکاتب فکر کے علماء کا اجلاس بلایا۔ یہ اجلاس 3 جون 1952ء کو سوفیکل ہال کراچی میں زیر صدارت مولانا سید سلیمان ندوی منعقد ہوا۔ اجلاس کا دعوت نامہ جاری کرنے

1۔ منیر انکوائری رپورٹ ص 77 اردو

والوں میں مولانا لال حسین اختر (مجلس احرار) مولانا احتشام الحق تھانوی (دیوبندی) مولانا حامد بدایونی (بریلوی) مولانا محمد یوسف (اہلحدیث) مفتی جعفر حسین مجتہد (شیعہ) شامل تھے۔ شرکائے اجلاس نے درج ذیل مطالبات متفقہ طور پر مرتب کئے۔

(1) قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔

(2) سر ظفر اللہ خان کو وزارت خارجہ سے الگ کیا جائے۔

(3) تمام کلیدی آسامیوں سے قادیانی افسروں کو علیحدہ کیا جائے۔

31 جولائی 1952ء کو الحاج محمد ہاشم کے مکان پر بورڈ کا اجلاس ہوا۔ بورڈ نے تمام مکاتب فکر کی دینی و سیاسی جماعتوں کو کنونشن میں شرکت کی دعوت دینے کا فیصلہ کیا۔ آل پاکستان مسلم پارٹیز کنونشن کے لئے 16، 17، 18 جنوری 1953ء کی تاریخیں مقرر کی گئیں۔ 13 جولائی کو ہی برکت علی محمڈن ہال لاہور میں پنجاب کی تمام دینی و سیاسی جماعتوں کا عظیم اجتماع منعقد ہوا۔ جس میں 3 جون کے مرتب کردہ مطالبات کی حمایت کر دی گئی اور آل پارٹیز مسلم کنونشن بلانے پر زور دیا گیا۔ 13 جولائی کے بعد حکومت نے کنونشن کے منتظمین شیخ حسام الدین، ماسٹر تاج الدین انصاری اور سید عنایت شاہ بخاری کو گرفتار کر لیا۔

ملتان میں چھ آدمیوں کی شہادت نے جلتی پر تیل کا کام کیا

گرفتاری کے خلاف اہل ملتان نے 18 جولائی کو احتجاجی جلوس نکالا تو پولیس نے فائرنگ کر کے چھ افراد شہید اور دس کو زخمی کر دیا۔ وسط جولائی میں مولانا اختر علی خان ایڈیٹر "زمیندار" نے خواجہ ناظم الدین اور دوسرے وزراء سے ملاقاتیں کیں اور انہیں اہل اسلام کے مطالبات اور عوامی جذبات سے آگاہ کیا۔ خواجہ ناظم الدین نے مولانا کو یقین دہانی کرائی کہ وہ 14 اگست 1952ء کو خصوصی خطاب میں مطالبات تسلیم کرنے کا اعلان کر دیں گے۔ 13 اگست 1952ء کو ایک وفد نے خواجہ صاحب سے ملاقات کر کے مطالبات تحریری طور پر پیش کئے۔ اسی اثناء میں سر ظفر اللہ خان چناب نگر (ربوہ) آئے اور قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا بشیر الدین محمود سے مل کر تازہ صورت حال پر غور کیا۔ قادیانیوں نے اپنے آقاؤں سے مداخلت کی درخواست

کی۔ چنانچہ خواجہ صاحب نے امریکہ کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے۔ 4 اگست کو اپنی تقریر میں مطالبات کا ذکر تک نہ کیا۔ اس وعدہ خلافی پر اسی شب آرام باغ کراچی میں مولانا احتشام الحق تھانوی (کنوینر علماء بورڈ برائے کنونشن) کی صدارت میں احتجاجی جلسہ ہوا۔ مطالبات سے رو گردانی کے خلاف شدید احتجاج کیا گیا۔ اسی طرح کا احتجاجی جلسہ 23 اگست موچی دروازہ لاہور میں بھی منعقد ہوا۔ مطالبات کے حق میں سارے ملک میں جلسوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ یہاں تک کہ 27، 26، 25، دسمبر 1952ء چنیوٹ میں سالانہ ختم نبوت کانفرنس منعقد ہوئی جس میں تمام مکاتب فکر کے رہنماؤں نے شرکت کی۔ اس موقع پر مجلس احرار اسلام کی ایگزیکٹو کمیٹی کا اجلاس بند کمرے میں منعقد ہوا۔ اجلاس میں مطالبات کے علاوہ بی پی سی رپورٹ پر غور کیا گیا اور قادیانی فتنہ کے سدباب کے لئے ایک عوامی تحریک کی ضرورت کو شدت سے محسوس کیا گیا۔ 18، 17، 16 جنوری 1953ء کو کراچی میں کل پاکستان مسلم پارٹیز کنونشن منعقد ہوا۔ اس کنونشن میں ملک بھر کے جید علمائے کرام نے شرکت کی۔ کنونشن میں درج ذیل فیصلے کیے گئے۔

کراچی کنونشن کے فیصلے

(1) خواجہ ناظم الدین سے ملاقات کرنے کے لئے درج ذیل حضرات پر مشتمل وفد تشکیل دیا گیا۔ جو وزیر اعظم سے ملاقات کر کے مطالبات پیش کرے۔

☆ مولانا عبدالحامد بدایونی (قائد)

☆ پیر صاحب سرسینہ شریف (مشرقی پاکستان)

☆ ماسٹر تاج الدین انصاری

☆ سید مظفر علی شمسی

(2) وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین کے رویے کو منفی قرار دے کر "راست اقدام" کا فیصلہ کیا گیا۔

(3) قادیانیوں کا سوشل بائیکاٹ کرنے کی تجویز پاس ہوئی۔

(4) اگر خواجہ ناظم الدین قادیانی وزیر خارجہ کو برطرف نہیں کرتے تو خود مستعفی ہو جائیں۔

(5) مقتدر علمائے کرام اور مختلف مذہبی سیاسی جماعتوں کے نمائندوں کی ایک جنرل

کونسل بنائی گئی۔ جنرل کونسل نے مطالبات مسترد ہونے کی صورت میں راست اقدام کے لئے مجلس عمل تحفظ ختم نبوت پاکستان قائم کی۔ جنرل کونسل نے آٹھ علمائے کرام کو مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کا رکن منتخب کیا اور دیگر سات ارکان نامزد کرنے کا اختیار دیا۔

اس پندرہ رکنی مرکزی مجلس تحفظ ختم نبوت کے ارکان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

(1) سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ	(2) مولانا ابوالحسنات قادری
(3) مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی	(4) مولانا عبدالحامد بدایونی
(5) حافظ کفایت حسین	(6) پیر صاحب سرسینہ شریف مشرقی پاکستان
(7) مولانا یوسف کلکتوی	(8) مولانا احتشام الحق تھانوی
(9) پیر غلام مجدد سرہندی	(10) مولانا نور الحسن شاہ بخاری
(11) ماسٹر تاج الدین انصاری	(12) مولانا اختر علی خان
(13) مولانا محمد اسماعیل گوجرانوالہ	(14) سید مظفر علی شمسی
(15) حاجی محمد امین سرحدی[1]	

مرکزی مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کا صدر بریلوی مکتب فکر کے رہنما مولانا ابوالحسنات قادری کو منتخب کیا گیا۔ جب کہ اہل حدیث مکتب فکر کے رہنما مولانا محمد داؤد غزنوی جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے۔[2]

الٹی میٹم

مرکزی مجلس تحفظ عمل ختم نبوت کے نامزد کردہ چار رکنی وفد نے 22 جنوری 1953ء کو خواجہ ناظم الدین سے ملاقات کی اور مجلس عمل کے مذکورہ بالا مطالبات پیش کئے ایک ماہ کا الٹی میٹم دیا کہ اگر 12 فروری 1953ء تک مطالبات تسلیم نہ کئے گئے تو حکومت کے خلاف راست اقدام کیا جائے گا۔ وزیر اعظم نے مطالبات سے ہمدردی ظاہر کی مگر انہیں تسلیم کرنے سے معذوری ظاہر کر دی۔ الٹی میٹم دینے کے بعد مرکزی مجلس عمل نے تحریک راست اقدام

1 تحریک ختم نبوت 93 شورش کشمیریؒ ☆ 2 تفصیلات ملاحظہ فرمائیں تحریک ختم نبوت 1953ء از مولانا وسایا

کے لئے ملک بھر سے کارکنوں کی بھرتی شروع کردی۔ یہ تحریک پاکستان کی سب سے بڑی دینی اور عوامی تحریک تھی جو بڑے بڑے شہروں کے علاوہ قصبات تک پھیل گئی جس میں ہزاروں لوگوں نے عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لئے جانوں کے نذرانے پیش کئے اور بے شمار لوگوں کو جیلوں میں بند کردیا گیا حتیٰ کہ مارشل لاء کے ذریعے اس تحریک کو کچل دیا گیا۔

مرکزی مجلس عمل کے رہنماؤں کا اندازہ تھا کہ اگر ایک لاکھ شمع ختم نبوت کے پروانے قید ہونے کے لئے اپنے آپ کو پیش کردیں تو حکومت مطالبات تسلیم کرنے پر مجبور ہوجائے گی۔ 1

پنجاب میں ہڑتال

الٹی میٹم سے خواجہ صاحب پریشان ہوئے تو 12 جنوری 1953ء کو بذریعہ جہاز کراچی سے سرگودھا پہنچے۔ ملک خضر حیات ٹوانہ سے ملاقات کرکے انہیں آئی آئی چندریگر کی جگہ گورنر پنجاب بنانے کی پیش کش کی جو ملک صاحب نے مسترد کردی۔ خواجہ ناظم الدین نے اسی روز شام کو لاہور آنا تھا مرکزی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے رہنماؤں نے موقع غنیمت جانتے ہوئے پنجاب میں ہڑتال کی اپیل کردی۔ مجلس عمل کے مطالبات کے حق میں ہڑتال بے حد کامیاب ہوئی۔ وزیراعظم لاہور آئے تو ان کا سیاہ جھنڈیوں سے استقبال کیا گیا۔

اسی روز مجلس عمل کے زیراہتمام دہلی دروازہ میں عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا۔ جس سے حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے علاوہ دیگر مقررین نے بھی خطاب کیا۔ مولانا تاج محمود مرحوم اس جلسہ میں شریک تھے۔ مولانا کا کہنا تھا کہ یہ شاہ صاحب کی تاریخی اور یادگار تقریر تھی۔ 2

لاہور میں خواجہ ناظم الدین کی آمد پر ان سے مجلس عمل کا ایک چار رکنی وفد ملا۔ لیکن خواجہ صاحب اپنے جواب پر قائم رہے۔ اب تصادم ناگزیر تھا۔

مرکزی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے رہنما 22 فروری کو کراچی میں جمع ہوچکے تھے مگر تحریک شروع کرنے کا کوئی فیصلہ نہ ہوسکا کیونکہ مشرقی پاکستان سے مجلس عمل کے اراکین کراچی

1 لولاک 20 رجون 1972ء ☆ 2 تحریک ختم نبوت

نہیں پہنچ سکے تھے۔ ملک بھر کے کارکنوں اور مقامی رہنماؤں کی نظریں مرکزی مجلس عمل کے فیصلے پر جمی ہوئی تھیں۔ دوسری طرف مرکزی مجلس عمل کی ہدایت تھی کہ جب تک کراچی میں تحریک کا آغاز نہ کیا جائے۔ اس وقت تک دوسرے شہروں میں بھی تحریک شروع نہ کی جائے۔ تین چار روز مشرقی پاکستان کے نمائندوں کے انتظار میں گزر گئے۔ رضا کار سخت پریشان تھے۔ انہیں کچھ معلوم نہ تھا کہ تحریک کیوں شروع نہیں ہورہی۔ بالآخر 26 فروری 1953ء کو کراچی میں مجلس عمل کا فیصلہ کن اجلاس مولانا ابوالحسنات صدر مجلس عمل کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس میں راست اقدام کا طریقہ کار طے کیا گیا کہ پانچ پانچ رضا کار مطالبات کے بینرز اٹھا کر وزیراعظم کی کوٹھی پر جائیں اور پرامن طور پر مظاہرہ کریں۔ اسی قسم کا مظاہرہ گورنر جنرل کی کوٹھی پر بھی جاری رکھا جائے۔ مولانا ابوالحسنات قادری کو پہلا ڈکٹیٹر مقرر کیا گیا اور عوام سے اپیل کی گئی کہ وہ رضا کاروں کے ساتھ مطلقاً نہ جائیں۔ 1

26 فروری 1953ء کی رات کو آرام باغ کراچی میں مجلس عمل کے زیراہتمام فقید المثال جلسہ منعقد ہوا جس میں تمام مکاتیب فکر کے رہنماؤں نے اعلان کیا کہ وہ باہمی اتحاد کو برقرار رکھیں گے۔ اور ہر قسم کی قربانی دیں گے۔ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے تاریخی خطاب فرمایا۔ اس جلسہ میں سکندر مرزا ڈیفنس سیکرٹری اور مرکزی حکومت کے ایک سیکرٹری مسٹر جی احمد بھی جلسہ سننے کے لئے آئے حالانکہ یہ بات پروٹوکول کے خلاف تھی۔ یہ لوگ نیک نیت نہیں تھے۔ انہوں نے آدھی رات کے بعد جاکر خواجہ ناظم الدین کو نیند سے بیدار کراکے جلسہ رپورٹ پیش کی۔ ان دونوں حضرات کے ایما پر اسی شب کابینہ کا ہنگامی اجلاس طلب کیا گیا۔ جس میں تحریک ختم نبوت کو کچلنے اور مجلس عمل کے رہنماؤں کو گرفتار کرنے کا احمقانہ فیصلہ کیا گیا۔ چنانچہ رات گئے امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مولانا ابوالحسنات قادری اور ماسٹر تاج الدین انصاری، سید مظفر علی شمسی، مولانا عبدالحامد بدایونی، مولانا لال حسین اختر، صاحبزادہ فیض الحسن شاہ وغیرہ کو گرفتار کرلیا گیا۔ 27 فروری کی صبح سارے ملک میں اکابر علما کی گرفتاری کی خبر پھیل گئی جس سے ہر شہر میں تحریک کا آغاز ہوگیا۔ 2

1 تحریک ختم نبوت صفحہ نمبر 94 شورش کشمیریؒ ☆ 2 سوانح مولانا تاج محمودؒ ص 84

جماعت بنا دیا جائے۔ جو کہ مکمل طور پر غیر سیاسی جماعت ہو جس کا نام "مجلس تحفظ ختم نبوت" رکھا جائے اس کا مقصد محض عقیدہ ختم نبوت اور مرزائیت کا احتساب ہو۔ اگرچہ مجلس تحفظ ختم نبوت کے نام سے جماعت 1949ء میں قائم کر دی گئی تھی۔ اور مجلس نے 1953ء کی تحریک میں حصہ بھی لیا۔

مجلس تحفظ ختم نبوت کا قیام

مجلس تحفظ ختم نبوت کا قیام باضابطہ 21، 20 اپریل 1954ء کو ملتان میں عمل میں لایا گیا۔ حضرت امیر شریعتؒ کے مکان پر ایک عظیم الشان اجتماع ہوا جہاں اس مجلس کی بنیاد رکھی گئی۔

امیر شریعتؒ اور دیگر رفقاء سیاسی کام کی بجائے تحفظ ختم نبوت کے محاذ پر اپنی توانائیاں صرف کرنا چاہتے تھے۔

چنانچہ پروفیسر زاہد منیر عامر (پنجاب یونیورسٹی لاہور) رقمطراز ہیں۔

21، 20 اپریل 1954ء کو حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے مکان پر ملتان میں قائدین احرار کا ایک اجلاس منعقد ہوا جس میں حضرت شاہ صاحبؒ کے علاوہ ماسٹر تاج الدین انصاریؒ، شیخ حسام الدینؒ، مولانا محمد علی جالندھریؒ، قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ، مولانا حافظ عطاء المنعم شاہ صاحب بخاریؒ، مولانا تاج محمودؒ صاحب، مولانا محمد شریف جالندھریؒ، مولانا مجاہد الحسینی، اجلاس میں شریک حضرات کی روایات کے مطابق آخری اجلاس رات کے وقت حضرت شاہ صاحب کے مکان کی چھت پر ہوا۔ جو رات گئے تک جاری رہا۔"1

چنانچہ اس اجلاس میں شامل قائدین احرار نے مجلس تحفظ ختم نبوت کے قیام کا فیصلہ کیا۔ اس طرح دینی محاذ پر کام کرنے والے احرار رہنما اور رفقا حضرت امیر شریعتؒ کی معیت میں مجلس تحفظ ختم نبوت میں شامل ہو گئے۔ اس اجلاس کی روئیداد اور مجلس تحفظ ختم نبوت میں اپنی شمولیت کا ذکر مولانا تاج محمودؒ پروفیسر زاہد منیر عامر کے نام خط میں کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"حقیقت یہ ہے کہ مجلس احرار میں دو قسم کے ذہن تھے۔ ملک تقسیم ہو جانے کے

1 سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور پاکستان از: زاہد منیر

بعد ایک شاہ جیؒ کی طرح کے لوگ جو خالص دینی لوگ تھے۔ جو آئندہ اس ملک میں سیاسی کام نہیں کرنا چاہتے تھے۔ مسلمانوں میں نزاعی اور متصادم ہو کر باقی وقت نہیں گزارنا چاہتے تھے اور کچھ دوسرے جو خالصتاً سیاسی لوگ تھے۔

وہ اپوزیشن یا کسی بھی حیثیت سے کام کرنا چاہتے تھے۔ پہلے تو دونوں گروہوں نے مجلس احرار کو غیر سیاسی قرار دیا اور جو لوگ سیاسی کام کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے تھے انہیں لیگ (عوامی یا جناح لیگ) کے پلیٹ فارم سے کام کرنے کی اجازت دی گئی۔ مسلم لیگ نے انہیں بوجوہ قبول نہ کیا تو ذمہ دار رہنما شاہ جی کے گھر جمع ہوئے۔ یہ عاجز (تاج محمودؒ) بھی اس میٹنگ میں شریک تھا۔ یہ میٹنگ شاہ جیؒ کے گھر رات کے وقت مکان کی چھت پر ہوئی تھی۔ سیاسی لوگوں نے عوامی لیگ میں شمولیت کے ارادے کا اظہار کیا۔ جس کے بعد اتفاق اور محبت سے جماعت کے دو ذہنوں کو الگ الگ کر دیا گیا جنہوں نے سیاسی کام نہیں کرنا تھا۔ وہ مجلس تحفظ ختم نبوت میں شامل ہو گئے۔ شاہ جی، مولانا محمد علی جالندھری، قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ، مولانا لال حسین اخترؒ، مولانا عبدالرحیم اشعرؒ، مولانا محمد شریف جالندھریؒ، مولانا مجاہد الحسینی، مولانا علاؤ الدین ڈیروی، مولانا نذیر حسینؒ پنوں عاقل اور یہ عاجز (تاج محمود) احرار کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر مجلس تحفظ ختم نبوت میں شامل ہو گئے۔ شیخ حسام الدین، ماسٹر تاج الدین انصاری اور احرار کارکنوں کی ایک بہت بڑی تعداد مجلس احرار میں شامل ہوتے ہوئے سہروردی صاحب کے ہاتھ پر بیعت کر کے عوامی لیگ میں شامل ہو گئی لیکن اس ہانڈی میں بھی یہ بوٹیاں گل نہ سکیں۔"1

اسی اجلاس میں مجلس کے املاک بھی تقسیم کر لئے گئے جن کے متعلق مولانا تاج محمودؒ لکھتے ہیں۔

"جب رات کو شاہ جی کے مکان کی چھت پر میٹنگ میں دو الگ الگ جماعتیں بنانے کا فیصلہ کیا گیا تو مجلس کی املاک بھی تقسیم ہوئیں۔ کراچی، کوئٹہ، لاہور، گوجرانوالہ کے دفاتر جو ہم نے مجلس تحفظ ختم نبوت کے فنڈ سے خریدے تھے۔ یہ دفاتر مجلس کے حصہ میں آئے۔

1 حالات و مکتوبات مولانا تاج محمودؒ از زاہد منیر ص 80 (مکتوب نمبر 13)

شاہ محمد غوث کے بالمقابل جہاں ماسٹر تاج الدین انصاری کی اوپر رہائش اور نیچے دفتر تھا وہ احرار کے حصہ میں آیا۔"[1]

پہلا اجلاس

۵،۴ ستمبر 1954ء کو مجلس تحفظ ختم نبوت کا پہلا باضابطہ اجلاس ٹوبہ ٹیک سنگھ میں ہوا۔ جس میں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری بوجہ علالت شرکت نہ سکے۔ البتہ باقی تمام ممبران شریک ہوئے۔ اجلاس کی صدارت مولانا محمد علی جالندھری نے کی۔ حسب ذیل حضرات نے شرکت فرمائی۔

(1)	مولانا قاضی احسان شجاع آبادیؒ	(شجاع آباد)
(2)	مولانا عبدالرحمٰن میانویؒ	(میانی سرگودھا)
(3)	مولانا لال حسین اخترؒ	(لاہور)
(4)	مولانا تاج محمودؒ	(لائل پور)
(5)	سائیں محمد حیاتؒ	(پسرور)
(6)	مولانا عبدالرحیم اشعرؒ	(ملتان)
(7)	مولانا محمد لقمان (علی پوریؒ)	(علی پور)
(8)	قاضی عبداللطیف اختر شجاع آبادیؒ	(شجاع آباد)
(9)	مولانا خلیل الرحمٰن	(.........)
(10)	مولانا غلام محمد	(علی پور)
(11)	مولانا مجاہد الحسینی	(لائل پور)
(12)	مولانا محمد شریف بہاولپوری	(بہاولپور)
(13)	چوہدری بشیر احمد	(شیخوپورہ)
(14)	مولانا محمد صدیق	(مرید کے)

1. حالات و مکتوبات مولانا تاج محمودؒ از زاہد منیر ص 80۔81

علالت اور وفات

حضرت امیر شریعت کے بیماری کے ایام، علاج و معالجہ کن رفقا نے شاہ جیؒ کا آخر وقت تک ساتھ نبھایا۔ وفات اور جنازہ۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا قول ہے کہ ہماری حقانیت کے فیصلے ہمارے جنازے کریں گے۔

چنانچہ داستانِ غم سناتے ہوئے مجاہد ملت مولانا غلام غوث ہزارویؒ لکھتے ہیں۔

مرض کا حملہ

کوئی چار سال قبل اچانک یہ اندوہناک خبر ملک میں پھیل گئی کہ حضرت امیر شریعتؒ پر فالج کا حملہ ہوگیا ہے۔ حملہ کے خلاف سہام اللیل کی بارش شروع ہوگئی۔ اہل ملک نے عموماً اور اہل اللہ نے خصوصاً بارگاہ رب العزت میں التجائیں کیں۔ مشہور و معروف حکماء ملتان جناب حکیم عطاء اللہ صاحب و جناب حنیف اللہ صاحب ہر دو باپ بیٹوں نے اپنی خدمات امیر شریعتؒ بلکہ حفاظت شریعت کے لئے وقف کر دیں۔ اللہ تعالیٰ نے شرف قبول عطا فرمایا۔ اور حضرت شاہ صاحبؒ کو افاقہ ہوگیا۔ عوام نے آپ کو صحت یاب سمجھا۔ مگر خواص جو آپ کی رفتار و گفتار کے واقف اور عادات و اطوار کے راز دار تھے۔ جانتے تھے کہ یہ صحت نہیں ہے افاقہ ہے۔ حضرت شاہ صاحب نے بھی اس کو پیام رحیل سمجھا۔ چنانچہ آپ نے رخت سفر باندھنا شروع کر دیا۔ دوروں پر جانا بند کر دیا۔ اور دولت خانہ میں بھی خدام و زائرین کو صبح و شام زیارت کم نصیب ہونے لگی۔ اب حضرت شاہ صاحب " فَاِذَا فَرَغْتَ

"فانصب والی ربک فارغب" کے مقام پر تھے۔ یا تو حضرت شاہ صاحب نماز تہجد کے وقت بھی قرآن پاک سناتے رہتے یا اب عبادت ہی عبادت اور ذکر و فکر کے بن کے رہ گئے۔ صرف دن کو تھوڑا وقت عقیدت مندوں کے سکونِ خاطر کے لئے دیتے۔

مرض کا دوسرا دور

لیکن اب غیر محسوس طریقہ سے کمزوری بڑھتی جا رہی تھی کبھی کبھی حضرت شاہ صاحب حکیم صاحب کے پاس خود ہی تشریف لے جاتے جو آپ کے قریب ہی قیام فرما تھے۔ ان سے آپ کو انس تھا اور پرانی محبت بھی تھی۔ مہمانوں کو ابھی تک شاہ صاحب اپنے دست مبارک سے چائے اندر سے لا کر پلاتے اور اپنے مخصوص اقوال کے شکر پاروں سے ان کی تواضع فرماتے۔ اب حضرت شاہ صاحب نے دوستوں کے پاس جانا چھوڑ دیا تھا۔ مگر پشاور سے کراچی تک دوست غلام، اور عقیدت مندوں کا تانتا بندھا رہتا۔ نزدیک اور دور سے آ کر وہ آنکھوں کی ٹھنڈک اور دلوں کے سکون کا سامان مہیا کرتے۔ مگر میں یہ محسوس کرتا رہتا۔ کہ حضرت شاہ صاحبؒ کو شفقت و اخلاق کی وجہ سے ہمیں محسوس نہیں ہونے دیتے۔ مگر وہ اب مخلوق سے تبتل اختیار کر کے خالق سے لو لگائے بیٹھے ہیں۔ بیماری کے اس دور میں کہ جب ابھی وہ مغلوب تھی۔ حضرت شاہ صاحب اپنے پیر و مرشد حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری مرحوم کی خدمت میں بھی لاہور آ کر چند روز قیام فرما رہے۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں۔ کہ ان نورانی صحبتوں میں مرشد کامل اور مرید قابل کے درمیان ربط و نسبت اور سیر و سلوک کی کتنی منازل طے ہوئی ہیں۔

مرض کا تیسرا دور

وفات سے چند ماہ پہلے اچانک یہ افسوسناک خبر پہنچی کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی بیماری شدت اختیار کر گئی ہے۔ میں حاضر خدمت ہوا۔ محترم بھائی حافظ عطاء المحسن شاہ صاحبؒ مجھے اندر لے گئے۔ دیکھ کر مضطرب ہوا۔ آپ کو بولنے میں دقت محسوس ہو رہی تھی، اور چہرے پر مایوسی کے آثار تھے۔ میں ضبط نہ کر سکا۔ اور مصافحہ کر کے رخصت ہو گیا۔ اس کے بعد حضرت شاہ

صاحبؒ کو نشتر ہسپتال میں لے جایا گیا۔ چند دن کے بعد میں وہاں بھی حاضر ہوا۔ ہوش و حواس قائم تھے۔ زبان اور حلق میں تکلیف تھی۔ نماز کے لئے تیمم فرماتے۔ جب وہاں افاقے کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ تو چند دن کے بعد آپ کو گھر لے گیا۔ اسی دن میں حضرت مولانا مفتی محمود صاحب صدر مدرس قاسم العلوم ملتان کی معیت میں دولت خانہ پر حاضر ہوا۔ وہاں چند اور خادم بھی حاضر تھے۔ حضرت شاہ صاحب، حافظ عطاء المحسن صاحب کے سہارے سے اندر سے چل کر دروازے تک تشریف لائے۔ مشکل سے دست مبارک مصافحہ کے لئے بڑھایا۔ ہم یاس و حسرت کے ساتھ رخصت ہوئے۔ مشورہ کے بعد آپ کو لاہور لایا گیا۔ سلطان فونڈری کے مالک مولوی محمد اکرم صاحب اور مولوی محمد افضل صاحب کی کوٹھی واقعہ ماڈل ٹاؤن میں کرنل ضیاء اللہ صاحب نے علاج شروع کیا۔ چوٹی کے حکماء حضرات نے بھی معائنہ فرمایا۔ حضرت شاہ صاحب تعارف کے بعد ہر ایک کو پہچان لیتے۔ اور جب حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب قدس سرہ کے فرزند عیادت کے لئے تشریف لائے جن کی (حضرت مفتی صاحبؒ) وفات کی خبر حضرت شاہ صاحبؒ کو مل چکی تھی۔ تو آپ ان کو دیکھ کر بہت روئے اور جب بول نہ سکے تو لکھنے کی سعی کی جس سے یہ اندازہ ہوا۔ کہ حضرت مفتی صاحب میرے استاد مکرم تھے۔ لاہور میں ہر چند بہترین علاج جاری رہا۔ اور مولوی اکرم صاحب موصوف نے آپ کو اور مہمانوں کو ہر طرح آرام پہنچانے کی کوشش کی تمام رفقاء کار اور مشتاقانِ دید کو زیارت نصیب ہوتی رہی۔ مگر مرض میں کیونکر تخفیف ہوتی یہاں تو یہ حال تھا ؎

از سر بالینِ ما بر خیز اے ناداں طبیب
دردمند عشق را دارو بجز دیدار نیست

اقربا آپ کو واپس ملتان لے گئے۔

مرض کا چوتھا دور

14 راگست 1961ء کو اس خبر نے پریشان کر دیا۔ کہ حضرت شاہ صاحب کو غشی کے دورے پڑے ہیں۔ اس کے بعد طاقت مضمحل اور قوت سلب ہونی شروع ہو گئی۔ یہاں تک کہ

بیس اگست تک آپ کے خویش و اقارب کو بلایا گیا۔ 21 ر اگست کو آپ پر غنودگی ہی طاری رہی۔ اور تیسرے پہر سے دم بدم یہ وحشت ناک خبریں لاہور پہنچنے لگیں۔ کہ حضرت شاہ صاحب کی حالت نازک ہے۔ عجیب تماشہ تھا۔ کہ پاؤں مبارک سرد ہو چکے ہیں۔ مگر بخار قدرے زوروں پر ہے۔ اصولاً تو اتنے شدید بخار سے فالج کی کیفیت بدل جانی چاہیے تھی۔ مگر یہاں تو معاملہ ہی کچھ اور تھا۔ مرض شاخ گل کاٹنے میں مصروف اور طائر روح اس سے پرواز کے لئے بے چین تھا۔ مرض کالب خاکی کے درپے اور روح عالم ملکوت کے لئے بے قرار تھی۔ آخر کار وہ گھڑی آ ہی پہنچی جب کہ مرض اور جسم کا مقابلہ ختم ہو جاتا ہے۔ انسانی روح اگر طیب ہے۔ تو ہر طرح کی کوفت و کلفت سے ہمیشہ کے لئے نجات پا جاتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے:۔

مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ اَحَبَّ اللّٰهُ لِقَائَهُ o

''جو اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے لئے بے چین ہو اللہ تعالیٰ بھی اس کی ملاقات کو چاہتے اور محبوب رکھتے ہیں۔''

اس حدیث شریف کا مفہوم طالب علمی کے زمانہ میں اس وقت سمجھ میں آیا۔ جب کہ دارالعلوم دیوبند کے مدرسین کے استاد حضرت مولانا غلام رسول مرحوم انفلوئنزا سے بیمار ہو کر قریب الموت ہو گئے۔ آپ کو سرسام بھی ہو گیا تھا۔ آخری وقت شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ آپ کی عیادت کو آئے۔ آپ بے ہوش تھے۔ شیخ الاسلام نے فرمایا کہ دم ذاکر ہے۔ (یعنی سانس آمد و رفت میں ذکر کر رہا ہے) بیماری کی شدت سے حضرت مولانا موصوف کے چہرے کا حال یہ تھا۔ جیسے کہ کسی پر پہاڑ ٹوٹ چکا ہو۔ مگر جونہی آخری وقت آیا۔ روح پرواز کرنے لگی۔ چہرہ بشاش ہو گیا۔ مرض کی تکلیف کفارہ ذنوب اور رفع درجات کا سبب بنتی ہے۔ مگر جب فرشتے آ جاتے ہیں۔ مومن کی روح شدت و اشتیاق سے اُن کے پاس چلی جاتی ہے۔

ہاں تو میں عرض کر رہا تھا۔ آخر کار وہ گھڑی آ ہی پہنچی۔ اس وقت حضرت شاہ صاحبؒ کے پاس چند دوست، چند اہل اللہ اور چند عزیز و اقارب تھے۔ بعض نیک آدمیوں

نے بتایا۔ کہ حضرت کی سانس میں ذکر کی کیفیت تھی۔ بہر حال میں دفتر ترجمان اسلام میں بیٹھا تھا۔ اور اخبار میں حضرت شاہ صاحب کے نزاکت حال کی خبر لکھ دی گئی تھی۔ کہ ساڑھے چھ بجے کے قریب محترم مخدوم ماسٹر تاج الدین صاحب نے پاکستان ٹائمز کے دفتر کے حوالہ سے یہ اطلاع دی۔ کہ حضرت شاہ صاحب وفات پا گئے۔ (اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن)

صبر و شکر کی انتہا

حضرت شاہ صاحب نے اس طویل بیماری اور مختلف امراض اور جسمانی تکالیف میں کسی وقت اُف تک نہیں کہا۔ نہ کبھی زبان پر حرف شکایت آیا۔ ہمت و استقامت سے وقت گذرا۔ اور صبر و شکر کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔

عالمگیر اضطراب

یہ خبر شہر لاہور کیا تمام ملک میں بجلی کی طرح دوڑ گئی۔ ہر طرف اضطراب ہی اضطراب تھا۔ جن احباب کو حضرت شاہ کی طویل نازک بیماری کا علم اور صحت سے مایوسی تھی۔ ان کو تو اس صدمہ کو برداشت کرنا کچھ آسان ہو چکا تھا۔ مگر جن کو یہ علم نہ تھا ان کو اس ناگہانی حادثے سے ناقابل بیان پریشانی ہوئی جس جس کو خبر ہوئی کوئی بسوں کی طرف دوڑا، کسی نے اسٹیشن کا رُخ کیا مگر وہ دونوں چیزیں اپنے قابو کی نہ تھیں۔ میں لاہور سے باہر بغیر ایس۔ ایس۔ پی کی اجازت کے نہیں جا سکتا۔ اس دن تو دفاتر بند ہو چکے تھے۔ 22 ر اگست کو 9 بجے میل پر جانے کے لئے بروقت۔ اجازت کی اُمید نہ تھی۔ پہلے تو یوں بھی اُمید نہ تھی اگر دیتے بھی تو وہ اجازت بعد از وقت ہوتی۔ میں منٹگمری کی تاریخ بھگتنے کے لئے اجازت لینے جاتا ہوں، یہاں مستقل طور پر ایک تاریخ بھگتنی پڑتی ہے۔ ایس۔ ایس۔ پی جب میٹنگ سے آتے ہیں تب دستخط فرماتے ہیں۔ پھر ٹائپ کر کے تحریری اجازت نامہ عنایت کرتے ہیں مقدر یہی تھا کہ میں دوہری مصیبت اٹھاؤں۔

اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ o

22، 21 اگست کو ملتان لائن پر آنے والے تمام اسٹیشن سوگوار تھے اور جب لائل پور اور لاہور کی ٹرینیں ملتان پہنچیں تو آہ و بکاہ اور دلدوز چیخ و پکار سے اسٹیشن ماتم کدہ بن گیا۔

ٹبی شیر خان

اعلان ہو چکا تھا کہ جنازہ کل چار بجے ہوگا۔ مگر مخلوق خدا راتوں رات پہنچتی اور روتی رہی۔ 22 / اگست کو صبح سویرے محلّہ ٹبی شیر خاں میں آدمی ہی آدمی تھے۔ کھانے پینے سے بے نیاز۔ پریشانی کے عالم میں حضرت شاہ صاحب کے مکان سے مدرسہ قاسم العلوم تک پھیلے ہوئے تھے۔ نو بجے تک آنے والوں کی تعداد دس ہزار تک پہنچ گئی۔

مدرسہ قاسم العلوم

مدرسہ قاسم العلوم اسی علاقہ میں ہے۔ یہ عربی علوم اور تفسیر و حدیث کا فوقانی مدرسہ ہے جو انقلاب سے پہلے کا قائم شدہ ہے۔ اس کی وسیع عمارت۔ کھلی مسجد۔ دارالحدیث اور جاذبِ نظر درسگاہیں اسلامی فیوض و انوار کی جلوہ گاہیں ہیں۔ پھر طالب علموں کے اخلاق اور جذبہ خدمتِ خلق سونے پر سہاگہ ہے۔ اس کے صدر مدرسین مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمودؒ صاحب ناظم اعلیٰ وفاق المدارس (ناظم اعلیٰ جمعیت علماء اسلام) ہیں جن پر مولانا قاری حافظ عطاء المنعم صاحب نے خاص احسان فرما کر آخری وقت میں شاہ صاحب کے دیدار کے لئے اطلاع دے کر بلا یا لیا تھا۔ جس کے لئے وہ بقول خود مدت العمر ممنون رہیں گے۔ اس مدرسہ کا صحن۔ اس کے دالان تمام درسگاہیں۔ دارالحدیث۔ مسجد اور کمرے مہمانوں سے بھر چکے تھے۔ جن کو آرام پہنچانے کی کوشش طالب علم اور اساتذہ ہر طرح کرتے رہے۔ یہ حضرت شاہ صاحبؒ کی آخری خدمت تھی جو مدرسہ قاسم العلوم نے کی۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

جانشینی

مدرسہ قاسم العلوم میں کم و بیش دو ہزار علماء صلحاء مشائخ اور عوام و خواص کی موجودگی میں حضرت شاہ صاحبؒ کے بڑے فرزند حضرت مولانا قاری حافظ سید عطاء المنعم شاہ (سید

ابوذر بخاریؒ) صاحب کو حضرت شاہ صاحبؒ کا جانشین تجویز کیا گیا۔ اس مبارک تجویز میں حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب درخواستی اور حضرت مولانا خیر محمد (جالندھریؒ) صاحب خلیفہ اعظم حضرت تھانویؒ۔ حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مہتمم قاسم العلوم اور حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھریؒ جیسے اکابر ملت اور دیگر سینکڑوں علماء و مشائخ شریک تھے۔ چنانچہ پھر دستار بندی بھی ہوئی۔

نماز جنازہ

نماز ظہر کے بعد شاہ جیؒ کے گھر سے جنازہ اٹھا۔ اور ایمرسن کالج گراؤنڈ کی طرف بڑھا۔ جنازے کے ساتھ لمبے لمبے بانس تھے۔ مگر مشتاقین کے ہجوم میں کوئی انتظام باقی نہ رہ سکا۔ ملتان کی سڑکیں لوگوں سے بھری ہوئی تھیں دو میل تک آدمی ہی آدمی تھے۔ غمزدہ تو سب ہی تھے۔ مگر تقریباً نصف آدمی آپے سے باہر ہو رہے تھے۔ حکیم عطاء اللہ صاحب جیسے سنجیدہ بزرگ اپنے اوپر کنٹرول نہیں کر سکے۔ چیخیں مار مار کر روتے اور فرماتے لوگو عاشقِ رسول کا جنازہ ہے۔ انتقال ہو کر پورے بیس گھنٹے ہو چکے تھے مگر آنسو تھمتے نہ تھے۔ کم و بیش ایک سے ڈیڑھ لاکھ کے درمیان آدمیوں نے نماز جنازہ پڑھی۔ ملتان کی تاریخ میں ایسا دن نہ پہلے کسی نے دیکھا نہ آئندہ اُمید ہے۔ علماء و مشائخ اور سلاطین کے جنازوں میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ سچ ہے۔

عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

امام جنازہ

یہ اعلان ہو چکا تھا کہ نماز جنازہ حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ پڑھائیں گے۔ خود مولانا حافظ سید عطاء المنعم صاحب نے یہی تجویز کی تھی۔ مگر حضرت مولانا موصوف نے یہی مناسب سمجھا کہ حضرت شاہ صاحب کے جانشین قاری حافظ سید عطاء المنعم بخاریؒ صاحب جن کی دستار بندی کر دی گئی ہے اب نمازِ جنازہ کے لئے زیادہ موزوں ہیں خاص کر اس لئے

کہ وہ ولی بھی ہیں۔ چنانچہ حافظ صاحب موصوف نے اپنے قابلِ رشک باپ کا جنازہ خود ہی پڑھانے کی سعادت حاصل کی۔ ان کا صبر و حوصلہ قابلِ داد تھا۔ غم و اندوہ کے اس طوفان میں چٹان کی طرح ثابت قدم رہے۔

قبر

وفات کی خبر سن کر ڈی۔ سی ملتان اور جناب بی۔ اے قریشی صاحب کمشنر ملتان ڈویژن مکان پر تعزیت کے لئے آئے اور صدرِ مملکت (محمد ایوب خاں) کا پیغام بھی پہنچایا۔ کمشنر صاحب موصوف نے قبر کے لئے پرانے قلعہ پر جگہ پیش کی اور صوبائی حکومت سے اجازت بھی لے لی۔ مگر علماء کرام اور اعزّہ و اقارب نے حضرت شاہ صاحب کے مزاج کے مطابق عام قبرستان میں دفن کرنا زیادہ مناسب سمجھا۔ شاہ صاحب زندگی میں بھی عوام کے پاس بیٹھتے تھے۔ برزخ میں کیسے ان سے جدا ہوتے ہیں۔

آخری منظر

ہر دو بڑے فرزندوں، مولانا حافظ عطاء المنعم صاحب اور حافظ عطاء المحسن صاحب نے حضرت شاہ صاحب کو قبر میں اتارا جہاں وہ قیامت تک کے لئے محوِ خواب ہوگئے۔ (نَمْ كَنَوْمَةِ الْعُرُوْسِ) یہاں دل بے قرار چاہتا ہے کہ یہ شعر پڑھ دوں

نَفْسِی الْفِدَاءُ لِقَبْرٍ اَنْتَ سَاكِنُهُ
فِيْهِ الْعِفَافُ وَفِيْهِ الْجُوْدُ وَالْكَرَمُ

میری جان اس قبر پر قربان ہو جس میں آپ آرام فرما ہیں
اس قبر میں پاکی اور جود و کرم کے سوا اور کچھ نہیں



1 روزنامہ آزاد لاہور امیر شریعت نمبر ص 51

آہ! اب ہم انہیں کبھی نہ سن پائیں گے ہمارے بس میں ہوتا، تو ان کو ختمِ نبوت کے سارقوں کی سرکوبی کے لئے روک دیتے۔ لیکن ان کا وقت معین ہو چکا تھا۔ اپنے آخری دنوں میں وہ اکثر کہا کرتے تھے، مجھے جانے دو، اب موت و حیات میں دو گام ہی کا فاصلہ ہے۔ اور یہ فاصلہ آخر طے ہوگیا۔[1]

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔



آخری دیدار

وقت کا سب سے بڑا خطیب، جس کی زبان سے پھول جھڑتے تھے، آج موت کے بستر پر آخری نیند سو رہا تھا۔ وہ بطلِ جلیل جس نے بارہا دس اور بارہ گھنٹے تک لوگوں کو مسحور کئے رکھا جس کی آواز کے جادو سے سمندروں کی لہریں اور ہواؤں کے جھونکے مسحور ہو جاتے، اور بہتے ہوئے دریا ٹھہر کر جس کی خطابت سے اپنی روانی کا ذائقہ بدلتے تھے، آج بے حس و حرکت پڑا تھا..... اللہ اللہ وہ انسان جس نے برصغیر کے طول و عرض میں لاکھوں انسانوں کے دل و دماغ بدل دیئے اور چالیس برس تک کروڑوں لوگوں کے ولولہ ہائے ارادت کا مرکز بنا رہا، اللہ کی رضا کے سامنے سربسجود تھا۔ گاڑھے کے کفن میں لپٹا ہوا، بلند و بالا انسان اپنے ہزارہا عقیدت مندوں کے اشکبار چہروں کی فریاد پر بھی چپ چاپ تھا، ہمیشہ کے لئے چپ ہوگیا تھا، وہاں چلا گیا تھا، جہاں سے آج تک کوئی نہیں لوٹا۔ ظہر کی نماز تک یہ تانتا بندھا رہا۔ زندہ باد کہنے والی زبانیں اب آنکھوں کے آنسوؤں سے پائندہ باد کہہ رہی تھیں۔

1 ہفت روزہ "چٹان" لاہور 28/ اگست 1961ء

تاریخ ہائے وفات 1381ھ

(1) کفن امیر شریعتؒ (2) والا گہر شد بخاریؒ (3) کون پیکر شد بخاری (4) آسماں مکاں شد بخاری (5) حسان انجم شہِ بخاری (6) جز وصالِ عطاء اللہ شاہ بخاری (7) زبدۂ زماں عطاء اللہ شاہ بخاری (8) لحدِ سید عطاء اللہ شاہ بخاری (9) امیر شریعت عطاء اللہ شاہ بخاری (10) مزارِ پُر انوارِ والا جاہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری (11) مزارِ پُر انوارِ مدینہ گو سید عطاء اللہ شاہ بخاری (12) راہِ شناس آتش بیان (13) مرقدِ منورہ دیدہ مومناں سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ (14) مرقدِ منورہ سیف زباں سید عطاء اللہ شاہ بخاری (15) محمود جہاں خطیب جادو بیاں سید عطاء اللہ شاہ بخاری (16) ممدوحِ جہاں خطیبِ جادو بیاں سید عطاء اللہ شاہ بخاری (17) دانائے کامل خطیب جادو بیان سید عطاء اللہ شاہ بخاری (18) آہن گداز خطیب قوم سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ (19) نجم دین خطیب جادو بیانِ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

قطعہ

عطاء اللہ شہ سوئے جنت سدھارے
خبر آئی جس وقت از شہر ملتان
گھٹا چھا گئی مطلع دل پہ غم کی
ہوا مضطرب سُن کے ہر اک مسلمان
جو ہاتف سے تاریخ پوچھی تو بولا

نہ ہو اخترؔ واصفی تو پریشاں
بتاتا ہوں تاریخ ہجری تجھے میں
''امیر شریعت گیا پاک داماں''

1961ء

(1) مفتاحِ شریعت عطاء اللہ شاہ بخاری (2) والا رتبہ سید عطاء اللہ شاہ فوت شد (3) رفتنِ امیر شریعت (4) مخزنِ علوم شہ بخاری (5) شامِ غم علامہ روزگار (6) مقبولِ دوران سید عطاء اللہ شاہ بخاری خلد آشیاں (7) عطار نفس سید عطاء اللہ شاہ خلد آشیاں (8) سید عطاء اللہ شاہ بخاری نوزمانی نور (9) علامہ روزگار امیر شریعت عطاء اللہ جا (10) علمِ دین امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری (11) جلالِ علم امیر شریعت (12) نگہ واپسینِ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری (13) لوحِ مزار نیکو قلب امیر شریعت سید عطاء اللہ (14) مزارِ پر انوارِ سید قوم سید عطاء اللہ شاہ بخاری (15) مرقد منورۂ امیر عطا سید عطاء اللہ شاہ بخاری (16) مرقد منورہ عالم باعمل سید عطاء اللہ شاہ بخاری (17) مرقدِ منورہ پاک باطن امیر شریعت (18) مرقدِ منورۂ بابِ وعظ امیر شریعت (19) مرقدِ منورہ کانِ جادو امیر شریعت (20) شستہ زباں خطیب شہیر (21) روشن خیال آتش بیان (22) ہفت بیاں سید عطاء اللہ شاہ بخاری (23) مہر منیر جادو بیاں سید عطاء اللہ شاہ بخاری۔

قطعہ

وہ سید کہ تھا صدرِ احرارِ ملت
جسے لوگ کہتے تھے شاہِ خطابت
یہ دنیا کہ مومن کا ہے قید خانہ
اسے چھوڑ کر وہ گیا سوئے جنت
ہوئی جستجو اخترؔ واصفی کو

چو از بہر اِرقام تاریخ رحلت
ندا آئی کیوں نہ تاریک عالم
گیا مہر تاباں امیر شریعت

1961ء

مرد ہم خطیب اعظم

رخصت ہوئے دنیا سے بخاری کے جلو میں
اندازِ بیاں، سحر بیاں، لذت گفتار
نصرت پئے تاریخ یہ ھاتف نے ندا دی
اب ختم ہوئی رونق ہنگامۂ احرار

1961۔نصرت قریشی

"خدام الدین" لاہور یکم ستمبر 1961ء

مشاہیر ہندو پاک کا خراجِ تحسین

۞ علامہ اقبالؒ

شاہ جیؒ اسلام کی چلتی پھرتی تلوار ہیں۔

۞ مولانا ابوالکلام آزادؒ

ملک وملت کا ہر گوشہ ان کا شکر گزار ہے۔

۞ مولانا محمد علی جوہرؒ

مقرر نہیں ساحر ہیں، تقریر نہیں جادو کرتے ہیں۔

۞ مولانا شوکت علیؒ

وہ بولتے نہیں موتی رولتے ہیں۔

۞ مولانا داؤد غزنویؒ

بخاری مرحوم جیسا اسلام کا شیدائی دنیا میں پیدا ہونا مشکل ہے۔

۞ نواب بہادر یار جنگ

اے کاش میں اس شخص کو مسلم لیگ میں لا سکتا۔ اگر یہ شخص میرے ساتھ ہوتو چھ ماہ کے اندر ملک میں انقلاب برپا کردوں۔

۞ سردار عبدالرب نشتر

وہ باغ وچمن سے اُٹھے اور دارورسن سے گذرے ہیں۔

۞ شیخ حسام الدینؒ

وہ فن خطابت کے امام تھے ان کی موت سے اس محفل کے جو چراغ گل ہوئے ہیں اب وہ ہمیشہ روشنی کو ترستے رہیں گے۔

۞ مولانا حسرت موہانیؒ

وہ خطابت کے شہسوار ہیں۔

۞ قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ

وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔

۞ مولانا محمد علی جالندھریؒ

وہ فقر واستغناء کا پہاڑ تھے۔

۞ ماسٹر تاج الدین انصاریؒ

وہ علم وادب، فکرودانش، سیاست وتدبر کی محفلوں کا چراغ تھے۔

۞ مولانا مظہر علی اظہرؒ

ان کی سیاسی بصیرت کے...... ان کی دینی، علمی اور ادبی بصیرت کی مثال دنیا کے کسی

انسان میں نہیں مل سکتی۔

۞ مولانا عبدالرحمٰن میانویؒ

جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم۔

۞ فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں مرحوم

وہ جنگِ آزادی اور اسلام کے زبردست مجاہد تھے۔

۞ سید مظفر علی شمسیؒ

وہ حقیقتاً فنا فی الرسول تھے۔

۞ میاں محمود علی قصوری

ان کا چلن زندگی کے سفر میں چراغ راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

۞ ڈاکٹر سید محمد عبداللہ

وہ واقعی عظیم اشخاص میں سے تھے جس کی ہستی کی ترکیب وتعمیر میں قدرت کے غیر معمول......

۞ مولانا غلام رسول مہرؒ

ان کے وجود کی ماہیت ومعنویت کا ذرہ ذرہ اسلامیت سے سرشار تھا۔

۞ علامہ علاؤالدین صدیقیؒ

اسلام اور آزادی دھن پر دل وجان سے قربان ہوجانا ان کی زندگی کا منتہا تھا۔

۞ احمد ندیم قاسمی

ان کے بے داغ اور بے لوث خلوص کی قسمیں صدیوں بعد کھائی جاتی رہیں گی۔

❁ مولانا تاج محمودؒ

ان کے کل محاسن خطابت کے لئے اور ان کی خطابت عشقِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تھی۔

❁ مختار مسعود

انہیں حسرت موہانی اور ابوالکلام آزاد کی خطابت کا زمانہ نصیب ہوا اس میں ان کے ہم سفر تو بہت تھے مگر ہمسر کوئی نہ تھا۔

علامہ اقبالؒ

شاہ جی اسلام کی چلتی پھرتی تلوار ہیں۔

مولانا ظفر علی خانؒ

بلبل چہک رہا ہے ریاضِ رسولؐ میں۔

مولانا محمد علی جوہرؒ

شاہ جی مقرر نہیں ساحر ہیں۔

مولانا حسین احمد مدنیؒ

ان کا دل صرف اسلام کے لئے دھڑکتا ہے۔

مولانا حسرت موہانیؒ

شاہ جی خطابت کے شہسوار ہیں۔

مولانا ابوالکلام آزادؒ

ملک اور قوم کا ہر گوشہ ان کا شکر گزار ہے۔

سردار عبدالرب نشترؒ

شاہ جی باغ و چمن سے اٹھے اور دار و رسن تک پہنچے۔

مولانا شوکت علیؒ

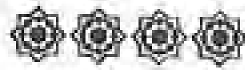
وہ بولتے نہیں موتی رولتے ہیں۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ

ان کی باتیں عطاء اللّٰہی ہوتی ہیں۔

خواجہ حسن نظامیؒ

انہیں دیکھ کر قرونِ اولیٰ کے مسلمان یاد آجاتے ہیں۔



مولانا جوہرؒ نے کہا یہ شخص مقرر نہیں بلکہ ساحر ہے

میں نے شاہ جیؒ کے سامنے بڑے بڑے ادیبوں اور خطیبوں کا چراغ گل ہوتے دیکھا۔ ایک جلسے میں شاہ جی کی تقریر کا رنگ و روغن کچھ ایسا تھا۔ ان کے بعد اس فن کے بعض نامی گرامی لوگوں کی تقریریں عوام کو متاثر نہ کر سکیں۔ چنانچہ مولانا محمد علی جوہر نے شاہ جی سے کہا۔ بخاریؒ! تم اپنی تقریر میں لوگوں کو جب قورمہ اور پلاؤ فراہم کرتے ہو تو بعد میں انہیں یہ بھی کہہ دیا کرو کہ محمد علیؒ کی سوکھی روٹی بھی قبول کر لیا کریں اس پر شاہ جی فوراً بولے۔ حضور! ایک جرنیل ایک سپاہی کے بارے میں یہ بات کہہ رہا ہے۔ سپاہی کی شہرت تو دراصل جرنیل کی عظمت کا آئینہ ہوتی ہے۔ یہ الفاظ سن کر مولانا محمد علی نے مزید بحث و تمحیص کی گنجائش نہ پائی اور چپ ہو گئے۔ بخاریؒ جیسے خطیب کو یہ فخر حاصل ہے کہ مولانا محمد علی جوہرؒ جیسے جادو بیان مقرر نے اپنے اخبار "ہمدرد" میں جلی طور پر یہ لکھا تھا۔ یہ شخص مقرر نہیں بلکہ ساحر ہے۔ شاہ جی کے بارے میں مرے دل میں ان گنت یادوں کا سرمایہ موجود ہے جسے مربوط کرنے کے لئے دفتر چاہئے۔

وہ ایک یگانہ روزگار رہتے تھے

آہ! امیرؒ

تاریخ وفات

بزم جہاں میں سب ہیں لیکن نہیں بخاریؒ
عالم کو کر گیا ہے اندوہگیں بخاریؒ
پیدا نہ ہوگا کوئی ایسا خطیب دانش
ایوانِ خلد میں ہے محفل نشیں بخاریؒ

13۸1ھ

شاہ جیؒ کا نسب نامہ حریت

ہر شخص اپنا شجرہ نسب ساتھ رکھتا ہے، میرا یہی شجرہ نسب ہے۔ میں سر اونچا کر کے فخر کے ساتھ کہہ سکتا ہوں، کہ میں اس خاندان کا ایک فرد ہوں۔ 23/مارچ 39ء

حضرت مجدد الف ثانیؒ

قلعہ گوالیار میں دو سالہؒ قید

شاہ ولی اللہ

قرآن پاک کے ترجمہ فارسی پر دستر خوان شاہی کے ریزہ چینیوں نے آپ پر قاتلانہ حملہ کیا اور پانہچے توڑ ڈالے۔

شاہ عبدالعزیزؒ — شاہ رفیع الدینؒ — شاہ عبدالقادرؒ — شاہ عبدالغنیؒ

چاروں بھائی تھے۔ آخری تین چھوٹے بھائی شاہ عبدالعزیزؒ کی زندگی ہی میں وفات پا گئے۔ شاہ عبدالقادرؒ نے سب سے پہلے قرآن پاک کا اردو ترجمہ کیا، جو آج تک بھی اردو تراجم کی بنیاد ہے۔ سلطنت کے آخری فرزندوں نے شاہ عبدالعزیزؒ کو دو مرتبہ زہر دیا، جو ناکام رہا۔ بدن پر چھپکلی کا ابٹن مل دیا گیا جس سے (1) برص ہو گیا (2) بینائی جاتی رہی (3) خون میں حدت پیدا ہو گئی (4) مختلف امراض نے گھیر لیا...... ایک دفعہ فتح پوری کی جامع مسجد میں تراویح پڑھا رہے تھے، کہ غنڈوں کا ایک غول شراب میں دھت طوائف کو رہنما بنا کر آواز سے کستا رہا۔ اس طائفہ نے تاشے پیٹ پیٹ کر وہ اودھم مچایا، کہ پناہ بخدا......

سید احمد بریلویؒ — شہادت

شاہ اسماعیل شہیدؒ (فرزند شاہ عبدالغنی) — شہادت

ان نفوس قدسیہ کی معیت میں علمائے حق اور مجاہدین اسلام کا ایک قافلہ جام شہادت نوش کر کے سرخرو ہو گیا

1857ء
(جنگ آزادی)

سزا یافتگان موت — پھانسی دیئے گئے یا گولی سے اُڑا دیئے گئے

- نواب عبدالرحمن خاں والی جھجر
- نواب مظفر الدولہ
- نواب میر خاں
- نواب اکبر خاں بخش
- احمد مرزا
- میر محمد حسین

- حکیم عبدالحق
- قاضی فیض اللہ کشمیری
- میر پنجہ کش خوشنویس
- امام بخش صہبائی
- نواب احمد علی خاں
- نواب محمد حسین خاں (جیل میں موت واقع ہوئی)

- نظام الدین خاں
- نواب محمد علی خاں
- عبداللہ خاں
- دلدار علی خاں
- صوفی حسن عسکری
- غلام محمد خاں (رئیس فرخ نگر)

قیدی 1857ء

- سید اسماعیل حسین منیر — بعبور دریا شور
- مفتی عنایت احمد کاکوروی — بعبور دریا شور
- مفتی مظہر کریم — بعبور دریا شور
- مولانا فضل حق خیر آبادی — بعبور دریا شور
- مولانا ولایت علی — بعبور دریا شور

پانچ مقدمہ ہائے سازش

انبالہ 1866ء

- مولانا یحییٰ علی صادق پوری
- مولانا عبدالرحیم صادق پوری
- قاضی میاں جان
- میاں عبدالغفار
- مولانا محمد جعفر تھانیسری

سزائے موت سنا کر صرف اس لئے عمر قید میں تبدیل کر دی گئی، کہ پھانسی کو دوست رکھتے تھے — کل گیارہ ملزم تھے، صرف ایک وعدہ معاف گواہ بنا۔

پٹنہ 1865ء — مولانا احمد اللہ صادق پوری کو موت کی سزا دی گئی، جو عمر قید میں تبدیل ہو گئی، پانی داعی اجل کو لبیک کہا ان کی تمام جائیداد ضبط کر لی گئی۔ حتیٰ کہ قبریں بھی اُکھاڑ دی گئیں

راج محل 1870ء — جناب ابراہیم منڈل کو عمر قید اور ضبطی جائیداد کی سزائیں دی گئیں۔

مالدہ 1870ء — مولوی امیر الدین کو عمر قید کی سزا دی گئی، گیارہ سال قید کاٹ کر رہا کئے گئے۔

پٹنہ 1871ء — کل سات ملزم تھے۔ مولانا مبارک علی نے جیل میں انتقال کیا۔ مولانا تبارک علی عمر قید کئے گئے۔ دو چھوٹ گئے۔ باقی کو ضبطی جائیداد کے علاوہ مختلف المیعاد سزا دی گئی۔

دیوبند

- حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ — [illegible] میں مطلوب تھے۔ حجاز چلے گئے۔ [illegible] مکہ معظمہ میں دفن ہیں
- مولانا رشید احمد گنگوہیؒ — چھ ماہ قید رہے، والد شہید کر دیئے گئے
- مولانا محمد قاسم نانوتویؒ — بانی دارالعلوم 1857ء کے جہاد حریت میں مطلوب تھے انگریزوں نے عمر بھر تعاقب کیا

شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ

دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے شاگرد، حضرت نانوتویؒ کے فخر روزگار تلمیذ، 1891ء میں اپنی ہی درس گاہ کے صدر مدرس ہو گئے۔ انگریزوں کے حکم اور شریف حسین کی غداری سے مالٹا میں چار سال تک قید رکھے گئے۔ 1921ء میں وصال ہو گیا...... اپنی نظر، اپنے علم اور اپنے ایمان سے، اپنے شاگردوں میں انگریز دشمنی کا ایسا بیج بو گئے، کہ علمائے حق کا نوشتۂ تقدیر ہو گیا۔

تلامذہ حضرت شیخ الہند

- مولانا انور شاہ — [illegible]
- مولانا حسین احمد مدنی (چودہ سال)
- مولانا عبیداللہ سندھی (22 سال جلاوطنی)
- مولانا منصور انصاری (22 سال جلاوطنی)
- مفتی کفایت اللہ (دس سال)
- مولانا شبیر احمد عثمانی ([illegible])
- مولانا احمد علی لاہوری ([illegible])

مجاہدہ حریت کی شاخیں

- مولانا محمد علی جوہر (8 سال قید)
- مولانا شوکت علی (8 سال قید)
- مولانا حسرت موہانی (12 سال قید)
- مولانا ابوالکلام آزاد (10 سال قید)
- مولانا ظفر علی خاں (10 سال قید)

مجلس احرار

- مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی — 12 سال
- چوہدری افضل حق — 8 سال
- مولانا مظہر علی اظہر — 8 سال
- ماسٹر تاج الدین انصاری — 6 سال
- مولانا محمد گل شیر شہید — 2 سال قید۔ شہادت
- مولانا غلام غوث ہزاروی — چھ سال

- مولانا داؤد غزنوی — چھ سال
- شیخ حسام الدین — 8 سال
- مولانا قاضی احسان احمد — چھ سال
- محمد علی جالندھری — چار سال
- سید عطاء اللہ شاہ بخاری — 10 سال 2 ماہ
- شورش کاشمیری — دس سال چار ماہ

مرتبہ: شورش کاشمیری

مقام فیض کوئی راہ میں جچا ہی نہیں
جو کوئے یار سے نکلے تو سوئے دار چلے

ہفت روزہ چٹان سالنامہ 1992ء ص 12، 13

❋❋❋❋